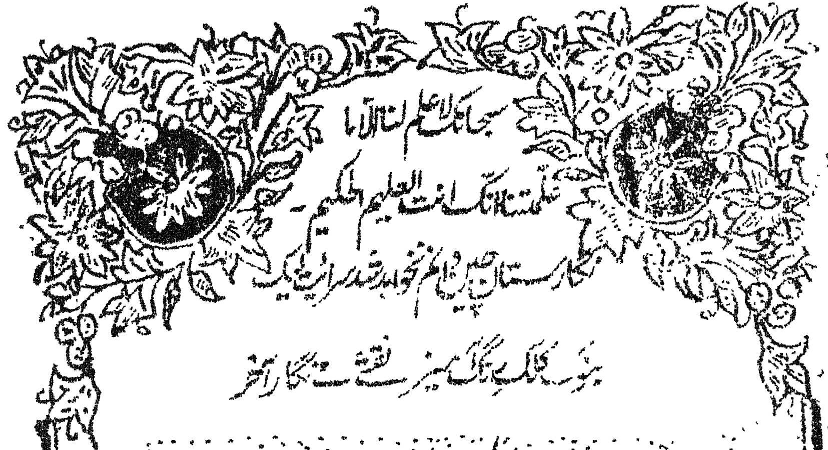


سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

نگارستان چین یابم نخواہد شد سراپا بیک

بجوش کلک رنگ میز نقشے نگار آخر

لسان الغیب

یعنی

اردو شرح دیوان حافظ مع مفصل تحقیقی سوانح حافظ رح

جلد اول

از

بار سوم

تعداد ۱۰۰۰



خلاصہ

دیباچہ

طبع اول

خواجہ حافظ کے کلام کو ہندوستان میں جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ اس سے ناظرین ناآشنا نہیں۔ دیوان حافظ کے ترجمے اردو۔ فارسی۔ ترکی۔ بنگالی پنجابی۔ انگریزی۔ فرانسیسی۔ جرمن زبانوں میں موجود ہیں۔ کئی شرحیں چھپ چکی ہیں بعض مطبوعہ دیوانوں پر حاشیہ بھی ہے۔ مگر دیکھا جاتا ہے۔ کہ بعض غیر مکمل ہیں بعض فارسی میں ہیں۔ جن سے اردو خواں پبلک فایدہ نہیں اٹھا سکتی۔ اور بعض شارحین نے شرح تو درکنار ترجمہ بھی شعروں کا درست نہیں کیا۔ اگر کاتب کی غلطی سے کوئی شعر غلط لکھا ہوا تھا۔ تو اسی کے مطابق ترجمہ کر دیا۔ [illegible] مولوی حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری لکھتے ہیں۔ ان شارحوں سے ہم کو عام شکایت یہ ہے۔ کہ انہوں نے بالکل صوفیانہ مذاق کی شرحیں لکھی ہیں۔ ادبی

خوبیاں جو خواجہ کے کلام میں ہیں۔ انکو ظاہر نہیں کیا ہے۔ یہ صرف خانقاہوں میں پڑھی جانیکے قابل ہیں
دوسری شکایت یہ ہے۔ کہ آسان اور غیر ضروری باتوں کی تفصیل میں تو صفحے کے صفحے سیاہ کر
دیتے ہیں لیکن تاریخی اور ادبی معلومات کا مطلق پتہ نہیں ہے۔ جسکے بغیر پڑھنے والے کو کوئی دلچسپی
نہیں ہوتی۔ (حیات حافظ) اور اکثر مشکل اشعار کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

مروجہ شرحوں میں شارحین نے یہ کوشش کی ہے۔ کہ ہر ایک شعر کے حقیقی معنی ہی بیان
کئے جائیں۔ چنانچہ جہاں خواجہ صاحب نے کسی ممدوح کا نام لیا ہے۔ اس نام کی تعبیر بھی ان بزرگوں
نے حقیقی رنگ میں کی ہے۔ اگر کہیں بادشاہ کا نام آ گیا۔ تو بجائے اسکے کہ اس شعر کی تشریح میں تاریخی
پہلو اختیار کیا جائے لکھ دیتے ہیں۔ کہ مراد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے سلطان
اویس سے اویس قرنی مراد لیتے ہیں حتیٰ کہ تواریخی واقعات کی ایسی صورت بگاڑی جاتی ہے۔ کہ شعر بے
مزہ اور بے لطف معلوم ہونے لگتا ہے۔

لسان الغیب میں جہاں تک ممکن ہو سکا ہے۔ تمام تاریخی واقعات کو تاریخی پہلو سے واضح کیا گیا
ہے۔ تاریخی ناموں پر تاریخی نوٹ لکھے گئے ہیں شعر کی تمام ادبی خوبیاں بیان کر دی گئی ہیں۔
رنگ [illegible] بھی موجود ہے۔ اور ادبی پہلو بھی ملحوظ۔ دوسرے شاعروں کے مختلف [illegible]
اشعار جابجا درج ہیں۔ جو خواجہ صاحب کے اشعار کے معانی واضح کرنے میں بہت مدد دیتے ہیں۔
خواجہ صاحب نے اگر کوئی خیال دوسرے شاعر کے کسی شعر سے لیا ہے۔ تو وہ شعر بھی لکھ دیا گیا ہے۔

چونکہ خواجہ صاحب کے کلام میں قرآنی الفاظ اکثر استعمال ہوتے ہیں۔ اور آیات قرآنی کے
مضامین پر اکثر شعر دیوان میں موجود ہیں۔ اسلئے ہر مناسب موقعہ پر آیات لکھ دی گئی ہیں۔ چنانچہ
ناظرین دیکھیں گے۔ کہ لسان الغیب میں جابجا آیات و احادیث موجود ہیں۔

اگر ایک مضمون خواجہ صاحب کے کلام میں کئی مختلف شعروں میں ادا ہوا ہے۔ تو ہر موقعہ
پر دوسرے شعر کا حوالہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض مقامات پر آٹھ آٹھ دس دس اشعار کا حوالہ ہوگا۔
شعروں کا حوالہ ردیف۔ غزل اور شعر کے نمبر کے ذریعے اس طرح دیا گیا ہے۔ کہ د ۳/۷ سے
مراد ردیف د غزل (۳) شعر (۷) ہے۔ ت ۱۲/۲ سے مراد ردیف ت غزل (۱۲) شعر (۲) ہے۔
وعلیٰ ہذا القیاس۔

غزلوں اور شعروں کو کتاب میں نمبر دیئے گئے ہیں تاکہ اشعار کی تلاش میں آسانی ہو۔ خواجہ حافظ کی مفصل سوانح عمری بھی کتاب کے شروع میں دیدی گئی ہے جس میں خواجہ کے کلام پر مختلف پہلوؤں سے تفصیلاً بحث بھی کی گئی ہے۔ چونکہ دیوان کے بعض شعروں میں شاہان وقت اور امرائے عہد کے نام بھی موجود ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کے حالات بھی بطریق اجمال سوانحعمری خواجہ حافظ میں درج کئے گئے ہیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکا ہے۔ اشعار کے معانی و مطالب کو واضح کرنے اور کتاب کو دلچسپ بنانے کی کوشش کیگئی ہے۔ دعا ہے کہ خدا اسے قبولیت عطا فرمائے۔

کتاب کی تیاری میں مجھے قبلہ ام جناب والد بزرگوار **مولوی محمد سلطان صاحب** مدظلہ [illegible] نے فرمائی۔ تمام کتاب پریس میں جانے سے پہلے ان کی نظر سے گذری جابجا قرآن کریم سے متعلقہ آیات کے حوالے اور احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مضامین کیطرف اشارے انہی کی عنایت کا نتیجہ ہیں۔ اس کے علاوہ اردو۔ فارسی شعرا کے شعر جو **لسان الغیب** میں بکثرت موجود ہیں۔ ان کا معقول حصہ بھی آپ ہی کی کرم فرمائی کا ثمرہ ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ مولف کو بھی جو کم و بیش دسترس اردو فارسی نظم اور خصوصاً نکات تصوف پر حاصل ہے وہ انہی کی صحبت کی یمن و برکت سے ہے۔

ع وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

حتی المقدور کتابت کی صحت کا بہت خیال رکھا گیا۔ لیکن ایسے کاتب کا ملنا تو ناممکنات سے ہے۔ جسکی تعریف میں مولانا جامی فرماتے ہیں۔

تعالی اللہ زہے خامۂ آں کاتب کہ شعر مرا	چنانچہ بود رقم زد تمام چہ است نوشت
اگرچہ شعر فروغ از درونہ میگیرد	ز دیح و سہو سقط ورد و ہرچہ بود درست نوشت

سید ولی اللہ وکیل ایبٹ آباد
یکم فروری ۱۹۱۶ء

خوبیاں جو خواجہ کے کلام میں ہیں۔ انکو ظاہر نہیں کیا ہے۔ یہ صرف خانقاہوں میں پڑھی جانیکے قابل ہیں
دوسری شکایت یہ ہے۔ کہ آسان اور غیر ضروری باتوں کی تفصیل میں تو صفحے کے صفحے سیاہ کر
دیتے ہیں۔ لیکن تاریخی اور ادبی معلومات کا مطلق پتہ نہیں ہے۔ جسکے بغیر پڑھنے والے کو کوئی دلچسپی
نہیں ہوتی۔ (حیات حافظ) اور اکثر مشکل اشعار کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

مروجہ شرحوں میں شارحین نے یہ کوشش کی ہے۔ کہ ہر ایک شعر کے حقیقی معنی ہی بیان
کیے جائیں۔ چنانچہ جہاں خواجہ صاحب نے کسی ممدوح کا نام لیا ہے۔ اس نام کی تعبیر بھی ان بزرگوں
نے حقیقی رنگ میں کی ہے۔ اگر کہیں بادشاہ [illegible] جم آگیا۔ تو بجائے اسکے کہ اس شعر کی تشریح میں تاریخی
پہلو اختیار کیا جائے۔ لکھ دیتے ہیں۔ کہ اس سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یا سلطان
اویس سے اویس قرنی مراد لیتے ہیں۔ حتی کہ تواریخی واقعات کی ایسی صورت بگاڑی جاتی ہے۔ کہ شعر بے
مزہ اور بے لطف معلوم ہونے لگتا ہے۔

لسان الغیب میں جہاں تک ممکن ہو سکا ہے۔ تمام تاریخی واقعات کو تاریخی پہلو سے واضح کیا گیا
ہے۔ تاریخی ناموں پر تاریخی نوٹ لکھے گئے ہیں۔ شعر کی تمام ادبی خوبیاں بیان کر دی گئی ہیں۔
رنگ تصوف بھی موجود ہے۔ اور ادبی پہلو بھی ملحوظ۔ دوسرے شاعروں کے مختلف [illegible]
اشعار جا بجا درج ہیں۔ جو خواجہ صاحب کے اشعار کے معانی واضح کرنے میں بہت مدد دیتے ہیں۔
خواجہ صاحب نے اگر کوئی خیال دوسرے شاعر کے کسی شعر سے لیا ہے۔ تو وہ شعر بھی لکھ دیا گیا ہے۔

چونکہ خواجہ صاحب کے کلام میں قرآنی الفاظ [illegible] ہوتے ہیں۔ اور آیات قرآنی کے
مضامین پر اکثر شعر دیوان میں موجود ہیں۔ اسلیے ہر مناسب موقعہ پر آیات لکھ دی گئی ہیں۔ چنانچہ
ناظرین دیکھیں گے۔ کہ لسان الغیب میں جا بجا آیات [illegible] موجود ہیں۔

اگر ایک مضمون خواجہ صاحب کے کلام میں کئی مختلف شعروں میں ادا ہوا ہے۔ تو ہر جگہ
پر دوسرے شعر کا حوالہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض مقامات پر آٹھ آٹھ دس دس اشعار کا حوالہ ہوگا۔
شعروں کا حوالہ ردیف۔ غزل اور شعر کے نمبر کے ذریعے اس طرح دیا گیا ہے۔ کہ د ۳/۷ سے
مراد ردیف د غزل (۳) شعر (۷) ہے۔ ت ۱۴/۲ سے مراد ردیف ت غزل (۱۴) شعر (۲) ہے۔
وعلیٰ ہذا القیاس۔

غزلوں اور شعروں کو کتاب میں نمبر دیئے گئے ہیں تاکہ اشعار کی تلاش میں آسانی ہو۔
خواجہ حافظ کی مفصل سوانح عمری بھی کتاب کے شروع میں دیگئی ہے۔ جس میں خواجہ
کے کلام پر مختلف پہلوؤں سے تفصیلاً بحث بھی کی گئی ہے۔ چونکہ دیوان کے بعض شعروں میں شاہان
وقت اور امرائے عہد کے نام بھی موجود ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کے حالات بھی بطریق اجمال
سوانحعمری خواجہ حافظ میں درج کئے گئے ہیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکا ہے۔ اشعار کے
معانی و مطالب کو واضح کرنے اور کتاب کو دلچسپ بنانے کی کوشش کیگئی ہے۔ دعا ہے
کہ خدا اسے قبولیت عطاء فرمائے۔

کتاب کی تیاری میں مجھے قبلہ امجد جناب والد بزرگوار مولوی محمد سلطان مہر صاحب
مدظلہ [illegible] فرمائی تمام کتاب پریس میں جانے سے پہلے ان کی نظر سے گذری
جابجا قرآن کریم سے متعلقہ آیات کے حوالے اور احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
کے مضامین کیطرف اشارے اکثر انہی کی عنایت کا نتیجہ ہیں۔ اس کے علاوہ اردو۔
فارسی شعراء کے شعر جو لسان الغیب میں بکثرت موجود ہیں۔ ان کا معقول حصہ بھی
آپ ہی کی کرم فرمائی کا ثمرہ ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے۔ کہ مولف کو بھی جو کم و بیش دسترس اردو
فارسی نظم اور خصوصاً نکات تصوف میں حاصل ہے۔ وہ انہی کی صحبت کا یمن و برکت سے ہے۔

ع　وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

حتی المقدور کتابت کی صحت کا بہت خیال رکھا گیا۔ لیکن ایسی کاتب [illegible]
ناممکنات سے ہے۔ جسکی تعریف میں مولانا جامی فرماتے ہیں۔

ثنا بہ خامۂ آں کاتبم کہ شعر مرا	چنانچہ [illegible] ہر چہ راست نوشت
اگرچہ شعر فروغ از دروغ میگیرد	دروغ راست و ہر چہ درست نوشت

سید ولی اللہ وکیل ایبٹ آباد
یکم فروری ۱۹۱۶ء

دیباچہ

طبع ثانی

خدا کے فضل و کرم سے کتاب کو امید سے بڑھکر قبولِ خاطر نصیب ہوا۔ اور پہلی ایڈیشن تھوڑے عرصہ میں ہی ختم ہوگئی۔ اس لئے دوسری ایڈیشن بعد نظر ثانی شائع کرکے پبلک کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔

غرض نقشے ست کز ما یاد ماند	کہ ہستی را نمے بینم بقائے
مگر صاحبدلے روزے برحمت	کند در کار ایں مسکین دعائے

نیازمند

میر ولی اللہ وکیل ایبٹ آباد

یکم فروری ۱۹۱۹ء

دیباچہ

طبع ثالث

مدت سے دوسری ایڈیشن ختم ہو چکی تھی۔ کتابت اور طباعت کی مشکلات نے طبع ثالث کو معرض تعویق میں رکھا۔ پبلک کی قدر افزائی کیلئے شکرگذار ہوں کہ میری اس ناچیز تصنیف کی داد دی۔

میر ولی اللہ وکیل ایبٹ آباد

۵ ستمبر ۱۹۲۳ء

قال اللّٰہ تعالیٰ حافظ شیرازی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ردیف الف

غزل (۱)

الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا	۱	کہ عشق آسان نمود اول ولی افتاد مشکلہا
ببوئے نافۂ کآخر صبا زان طرہ بکشاید	۲	ز تاب جعد مشکینش چہ خون افتاد در دلہا
بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید	۳	کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا
مرا در منزل جانان چہ امن و عیش چون ہر دم	۴	جرس فریاد میدارد کہ بربندید محملہا
شب تاریک و بیم موج و گردابے چنین ہائل	۵	کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا
ہمہ کارم ز خود کامی بہ بدنامی کشید آخر	۶	نہان کی ماند آن رازی کزو سازند محفلہا
(۷)	حضوری گر ہمی خواہی ازو غائب مشو حافظ متی ما تلق من تہوی دع الدنیا و اہملہا	(۷)

(۱) [illegible]

بہت مشکلیں پڑیں تو

الا - بفتح - جان - آگاہ ہو - ہوشیار رہو - حرف تنبیہ ہے - اور ایک وہ مستعمل ہے کہ کبھی عرض بطریق التماس ہوتا ہے (الاتقی الالتفات) یہاں مراد التماس ہے -

ساقی - شراب پلانے والا - حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ساقی کوثر کہتے ہیں۔

عشق

لغوی معنی بالکسر کسی آدمی یا کسی چیز کے ساتھ بدرجہ کمال محبت کرنا - اور بعض طبیبوں نے لکھا ہے کہ عشق ایک بیماری ہے - جو خوبصورت چیز کو دیکھنے سے لاحق ہوتی ہے بعض کہتے ہیں - کہ عشق لفظ عشقہ سے لیا گیا ہے - اور عشقہ ایک بیل ہے - جسے لبلاب بھی کہتے ہیں - وہ جب کسی درخت پر چڑھتی ہے - تو اسکو خشک کر دیتی ہے - عشق کی بھی یہی صورت ہے -

ع جس گھر میں سر اٹھایا - اسکو بٹھا کے چھوڑا - (غیاث اللغات)

عشق پیچاں - اسکو عربی میں لبلاب کہتے ہیں - عشقہ عسب و عسبہ بھی کہتے ہیں -
اور اسی بیل کا نام فارسی میں پیچ ہے - میر شمس الدین فقیر کہتے ہیں -

پیچیدہ در عشق کے چوں عشق پیچاں کمر	نموے کند از پیچ راز پیچ و تاب خاطرم

اصطلاحی معنی اور لفظ عشق کا بیجا استعمال چونکہ فارسی شاعری میں حسن و عشق کا بہت سا حصہ ہے - اسلئے ضروری ہے - کہ لفظ عشق کے لغوی معنوں کے علاوہ بھی اسکے متعلق کچھ بیان کیا جاوے -

عموماً عشق کو صرف حسن صورت سے متعلق کیا جاتا ہے - مگر حقیقت یہ ہے - کہ عشق صرف حسن صورت یا حسن سیرت سے مخصوص نہیں - بلکہ کسی اور سبب اور روحانی کیفیت سے بھی پیدا ہو سکتا ہے - اور کسی چیز کے ساتھ کسی سبب سے جو محبت بدرجہ نہایت پہنچ جائے - وہ عشق کہلاتی ہے - ذی روح اور غیر ذی روح ہر دو سے عشق پیدا ہو سکتا ہے - لفظ عشق کو عوام الناس میں جو ایک محدود اور مخصوص معنی دیئے گئے ہیں جس سے وہ اپنے اصلی پایہ سے گرا دیا گیا ہے - محض قومی تنزل کی وجہ سے ہے -

قومی تنزل کا الفاظ پر اثر قوموں کی تواریخ میں بنظر غور دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے - کہ جوں جوں ایک قوم اوج اقبال سے قعر زوال میں گرتی جاتی ہے - اسکی زبان اور اسکے الفاظ بھی اپنی اصلی حالت سے گر کر گھٹیا معنی اختیار کرتے جاتے ہیں مثال کے طور پر لفظ مولوی اور علامہ کو لیجئے - لفظ مولوی انگریزی کے ہائی لارڈ کا ہم معنی ہے - اب ہائی لارڈ ہائیکورٹ کے ججوں - ہاؤس آف لارڈز کے ممبروں اور جلیل ترین عہدہ داران سلطنت کیلئے استعمال ہوتا ہے - اور لفظ مولوی جو کسی زمانے میں ایک خاص عظمت رکھتا تھا - اسکے موجودہ استعمال سے آپ نا آشنا نہیں - اس سے بڑھکر لفظ ملا ہے - جو مولوی سے بھی اپنی شان

ہیچ تر ہے ۔ اور کیسی باتہ ہیں ملا حسین واعظ کاشفی مفسر ۔ مولانا نور الدین ظہوری ۔ مولانا جامی ۔ مولانا عبد العلی
بحر العلوم ۔ اور ابوالفضل جیسے جید اور متبحر علماء کے اسمائے گرامی کے ساتھ لفظ ملا استعمال کیا جاتا تھا ۔
اب کسی شخص کو لفظ ملا سے خطاب کرنا اسکی تحقیر ہے ۔ اور لفظ مولانا ہے جو لوگوں نے لفظ ملا پر اختراع کیا ہے ۔ ورنہ اپنی آپ ہی
تشریح ہے ۔ اسطرح کے سینکڑوں اور ہزاروں لفظ ہیں ۔ جو اپنے معانی کے پایہ سے گر چکے ہیں ۔ لفظ عشق بھی ایسے
مظلوموں میں سے ایک ہے ۔ اب اگر عام اصطلاح میں کہا جائے ۔ کہ فلاں اپنی بیوی (یا اپنی بیٹی پر) عاشق ہے ۔ تو آپ کیا
سمجھیں گے ۔ مگر کیا مولانا حالی عشق کو مخاطب کرکے نہیں فرماتے ؎ یعقوبؑ بشر کو دی تو نے ناصبوری ۔
اور کیا یہ ناصبوری یوسفؑ کے فراق میں تھی ؟ اسی طرح کیا عشق اشیاء میں سے ہر ایک شے کے ساتھ انسانوں میں ایک
انسان کے ساتھ اور سب سے بڑھ کر خدا کے ساتھ نہیں ہو سکتا ؟ ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے ۔ اسلئے ایشیائی شاعری
میں لفظ عشق کو بلا وجہ کوئی خاص حقیر معنی نہیں دینے چاہئیں ۔ عشق کمالِ محبت کو کہتے ہیں ۔ اور محبت ایک نہایت
پاکیزہ کیفیت ہے ۔ جو دل کو نصیب ہو سکتی ہے ۔ جسطرح کمالِ محبت سے عشق پیدا ہوتا ہے ۔ اسی طرح کمالِ عشق سے
پرستش کا ظہور ہوتا ہے ۔ گویا معبود اس محبوب اور معشوق کو کہتے ہیں ۔ جسکے ساتھ عشق بدرجۂ کمال ہو ۔ اس سے
عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی میں جو جو نسبتیں مشترک اور جو جو امور مابہ الامتیاز ہیں ۔ وہ امید ہے کہ واضح ہو گئے
ہونگے ۔ ان دونوں صورتوں میں دل کی وہ کیفیت جسکا نام عشق ہے ایک ہی ہے ۔ صرف معشوق کی ماہیت میں فرق ہے

عشقِ مجازی

آدمی اگر مجاز کی طرف مائل ہے ۔ تو اسکا کچھ قصور نہیں ۔ کیونکہ تقاضائے بشریت یہی ہے ۔ انسان کو
حسین صورت میں پیدا کیا گیا ہے ۔ اور اس کے ساتھ جو لواحق ہیں وہ مقتضی ہیں کہ اسکی مجاز کیطرف میل ہو ۔ وہ فرشتہ
نہیں ۔ انسان ہے ۔ اسلئے وہ حقیقت کو بھی لباسِ مجاز میں دیکھنا چاہتا ہے ۔ شیخ محمد اقبال فرماتے ہیں ۔

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں	کہ ہزار سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

بت پرستی

بت پرست جب پتھر کی مورتی اپنے ہاتھ سے بنا کر تیار کرتا ہے ۔ تو ظاہر ہے ۔ کہ محض وہ اپنے کمالِ
صنعت کو دیکھ کر اس پر عاشق نہیں ہوتا ۔ اور اپنی بنائی ہوئی چیز میں وہ کسی الٰہی حسنِ لاریب پر شیدا نہیں ہوتا ۔ کہ اس کے
آگے سرِ تسلیم جھکائے ۔ اور اس کے سامنے سربسجدہ ہو ۔ وہ اسی حقیقتِ منتظر کو لباسِ مجاز پہناتا ہے ۔ کیونکہ وہ اپنے معبود سے
اتنا پیار کرتا ہے ۔ کہ اسکی خواہش ہے ۔ کہ وہ باوجود غیر مرئی ہونے کے اسے نظر آئے ۔ باوجود غیر محدود ہونے کے اسکے آگے
محدود شکل میں پیش ہو ۔ اسکی آنکھیں اسے دیکھنا چاہتی ہیں ۔ اسکے ہاتھ اسے چھونا چاہتے ہیں ۔ کان اسکی آواز
سننا چاہتے ہیں ۔ وہ اپنے معشوق کو گلے لگانا چاہتا ہے ۔ اسکی خدمت کرنا چاہتا ہے ۔

حکایت [illegible] تو زمین [illegible] ہوئی [illegible] کہ اس [illegible] کی طرح ہو - جواب [illegible] معبود
موسیٰ علیہ السلام کو کہتا ہے - کہ

تو کجائی تا شوم من چاکرت	چارقت دوزم کنم شانہ سرت
جامہ ات دوزم شپشہائیت کشم	شیر پیشت آورم اے محتشم
دستکت بوسم بمالم پایکت	وقت خواب آید بروبم جائیکت
تو کجائی تا کہ خدمت ہا کنم	جامہ ات را دوزم و بخیہ زنم
اے خدائے من فدائیت جان من	جملہ فرزندان و خان و مان من
گر بدانم خانہ تو من مدام	شیر و روغن آرمت ہر صبح و شام
اے فدائے تو ہمہ بزہائے من	اے بیادت ہی ہی و ہیہائے من

حضرت موسیٰ علیہ السلام [illegible] پیچھے ہیں - کس سے خطاب کر رہا ہے - تو جواب دیتا ہے [illegible] جس نے مجھے پیدا کیا ہے - اور جس نے تمام زمین و آسمان کو پیدا کیا - وہ شبان کی بیہودہ گفتگو سنکر سخت ناراض ہوتے ہیں اور بطریق تنبیہ

گفت موسیٰ ہائے خیرہ سر شدی	خود مسلمان ناشدی کافر شدی
ایں چہ ژاژ است و چہ کفر است و فشار	پنبہ را اندر دہان خود فشار

یہ سن کر [illegible] پریشان جنگل میں [illegible] آتی - اور

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا	بندۂ ما را ز ما کردی جدا
تو برائے وصل کردن آمدی ؟	یا برائے فصل کردن آمدی ؟
موسیا آداب دانان دیگر اند	سوختہ جان و روانان دیگر اند

انسان چونکہ ضعیف الخلقت ہے ضعیف العقل ہے - اس لئے وہ اپنی نارسائی کی وجہ سے اگر حقیقت کاملہ کو مجاز میں تبدیل کرے - تو وہ معذور ہے -

باہم تنا با بلند اور نارسائی بخت کمند	رکھتے ہیں ہم اپنی معذوری پہ برہان ایاس

عشق [illegible] بیت [illegible] تیز	[illegible] سر پیچک مجاز
تا بدادم آورد دل محمود	بطرازد شانہ زلف ایاز

تثلیث — اسی بحث میں یہ امر بھی قابل بیان ہے - کہ مذہب عیسوی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نعوذ باللہ

[illegible] ذات و صفات

کے متعلق یہہ کہنا بجا ہے۔ کہ ع ۔ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں ۔ ناقص العقل انسان کو اشارہ کردیا ہے۔ جسکی توضیح و تشریح میں وہ سرگردان رہتا ہے۔ انسان کا دل مانتا ہے۔ کہ خدا ہے مگر اسکی ذات کا بہت تہوڑا علم ہے۔ آدمی ایک ایسی کیفیت کو جو جسمانی۔ زمانی۔ مکانی قیود سے بالکل پاک ہو۔ اور غیر محدود ہو۔ کما حقہ پہچاننے میں قاصر ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ جس شے کی آدمی پوری طرح سے مہارت نہ رکھتا ہو۔ اسکے ساتھ محبت۔ عشق اور پرستش بہی چنداں مزا نہیں دیتی۔ عیسائی قوم نے جو تعلیم و تہذیب سے اسوقت اتنی بہرہ [illegible] نہ ہوئی تہی۔ قدیم الایام کے سادہ لوح [illegible] محبت و پرستش کے لئے اپنے سامنے ایک آدمی رکھہ لیا۔ ظاہر ہے۔ کہ جسقدر محبت ایک ہم جنس شے سے ہو سکتی ہے۔ اتنی محبت اسی وجہ کی خوبصورت غیر جنس شے سے نہیں ہو سکتی۔ مثلاً تمام دنیا میں سب سے [illegible] خوبصورت گہوڑا انتخاب کرلو۔ اور تمام دنیا نہ سہی کسی خاص مقام کے سب سے زیادہ خوبصورت آدمی کو بہی سامنے لے آؤ۔ یقینی امر ہے۔ کہ آپکے دل پر انسانی خوبصورتی کا زیادہ اثر ہوگا۔ اسی اصول کے واضح کرنے کیلئے فلسفی ایک اور مثال پیش کیا کرتے ہیں وہ یہ ہے۔ کہ آپ اپنے سامنے ایک چھپا ہوا نہایت خوبصورت اور نہایت خوشخط کاغذ رکھیں۔ اس کے مقابلہ میں اسی کاتب کا ایک اور قلمی اور معمولی سیاہی سے لکہا ہوا کاغذ جو پتھر پر نہ چڑہا ہو سامنے لائیں۔ تو یہ ضروری ہے کہ آپ کی آنکہوں پر قلمی کتابت جو اثر کریگی۔ وہ دوسری مطبوعہ کتابت نہیں کر سکتی۔ آپ قلمی کاغذ کو زیادہ پسند کریں گے۔ وہ آپکو زیادہ دلکش اور نظر فریب معلوم ہوگا۔ وجہ؟ صرف اتنی ہے۔ کہ آپ کی آنکہیں۔ آپ کے ہاتھ قلمی کتابت سے زیادہ آشنا ہیں۔ اسکی قدر کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ بہی اسکے مقابلہ میں لکہہ سکتے ہیں۔ اور دونو کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ مگر چہپے ہوئے کاغذ کی کتابت کی طرز سے آپ نا آشنا ہیں۔ اُسے آپ ایک عجیب شے سمجہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں آپ ایک چیز تیار نہیں کر سکتے۔ جس سے اس کا مقابلہ کریں

حکمائے فرنگ

بعض حکمائے فرنگ نے جب وہ ذات رب العلا کی ماہیت سمجہنے سے قاصر رہے۔ اور صرف اسکی چند صفات کو ہی معلوم کر سکے۔ تو انہوں نے [illegible] کی جگہ ذات باری کا ایک نیا اور نعوذ باللہ مضحکہ خیز نام رکہا یعنی انہوں نے خدا کا نام (X) رکہا۔ جس طرح علم الجبرا میں ایک غیر محدود اور نا معلوم مقدار کا نام (X) ہے۔ اسی طرح خداوند کریم کو بہی چونکہ وہ اتنا ہی سمجہتے تہے کہ وہ ایک نا معلوم غیر محدود طاقت ہے۔ اسی حسابی نام سے پکارنا شروع کیا۔ یہ تو حکمائے کی حالت ہے۔ عوام کا کیا ذکر ہے۔ انہوں نے اسی سبب سے بُت

پرستش شروع کردی۔ پتھروں کو خدا بنانا شروع کر دیا۔ آگ کو سجدہ کرنے لگی۔ آفتاب کی عبادت میں مشغول ہوئے۔

اسلام اسلام نے تمام دنیا کو جو حقیقت سے رفتہ رفتہ بہت دور جا رہی تھی اور کفر و شرک کے گڑھے میں نیچے اور نیچے گر رہی تھی۔ از سر نو پھر حقیقت سے آشنا اور آگاہ کرنا شروع کر دیا۔ انسان کی فطرتی کمزوریوں اس پر جہالت اور بے راہ رویوں نے اسکو حقیقت سے بالکل دور پھینکدیا۔ اور مذکورہ بالا اصل فطرت سے وہ اصل کو چھوڑ کر مجاز میں ایسے پھنسے۔ کہ انہوں نے اصل کو تو بالکل فراموش کر دیا۔ اور یہ نوبت پہنچی۔ کہ مجاز کو ہی حقیقت سمجھنے لگے۔ اس تاریکی کو دور کرنے کیلئے چراغ احمد روشن ہؤا۔ اور اس نے دنیا کو پھر حقیقت کی طرف توجہ دلائی۔

پس جب تک آدمی حقیقت کو نظروں سے دور نہ ہونے دے۔ اسے بالکل فراموش نہ کر دے۔ اس ہستی سے بالکل بیگانہ نہ ہو جائے۔ مجاز میں مصروف ہونیمیں وہ حق بجانب ہے۔ اہل حقیقت ہی ہو اور اہل مجاز ہی ہو۔ تو کچھ نقصان نہیں۔ مگر ضروری ہے۔ کہ حقیقت کو صرف لباس مجاز ہی پہنائے۔ یہ نہ کرے کہ اس لباس مجاز کو ہی حقیقت سمجھ لے۔

کوائف بہشت و دوزخ قران کریم میں وعدہ و وعید بہشت و دوزخ کی جو کیفیتیں ہیں۔ اہل تصوف نے کہا ہے کہ یہ صرف حقیقت کو لباس مجاز میں لا کیا گیا ہے۔ کیونکہ انسان کو سمجھانے کیلئے اور اسکو نیکی کی طرف ترغیب دینے اور برائی سے ڈرانے کیلئے یہ ضروری تھا۔ کہ اسی قسم کی سزا جزا کا ذکر ہوتا۔ ضعیف العقل انسان کو اگر صرف روحانی جزا و سزا بتلائے جاتے۔ تو وہ اسقدر مؤثر نہ ہوتا۔ مرزا غالب فرماتے ہیں۔

ہمکو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

عرفی ایک نعتیہ قصیدہ میں کہتا ہے۔

شاہا بعطائیت کہ از آں کام کہ دانی
نومید نہل عرفی محروم و دژم را

از باغ نعیمش بدہ انعام و میامیز
با مطلب او مطلب اصحاب شکم را

آسائش ہمسائگی حق ز تو خواہد
او ہمیہ دوزخ نہ کند باغ ارم را

واقم نرسد ذرہ بخورشید ولیکن
شوق طیران میکشد ارباب ہمم را

مگر ظاہر ہے۔ کہ آسائش جسمانی کی حق کا وعدہ معمولی انسان کیلیئے کافی نہیں
اسی مضمون پر شیخ آذری نے اپنے ایک قصیدہ میں لکھا ہے۔

گر بقدر ہمت عشاق خود سازی عام ۔۔۔ بر تر از جنت بباید ساخت ماوائی دگر
ما بباغ جنت الفردوس ننگریم سر ۔۔۔ ہست اندرین حضرت گدایان را تمنائی دگر
ہر کسی از تو در جنت تماشائے بود ۔۔۔ لیکن خواہیم جز رویت تماشائی دگر
با خریداران بیاگن باغ جنت کہ ہست ۔۔۔ مفلسانیم اندرین بازار سودائی دگر

نہ جنت جحیم و نے حور و نہ انہار میخواہیم ۔۔۔ بتو ارزانی اے زاہد ہمہ من یار میخواہیم
شہان مملکت فردوس را بارے بدست آرند ۔۔۔ کہ من درویش عالی ہمتم دیدار میخواہیم

غالب

گر دیدن اہل آن بہ جنت گستاخ ۔۔۔ وین دست درازی بہ ثمر شاخ بہ شاخ
چون نیک نظر کنی ز روی تشبیہ ۔۔۔ ماند بہ بہائم و علف زار فراخ

ایشیائی شاعری اور حسن و عشق

جیسا بیان کیا گیا ہے۔ انسانی فطرت کو بوجہ ناقص ہونے کے چونکہ اس حقیقت کاملہ کا پورا پورا احساس ہونا مشکل ہے اسلئے وہ اپنی کم بضاعتی کیوجہ سے مجبور ہے۔ کہ وہ اپنے محبوب حقیقی کے ساتھ بھی راز و نیاز کی گفتگو میں بھی الفاظ استعمال کرے۔ جو ایک مجازی حسین و محبوب شے پر وہ استعمال کرتا ہے۔ اور مثنوی کے اس گڈریے کی طرح اپنے معبود و محبوب کی آنکھیں منہ۔ کمر۔ زلف وغیرہ دیکھتا ہے۔ ان پر مرتا ہے۔ ان سے پیار کرتا ہے۔ ان کی تعریف میں سخن سنجی اور نغمہ سرائی کرتا ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ خدا کے ہاتھ نہیں۔ مگر ان دو ہاتھوں والے انسان کو سمجھانے کیلئے آخر نہیں کہا گیا۔ کہ ید اللہ فوق ایدیھم۔ پس مشرق کے شاعروں نے عموماً اور بلبل شیراز نے خصوصاً قدرتی طور سے اپنی شاعری میں حسن و عشق کو ایک خاص جگہ دی۔ ان کو اس سے چارہ نہ تھا۔ لو اور روز شب محبت و پرستش کے موضوع کو یا تو وہ بالکل ہاتھ نہ لگاتے۔ یا اگر وہ اس پر کچھ کہنا چاہتے۔ تو سوائے اس طریقہ کے ان کو کوئی اور رستہ نہ تھا۔ اور نہ اب ہے۔ تواریخی نظمیں لکھیے۔ پولٹیکل اشعار کہیے۔ اخلاقی مثنویاں تصنیف کیجیے۔ تو آپ کا اختیار ہے۔ اور ممکن بھی ہے۔ کہ آپ اپنی تمام تصنیفات میں حسن و عشق کا لفظ ایک بار بھی استعمال نہ کریں۔ لیکن اگر آپ انسانی دل کے اس پاکیزہ اور پاک کرنیوالی کیفیت پر جسے محبت کہتے ہیں۔ اور جو کامل ہو کر پرستش کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ کچھ لکھنا چاہیں۔ تو آپکو

[illegible]

ساتھ جو راز کی باتیں ہونگی - وہ بھی لباسِ مجاز میں ہونگی -

عشق کی ہمہ گیری

عشق نہ [illegible] انسانی اور نفسِ حیوانی تک محدود ہے - بلکہ یہ ایک کیفیت ہے - جو تمام موجودات میں موجود پائی جاتی ہے - اسکی عالمگیری مادہ تک ہے - محبت کشش عشق کچھ کہیں مگر یہ حالت موجود ہر جگہ ہے - خلقتِ عالم کا باعث ہی عشق ہے - مولانا حالی فرماتے ہیں -

پیش از ظہور عشق کسی کا نشان نہ تھا	تھا حسن میزبان - کوئی مہمان نہ تھا

[illegible]

اور نظامِ عالم کے قیام کا باعث بھی یہی ہے - حکماء کا قول ہے - کہ مادہ کے ہر ایک جسم میں ایک کشش ہے - جو اسے اپنے کل کیطرف کھینچ لاتی ہے - چنانچہ کشش ثقل بھی مادی کشش کا نام ہے - زمین آفتاب کے مابین - ماہتاب اور زمین کے درمیان اور اسی طرح اجرام فلکی میں بھی ہر ایک کی دوسرے کے ساتھ ایک محبت اور کشش ہے - زمین میں حرکت اسی عشق سے پیدا ہوتی ہے - سیاروں کی رفتار اسی کشش پر مبنی ہے - غرضیکہ تمام موجودات میں یہ کیفیت جاری ہے -

ہر ایک انسانی دل میں عشق ہے - کیونکہ یہ حالت دل کی طبیعت و سرشت میں قائم رکھی گئی ہے - وہ دل ہوگا پتھر ہوگا - جسمیں محبت نہ ہو - جسمیں عشق ہو کسی چیز کا شوق بھی - مگر عشق ضرور ہوگا -

[illegible] ہو اسے کیا کوئی کہہ [illegible] ہوتا	تحمِ عشق اگر نہ ہوتا [illegible]
کلیم نے تو عقل کو نہ چھوڑا -	
[illegible]	[illegible] ش در آشیانہ عنقا گرفتہ است -
[illegible]	[illegible] از عشق پر در نخبیتہ شد
[illegible]	خوشتر از آں دل کہ بارہا درو ہست

عاشق کی حلیت

عشق کی تعریف تو بیان ہو چکی ہے - مگر مختلف شعراء نے جو اس کے متعلق لکھا ہے -

[illegible]

[illegible]	[illegible] ن
سیر خنجر تند رستن	ہدفِ ناوکِ قضا بودن

عشق آتشی ... بہ سینہ پیوستے	... ہا پریدن
آفتاب رخش چو رخ جو د	پیش او ذرہ ہوا بودن
ہمہ محنتے رضا دادن	وز ہمہ دولتے جدا بودن
آن لگدکوب صد بلا بائے	ہمچنان بر سر وفا بودن

یہ اسی کا نام محبت ہے شیفتہ — اک آگ سی ہو سینہ کے اندر لگی ہوئی

لسان عشق سخن ہم از ب لب — دمی تن سخن فرق زہ بہ زبان لب

عاشقی چیست بگو بندۂ جانان بودن — دل بدست دگری دادن و حیران بودن

عاشقی چیست داغ گرمروی	گل تو در رہے باغ گرمروی
لب خموشے کہ مژہ گفتارش	پائے در شوق تیشہ رفتارش
ہمہ پرواز لیک ریختہ پر	شعلہ اما تمام خاکستر
جنبش انداز نارسائی و بس	شورش آہنگ بے نوائی و بس
ناامیدی و یک جہان امید	ناتوانی و کوشش جاوید
ساز و ہم نغمہ زار خیال	کلک تصویر آرزوئے محال
جوش خوئے کہ ہیچ رنگش نیست	موج آبے کہ نم بہ چنگش نیست
آہ اگر نیست ہم بدل افشرد	اشک اگر بود بے چکیدن مرد
قصہ کوتاہ عاشقی این ست	وائے آنکس کہ خشتش آئین ست

اللہ عشق بھی ہے کوئی ایسی مصیبت — اک آگ سی لگی ہے دل بیقرار میں

اہل تصوف و عشق

اہل تصوف نے محبت کی دس منزلیں بیان کی ہیں۔

(۱) موافقت — دوست کے دشمنوں کو دشمن سمجھنا — (۲) میل — ہمیشہ توجہ جانب اللہ رہنا (۳) موانست — ہر چیز سے گریزاں اور جویان حق رہنا — (۴) مودت — عجز و زاری سے خلوت نشینی میں مشغول رہنا۔ (۵) ہوا — ریاضت و مجاہدہ — (۶) خلت — جملہ اعضا کو یاد حق سے پُر کرنا — اور غیر سے خالی کرنا — (۷) الفت — صفات حمیدہ سے متصف ہونا — (۸) شغف — غایت شوق سے حجاب دل کو دور کرنا — اور مغلوب الحال ہونے کے بغیر افشائے محبت نہ کرنا — (۹) تیم — بندہ محبت ہو کر تجرید ظاہری اور تفرید باطنی سے متصف ہونا — (۱۰) وَلَہ اَلتّیہ

دل کو جمالِ دوست کے مقابل کرنا۔ اور مصروفِ مشاہدہ ہونا اور محو ہونا۔ محو دیدنا۔

گیارہویں منزل منزلِ عشق ہے۔

آسان نمود اوّل عشق ان مشکلات میں سے ہے۔ جو ابتدائے کار میں مشکل نظر نہیں آتیں۔ قدرت کو چونکہ اسکا وجود منظور تھا۔ اسلئے اس کی ابتدائی مرحلے بہت آسان اور دلکش بنائے۔ کہ ہر دل میں خواہ وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو۔ عشق کو جگہ مل گئی۔ یہ عام تجربہ کی بات ہے۔ کہ محبت شروع شروع میں بہت فرح پرور۔ امید افزا دلکش اور دلفریب ہوتی ہے۔ اور آدمی بغیر تامل کے آنکھ بند کر کے فوراً دل ہار دیتا ہے۔ خواہ انجام کار کتنی ہی مصیبتوں کا سامنا کیوں نہ ہو۔ عشق کی ابتدائی منزلیں ایسی خوشگوار۔ ہموار اور سبزہ زار زمین پر واقع ہیں کہ مسافر کو نئے مسافت میں چاروں طرف گلزار اور چمنستان نظر آتے ہیں۔ بلبلوں کے نغمہ ہائے خوش آیند سنتا ہے اور سیر دیکھتا ہے۔ ہوا ایسی لطیف ہے۔ کہ دمِ عیسیٰ کا کام کرتی ہے منزلِ مقصود نزدیک نظر آتی ہے۔ اور وصالِ محبوب قریب **افتاد مشکلہا** لیکن کچھ دور آگے چل کر اس کو صحرائے اعظم کے کنارے دامن کی طرح یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔ کہ یہ مرغزار اور سبزہ زار بہت تھوڑی راہ تک تھے۔ سامنے کئی دور دراز مسافتیں اور طول طویل منزلیں باقی پڑی ہیں۔ جہاں نہ دانہ ہے نہ پانی۔ نہ نشانِ راہ ہے۔ نہ کوئی راہ نما۔ سموم چلتی ہے ریگستان ہے اور سراب

الست بربکم واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظہورہم ذریتہم واشہدہم علیٰ انفسہم الست بربکم قالوا بلیٰ شہدنا ان تقولوا یوم القیمۃ انا کنا عن ہذا غافلین (پ ۹ ع ۱۱)

انسانی ارواح نے جب الست بربکم کا جواب بلیٰ دیا۔ اسوقت سے بارِ عشق اپنے گلے ڈال لی۔ روح جب تک تعلقاتِ جسمانی سے پاک تھا۔ پاک تھا۔ اور آزاد تھا۔ کیونکہ جسم اسکے لئے غول راہ ہوا۔ روح نے وعدہ کر لیا۔ مگر جسم کی قیدمیں آکر اسے اس وعدہ کا ایفا مشکل نظر آیا۔ روح کیلئے تسبیح اللہ میں ہمیشہ مشغول رہنا آسان ہے۔ اسلئے فرشتے لیل و نہار خدمتِ حق میں مصروف اور اسکی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ گناہوں سے پاک ہیں۔ اور انسانوں کیلئے پاکیزگی۔ اطاعتِ حق اور معصومیت کا نمونہ ہیں۔ اور انسان ہے۔ کہ خطا و نسیان کا مرکب ہے گنہگار ہے خدا کو بھول جاتا ہے۔ اس سے انکار کر جاتا ہے۔ ہزارہا قسم کی غلطیاں کرتا ہے۔ اطاعتِ خالق سے منہ پھیر لیتا ہے۔ مگر یہ فرق یہ زمین و آسمان کا فرق محض اسلئے ہے۔ کہ فرشتے قیودِ جسمانی سے پاک ہیں۔ اور بیچارا انسان ان میں محبوس۔ اس لئے ظاہر ہے۔ کہ اگر انسان باوجود ان کمزوریوں کے گناہوں سے بچے۔ اور کامل انسان بنے۔ تو وہ فرشتوں سے بہتر ہے۔ مولانا حالی فرماتے ہیں۔

مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ	فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا

یہ درست ہے کہ ہاروت و ماروت اور چاہ بابل کا قصہ ہی ناحاصل کی ایک تمثیل ہے جس کا مفہوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کا معصوم رہنا صرف ان کی ذاتی اکتساب کا نتیجہ نہیں ہے۔

طلب شراب خواجہ حافظ صاحب نے بہ ظاہر کر کے کہ عشق پہلے آسان نظر آیا مگر بعد میں بہت مشکلوں کا سامنا ہوا ہے۔ ساقی سے جام مے کی طلب فرمائی ہے۔ انگریزی میں ایک مقولہ ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ عورت کی ہی باتیں جو ابتدا میں آدمی کو محظوظ کرتی ہیں آخر اسے شراب پینے پر مجبور کرتی ہیں۔ اور بقول سعدی در عنفوان جوانی چنانکہ افتد و دانی آپ ہی جانتے ہیں کہ معشوق کے ناز و انداز جو شروع میں عاشق کیلئے شراب کا کام دیتے ہیں یعنی اسے سرمست کرتے ہیں۔ انجام کار اسے شراب ہی پر مجبور کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ شراب کم از کم کچھ دیر کیلئے انسان کو دنیاوی فکرات اور ہجر یار کے صدمات کے احساس سے محفوظ کرتی ہے۔

عشق حقیقی میں شراب سے جو مراد لی گئی ہے وہ بالفاظ عارف محمود تبریزی حسب ذیل ہے۔

شراب بیخودی در کش زمانی — که تا از دست خود یابی امانی
بخور می تا ز خویشت وارهاند — وجود قطره با دریا رساند
شرابی خور که جامش روی یار است — پیاله چشم مست باده خوار است
شرابی را طلب بی ساغر و جام — شراب باده خوار و ساقی آشام
شرابی خور ز جام وجه باقی — سقاهم ربهم او راست ساقی
طهور آن می بود کز لوث هستی — ترا پاکی دهد در وقت مستی
بخور می وارهان خود را ز سردی — که بدمستی به است از نیکمردی
کسی کو افتد از درگاه حق دور — حجاب ظلمت او را بهتر از نور
که آدم را ز ظلمت صد مدد شد — ز نور ابلیس ملعون ابد شد
همه عالم چو یک خمخانهٔ اوست — دل هر ذره پیمانهٔ اوست
خرد مست و ملائک مست و جان مست — هوا مست و زمین مست و آسمان مست
فلک سرگشته از وی در تکاپوی — هوا در دل به امید یکی بوی
ملائک خورده صاف از کوزهٔ پاک — به جرعه ریخته دردی بر این خاک

عناصر گشتہ زاں یک جرعہ سرخوش	فتادہ گہ در آب و گہ در آتش
ز بوئے جرعہ کافتاد بر خاک	بر آمد آدمی تا شد بر افلاک
یکے از بوی دردش تا قل آمد	یکے از رنگ صافش ناقل آمد
یکے از نیم جرعہ گشتہ صادق	یکے از یک صراحی گشتہ عاشق
یکے دیگر فرو بردہ بیک بار	خم و خمخانہ و ساقی و مے خوار
در آشامید ہستی را بیک بار	فراغت یافتہ ز اقرار و انکار
شدہ فارغ ز زہد خشک طامات	گرفتہ دامن پیر خرابات

پس صوفیائے کرام کے نزدیک شراب سے مراد یہ ہے۔ کہ آدمی خودی کو چھوڑ دے اور شراب سے سب سے زیادہ فائدہ جو وہ اٹھاتے ہیں۔ بیخودی ہے۔ مرزا غالب فرماتے ہیں۔

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو	اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

چونکہ شراب کا خاصہ ہے۔ کہ وہ بیہوش کر دیتی ہے۔ اور چونکہ عشق کی راہ میں جس قدر دشواریاں دکھائی دیتی ہیں۔ وہ عقل کی پیدا کردہ ہیں۔ اسلئے عاشق کی بے پرواہی کا عقل مقابلہ کرتی ہے۔ تو عاشق کو تکلیف معلوم ہوتی ہے۔ وہ اپنے مطلوب کو پہنچنا چاہتا ہے۔ عقل راستہ کی دشواریاں اور خطرے اسکے سامنے پیش کرتی ہے۔ اور روکتی ہے۔ مگر چونکہ عاشق صادق کو اس تگ و دو میں ایک لمحہ آرام کرنا بھی سخت تکلیف دہ ہوتا ہے اسلئے وہ چاہتا ہے۔ کہ عقل اسکی سد راہ نہ بنے۔ وہ اپنے شوق میں سرشار ہوتا ہے۔ اور راستے کی تکلیفوں کی پرواہ نہ کرکے منزل مقصود تک پہنچنا چاہتا ہے۔ اس لئے عقل سے جو اسکے لئے سنگ راہ ہے۔ وہ نجات مانگتا ہے۔ اور ساقی سے التجا کرتا ہے۔ کہ اس کٹھن منزل میں مجھے شراب شوق پلا کر مست کر دے کہ راہ کی دشواریاں مجھے بیدل نہ کریں۔

اور جب تک عاشق شوق طلب میں بالکل مستغرق ہو اور جب تک اسکی عقل اسکو جادۂ عشق کی منزلوں کے پرخطر ہونے سے ڈراتی رہیگی۔ وہ ہرگز اپنے محبوب تک نہیں پہنچ سکتا۔ مولانا حالی فرماتے ہیں۔

لگن میں تیری نکل گئے جو سمجھ کے دریا کو پر خطر سے	گئے ہیں [illegible] ہرگز نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا

یعنی طلب معشوق میں صرف وہی لوگ کامیاب ہو سکتے ہیں۔ [illegible] جو درمیان میں حائل ہے۔ اور شوق میں بالکل اندھے ہو کر یہ نہیں دیکھتے۔ کہ دریا کا پاٹ کتنا ہے۔ اور آنکھ بند

کرکے کھو جاتی ہیں ۔ یہ حالت عاشق کی اسوقت تک نہیں ہو سکتی ۔ جب تک کہ ساقی نے شراب شوق نہ پلائی ہو ۔ خواجہ حافظ بھی طلب جام اسلئے کرتے ہیں کہ وہ بے خود ہو جائیں اور عشق کی مشکلات سے بے پرواہ ہو جائیں ۔

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل ۔۔۔ لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

اس شعر میں بھی ڈاکٹر اقبال نے اسی مضمون کو ادا فرمایا ہے ۔ دل شوق میں [illegible] چاہتا ہے عقل اس میں رکاوٹ ڈالنا چاہتی ہے ۔ اس لئے کہتا ہے کہ گرچہ دل کے ساتھ پاسبان عقل کا ہونا اچھا ہے لیکن گاہ بگاہ دل کو تنہا بھی چھوڑ دینا چاہئے ۔ کیونکہ صرف اسی صورت میں ہم اپنے معشوق کا وصل حاصل کر سکتے ہیں ۔

ڈاکٹر اقبال نے بھی اگرچہ دل کے پاس پاسبان عقل کا ہونا اچھا خیال کیا ہے ۔ مگر کبھی کبھی اس کے تنہا چھوڑنے کی ضرورت سے بھی انکار نہیں کر سکے ۔

اور مولانا حالی صاحب نے تو صرف ایکدفعہ اس پاسبان کو پاس جانے کی درخواست کی تھی ۔ مگر وہ بھی منظور نہ ہوئی ۔

لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت ۔۔۔ فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانہ

[illegible] نے بھی فرمایا ہے محبت زیادہ تر [illegible] کی دشمن [illegible] ہے ۔ وہ کہتے ہیں ۔

دیوانہ ہے دنیا میں جو دیوانہ نہیں ہے ۔۔۔ عاقل وہی ہوتا ہے جو عاقل نہیں ہوتا

خواجہ حافظ کے اس شعر پر ناصر علی سرہندی نے ایک غزل کہی ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ جادہ محبت نہایت پیچیدہ راہ ہے اور کثرت اسباب وصال محبوب کیلئے سنگ راہ ہے ۔ اور یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ خودی کو زائل کرنے کیلئے ضروری ہے ۔ کہ ساقی سے طلب کیجائے ۔

محبت جادہ دارد نہاں در خلوت دلہا ۔۔۔ چو تار سبحہ گم گردید این راہ زیر منزلہا

تو چون ساقی شوی در دتنگ ظرفی نماند ۔۔۔ بقدر بحر باشد وسعت آغوش ساحلہا

بشمع روشنی این کلبہ تار التجا دارد ۔۔۔ اگر دل در گداز آید تواں حل کرد مشکلہا

تو راہ از کثرت اسباب بر خود تنگ میداری ۔۔۔ ادا فہماں چو بوئے گل رہا کردند محملہا

بہ فتادہ دو ولت گردش چشم تو میسازد ۔۔۔ بہ یک پیمانہ رنگین کردہ یک شہر محفلہا

[illegible]	[illegible]
علی امشب مئے تیز از دجام وسبو دارد	الا یا ایہا الساقی ادر کاسا وناولہا

[illegible]
تنگ اگر چہ عاشق کیلئے غول راہ ہے۔ اس کے تاثرات سے محفوظ رہنے کیلئے شراب کی درخواست کی ہے۔ عشق کا ان کو سودا بدستور ہے۔

مولانا روم جادہ عشق کے پرخون ہونے اور ہوش کی اس راہ میں کاوش ہونے کے بیان میں اور عشق کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ کہ

نے حدیث راہ پرخون میکند	قصہ ہائے عشق مجنون میکند
محرم این ہوش جز بیہوش نیست	مر زبان را مشتری جز گوش نیست
در غم ما روزہا بیگاہ شد	روزہا با سوزہا ہمراہ شد
بند بگسل باش آزاد اے پسر	چند باشی بند سیم و بند زر
ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد	او ز حرص و عیب کلی پاک شد
شاد باش اے عشق خوش سودائے ما	اے طبیب جملہ علتہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما	اے تو افلاطون و جالینوس ما
جسم خاک از عشق بر افلاک شد	کوہ در رقص آمد و چالاک شد

(۲) ترجمہ۔ اس نافہ کی بو کی قسم (یا اس نافہ کی بو کی امید میں) جو آخر کار صبا اس طرہ سے کھولیگی۔ کہ زلف خوشبودار کے خم سے کتنے دلوں کا خون ہوا۔

بوی نافہ۔ یعنی بامید بوئے نافہ یا بجائے قسم۔ صبا۔ وہ ہوا جو مشرق کی جانب سے چلے۔ اور بعضوں نے کہا ہے۔ کہ باد مشرقی جو ایام بہار میں چلے۔ طرہ۔ زلف و موئے پیشانی تاب یعنی پیچ و تاب خوردن۔ جعد۔ پیچ۔ موئے مرغول بمعنی یعنی سر کے بال جو خمدار ہوں یعنی موئے پرچین۔ مشکین منسوب بہ مشک یعنی نافہ کستوری کی خوشبو والی۔

صوفیائے کرام کے نزدیک زلف سے جو مطلب لیا جاتا ہے۔ وہ بالفاظ مصنف گلشن راز یہ ہے۔

حدیث زلف جانان بس دراز است	چه شاید گفت از آن کان جای راز است
کجی بر راستی چون گشت غالب	وز و در پیچش آمد راہ طالب
معلق صد ہزاران دل ز ہر سو	نشد یکدل برون از حلقهٔ او
اگر زلفین مشکین بر فشاند	بعالم در یکے کافر نماند
وگر بگذاردش پیوسته ساکن	نماند در جہاں یک نفس مومن
نیابد زلف او یک لحظه آرام	گہے صبح آورد گاہے کند شام
چو او بر کاروان عقل رہ زد	بدست خویشتن بر روے گرہ زد
گل آدم سرشت آں لحظه مخمر	کہ دادش بوئے آں زلف معطر
دل ما دارد از زلفش نشانی	کہ خود ساکن نمے گردد زمانے

پہلے مصرع میں امیدِ وصالِ محبوب کیطرف اشارہ ہے یعنی اس خوشبو کی امید جو بادِ صبا زلفِ معشوق سے مشامِ عاشق تک پہونچائیگی۔

دوسرے مصرع میں تابِ جعدِ مشکین سے مراد راہِ پیچ در پیچ زلف ہے یعنی منازلِ عشق جو عاشق کو وصالِ محبوب کے حصول کیلئے طے کرنی پڑتی ہیں۔ یہ منازل نہایت دشوار گذار ہیں۔ تاہم عاشق وصال کی امید میں ان کو طے کرتا ہے۔

زلفِ پیچاں سے حافظ صاحب نے بعض اور اشعار میں بھی منازلِ عشق ہی مراد لی ہے چنانچہ کہتے ہیں

شبِ تیرہ چو سر آرم رہِ پیچ پیچ زلفت	مگر آنکہ شمع روئت برہم چراغ دارد

خون افتاد در دلہا سے ان یاپیسیوں اور مصیبتوں کیطرف اشارہ ہے۔ جو عاشق کو وصال کی امید پر طے منازل میں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔

یہاں بھی خواجہ صاحب نے پہلے شعر کی طرح منازلِ عشق کی مشکلات کیطرف اشارہ کرکے کہا ہے کہ اس خوشبو کی امید میں جسے کبھی بادِ صبا محبوب کی زلف سے اُڑا کر عاشق کے دماغ میں لائیگی یعنی وصال کی امید میں ہزاروں عاشق منازلِ عشق کی پیچ در پیچ راہوں کو طے کرتے کرتے رہ گئے۔ اور ان کے دل خون ہو گئے

مولانا حالی بھی طالب کی انہی یاپیسیوں کیطرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں۔

سوارِ محمل کی جستجو میں ہزاروں دشتِ طلب میں دوڑے	نہ محمل آیا نظر نہ ناقہ فقط کچھ اٹھتا غبار دیکھا

مرزا غالب نے [illegible] کہا ہے کہ

[illegible]	[illegible]

اس شعر کے معنی اس طرح بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ مصرعہ ثانی میں حرف با کو برائے قسم لیا جائے۔ یعنی قسم ہے اس بوئے نافہ کی۔ تمام شعر کا مطلب پھر یہ ہوگا۔ کہ تجھے قسم ہے تیرے وصال کی کہ تیری طلب میں ہزار ہا اور خون ہو گئے۔ عاشق کا معشوق کے وصال کی قسم کھا کر راہ عشق کے مصائب کا بیان کرنا نہایت بہتر طریقہ ہے۔ مگر حضرت بیدل نے خوب سمجھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

[illegible]	[illegible]

[illegible]

بر گذرگاہ چمن عطر فروشش سحری	بوئے زلف تو کجا تشنہ دماغ ستکرد

عطر فروش سحری کی مراد باد صبا ہے۔

ایک شارح نے اس شعر کا عجیب و غریب مطلب بیان کیا ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ پیغام وصال بمعنی وصول معرفت کی صبا آخر شب میں یعنی آخر وقت میں جو پیغام حضرت محبوب کے مشتاقان حق کے پاس پہنچاتی یعنی غنچہ دل کو سناتی ہے۔ تو اسکے سننے سے فوج ظاہری وجود کا سربراہ کار یعنی نفس غصہ سے خون ہو جاتا ہے اور نہیں چاہتا۔ کہ ہستی مستعار برباد ہو کر اسکی سلطنت ویران ہو جائے۔ چونکہ عارف کا [illegible] ہوتا ہے اور دل وجود انسانی کا بادشاہ ہے پس اس کی [illegible] کمال [illegible] ہوتا ہے۔ اس شعر کا یہی معنی ہے۔ تو اس کو اچھی طرح پر حل نہیں ہو سکتا تھا۔" حیران ہیں کہ یہ معنی کیسے اور کس طرح درست ہیں۔ یہ حالت عارف کی نہیں [illegible] دنیا پرست کافر کے دل کی ہو سکتی ہے۔ عاشق کے دل کی یہ صورت نہیں ہوتی۔

(۳) ترجمہ۔ شراب سے سجادہ کو رنگین کر اگر تجھے پیر مغاں کہتا ہے کیونکہ سالک [illegible] ناواقف نہیں ہوتا۔

سجادہ۔ بالفتح و بالضم مصلے۔ جائے نماز۔ مغاں۔ جمع مغ بالضم آتش پرست۔
سالک۔ بکسر لام۔ راہ پر چلنے والا۔ اصطلاح صوفیہ میں سالک سے مراد اس طالب تقرب حق تعالی سے ہے جسکو عقل معاش ہی ہو۔ منزلہا۔ سے مراد منزلہائے عشق۔

اس شعر میں بتلایا گیا ہے۔ کہ طلب حق یا عشق حق کو ... اطاعت پوری پوری کرنی چاہئے
یہاں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح احکام الٰہی میں اوامر و نواہی کی بے طلب دلیل تعمیل کرنی چاہئے۔ خواہ
کوئی حکم عقل انسانی کے خلاف ہی ہو۔ کیونکہ انسانی عقل ضعیف ہے اور محدود ہے۔ خدا تعالیٰ جو عالم الغیب
اور حکیم مطلق ہے۔ اس کا کوئی فعل اور کوئی حکم خلاف مصلحت نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ... میں انسان کو
کسی قسم کی چون و چرا کی اجازت نہیں ہے۔ اسی طرح انبیاء کے احکام کی تعمیل میں بھی پیرو کو کوئی ... نہیں
چاہئے۔ قرآن کریم میں ابلیس و آدم کے قصہ میں بتایا گیا ہے۔ کہ حکم الٰہی کے ساتھ استدلال کو کوئی حق حاصل نہیں ہے۔
فرشتوں کو جب حکم ہوا۔ کہ آدم کے سامنے سجدہ کریں تو سب نے حکم کی تعمیل کی۔ مگر ابلیس نے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے تو نے
نار سے پیدا کیا ہے۔ اور آدم کو خاک سے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ پس میں اس سے افضل ہوں کیوں سجدہ کروں۔
علاوہ ازیں۔ یہ عام اور مسلمہ مسئلہ ہے۔ کہ مخلوق کو اپنے خالق کے سوا کسی کے آگے سجدہ نہیں کرنا چاہئے اور خداوند کریم
کا بھی یہی حکم ہے۔ اس لئے بظاہر ابلیس کے دلائل تو قوی تھے مگر۔ ابیٰ واستکبر وکان من الکافرین پر حکم عملی ہی کا ظہور ہو گیا

گذر ز چون و چرا و رہ اطاعت گیر — کہ زشت شد ز تو ار عزازیل با استدلال (المولف)

حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا قصہ بھی اس اصول کی تشریح کرتا ہے۔ جب حضرت خضرؑ نے ایک کشتی کو جس میں
انہیں ایک کشتی بان نے مفت سوار کیا تھا۔ توڑ ڈالا۔ اور اس صاحب خانہ کی جس نے ان کو رات کی روٹی
بھی نہ دی تھی۔ دیوار تعمیر کر دی۔ اور ایک معصوم بچے کو جس کے والدین نہایت متقی اور پرہیزگار تھے
مار ڈالا۔ تو حضرت موسیٰؑ معترض ہوئے۔ کہ تو یہ کام ناجائز کر رہا ہے۔ اور بظاہر حالات یہ تمام کام
بے جا تھے۔ مگر بالفاظ مولانا روم۔

آن پسر را کش خضر ببرید حلق — سرّ آن را در نیابد عام خلق
آنکہ از حق یابد او وحی و جواب — ہرچہ فرماید بود عین صواب
آنکہ جان بخشد اگر بکشد رواست — نائب است و دست او دست خدا ست
گر خضر در بحر کشتی را شکست — صد درستی در شکست خضر ہست
وہم موسیٰ با ہمہ نور و ہنر — شد از آن محجوب تو بے پر مپر
آن گل سرخ است تو خونش مخوان — مست عقل است او تو مجنونش مخوان
طفل می لرزد ز نیش احتجام — مادر مشفق در آن غم شاد کام

مہ جان بستاند وصلش فی ہد تو قیاس از خویش میگیری ولیک		آنچہ در وہمت نیاید آن قو ہد دور دور افتادہ بنگر تو نیک	

شعر حضرت خضر نے جو کچھ کیا وہ بحکم اللہ تھا اور مبنی بر مصلحت تھا۔ گرچہ ایک پیغمبر کی عقل بھی اس کی مصلحت کو نہ دیکھ سکی۔ اور اسی ناجائز فعل قرار دیا۔

خواجہ حافظ کا اس شعر سے بھی یہی مطلب ہے کہ اگر تجھے ساقی حکم دے کہ مصلے کو شراب سے تر کر دے تو بالکل نہ ڈر اور حکم کو مان لے کیونکہ اس میں کوئی حکمت ہوگی۔

منازل عشق میں پیر راہ نما ہے تجھے اس کی کامل اطاعت کرنی لازم ہے۔ اگر وہ تجھے کوئی ایسا حکم دے جو تجھے خلاف عقل نظر آئے۔ تو مت جھجک۔ کیونکہ سالک اس راستہ کے نشیب و فراز سے ناواقف نہیں ہے نیز منزلہائے عشق میں شراب کی ضرورت کا بیان شعر (۱) میں ہو چکا ہے۔

ترجمہ

مجھے منزل معشوق میں کیا امن اور عیش ہے جب ہر وقت جرس فریاد کرتا ہے کہ محمل باندھو۔

منزل۔ اترنے کی جگہ۔ مسافر کے آرام کی جگہ۔ خانہ مکان۔ جرس۔ بفتحتین۔ درائے کلاں۔ گھنٹہ۔ محملہا۔ جمع محمل۔ کجاوہ۔ صیغہ اسم ظرف از حمل ہودج۔

منزل جاناں سے یہاں مراد منزل عشق لینی چاہئے یعنی مسافر عشق منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے اثنائے سفر میں جہاں جہاں شب باش ہوتا ہے۔ ٹھیرتا ہے۔ یہاں منزل جاناں کا مطلب منزل مقصود نہیں بلکہ درمیانی منزلوں کی طرف اشارہ ہے۔ منزل جاناں اس واسطے کہا گیا ہے۔ کہ چونکہ منازل عشق سب کی سب محبوب کی طلب میں طے کی جاتی ہیں۔ لہذا وہ تمام منازل منازل عشق یا منازل جاناں کہی جا سکتی ہیں۔

یہ عام قاعدہ ہے۔ کہ مسافر کو درمیانی منزلوں پر گرچہ وہ وہاں شب باش ضرور ہوتا ہے۔ اور آرام کرتا ہے پورا اطمینان اور راحت نہیں ہوتی جبتک وہ اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ جاتا۔ اس وقت تک وہ درمیانی منزلوں پر آرام کرنے کے وقت بھی بے آرام رہتا ہے۔ کیونکہ اس کے دل میں ہر وقت منزل مقصود تک پہنچنے کا خیال رہتا ہے۔ اور یہ خیال اس کو قرار نہیں دیتا۔

فریاد جرس سے مراد بانگ ہے یعنی جب قافلہ منزل سے روانہ ہونے لگتا ہے۔ تو اس سے کچھ پہلے گھنٹہ بجایا جاتا ہے جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ تمام اہل قافلہ اپنا اپنا اسباب باندھ لیں اور اپنی اپنی مرکب اور محمل کا انتظام کرلیں۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ عاشق کو طلب محبوب میں کئی منازل طے کرنی پڑتی ہیں اور جب تک وہ اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچتا۔ وہ درمیانی منازل پر ٹھہرتا تو ضرور ہے۔ مگر اسکے دل کو آرام و تسکین بالکل نہیں ہوتی کیونکہ درمیانی منازل آرام جاودان کیلئے نہیں ہوتیں۔ بلکہ صرف تھکان کو دور کرنے اور دوسری منزل کیلئے تیار ہونے کیلئے ہوتی ہیں۔ جب تک عاشق اپنے محبوب کا وصال حاصل نہیں کرتا۔ اسے چین نہیں ہوتا۔ اس کی نگاہیں ہر وقت منزل مقصود پر لگی ہوتی ہیں۔ اس کو کسی قسم کا امن و عیش نصیب نہیں ہوتا۔

دنیا بھی انہی منازل میں سے ایک ہے اسلئے عاشقان صادق کو ان کی زندگی میں [illegible] ہوتا۔ کیونکہ دنیا بھی ایک درمیانی منزل ہے۔ جہاں مسافر کو صرف شب باشی کیلئے ٹھیرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ زیادہ نہیں۔ اور دوسری منزل کا کھٹکا ہر وقت دل میں ہوتا ہے

سایہ قیمہ نصیحر او دے علیتے دارد	اگر انتیہ منزل بود ریسرزان ما

[illegible]

چنانچہ یہ غزل ان کی وفات کے بعد ان کی قبر پر لکھی گئی۔ یہ غزل اور خصوصاً اس کا یہ شعر خواجہ حافظ کے اس شعر کی نہایت عمدہ تشریح ہے۔

دست از [illegible]	[illegible] رسید از قفس باز رهد
تلخی جور رقیب و ستم یار کشد	وقت شد کز غم ناکس و کس باز رهد
بجرم عشق و غم وصل بود جمل تن	از بیابان غم و بانگ جرس باز رهد
طوطی روح رسد در شکرستان وصال	شاہ باز لیت از خو عالکس باز رهد

(۵) ترجمہ۔ رات اندھیری ہے موجوں کا ڈر ہے اور ایسا گرداب پڑا ہے (یا ایسا خطرناک گرداب ہے) ہمارا حال سبکساران ساحل کیا جانیں۔

حائل۔ مانع۔ دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ۔ ہائل۔ ہولناک شدید۔ ڈراونا مشتق از ہول۔

اس شعر میں ہجوم مصائب کا بیان ہے۔ جو عاشق کو راہ طلب میں پیش آتی ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ وہ واصل لوگ جو اپنے محبوب کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ اور منازل طے کر چکے ہیں۔ وہ ہمارا حال کیا جانیں۔

ہم تاحال ایک بحرِ بیکران کی شناوری کر رہے ہیں جس میں موجوں کی تُندی ہے۔ گرداب کا خوف ہے۔ اور بوجہ اندھیری رات ہونے کے یہ مصائب دو بالا ہو گئے ہیں۔ راہِ عشق میں دنیا بھی ایک ایسی منزل ہے۔ جس کی متعلق کہا جاسکتا ہے کہ یہ منزل نہائیت دشوار ہے۔ نہائیت خطرناک ہے۔ گمراہ ہو جانے کا خطرہ ہے۔ راہزنی کا ڈر ہے۔ اس منزل میں ہزار ہا رہرو بہک گئے۔ شاعر نے پہلے شعر میں جن مشکلات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ یہی مشکلات ہیں۔ جن کی اس شعر میں توضیح کر دی گئی ہے۔ جس طرح خواجہ حافظ نے اس منزل کو دریا سے نسبت دے کر اس کے مصائب بیان کئے ہیں اسی طرح عارف نظامی نے اس منزل کو ایک دشوار گذار راہ بیان کر کے اس کے آسان کرنے کی تجویز کی ہے۔

[illegible] گرانجانی مکن ہرگز کہ در بزم سبکروحان		بیا اے رخت ہستی را بخلوتگاہ جان درکش چو ساقی گرم رو گردد سبک رطل گران درکش

نظامی نے بھی مشکلاتِ عشق کے مصائب کو دور کرنے کی یہی تجویز بتائی ہے۔ جو خواجہ حافظ نے اس غزل کے شعر اول میں بیان کی ہے۔

مرزا غالب دہلوی نے بھی بحرِ حیات کے پُر خطر ہونے پر ایک شعر کہا ہے جس میں مصائب سفر اس شعر سے بھی زیادہ بیان کئے گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

[illegible]		[illegible]

[illegible]

لوازم ہیں۔ کہ حضرت امیر مینائی کے دل میں تو انہوں نے یک گونہ یاس کی صورت پیدا کر دی اور ان کو تو یہ شک بھی ہو گیا۔ کہ اس دریا کا کوئی ساحل بھی ہے۔ یا نہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

دریائے محبت ہی جو پار اُتریں وہ جانیں		ہوتا ہے خدا جانے کہ ساحل نہیں ہوتا

خواجہ حافظ نے البتہ سبکساران ساحلہا کا ذکر کر کے اس دریا کو ناپیدا کنار خیال نہیں کیا۔ اور باوجود دریا کے پُرخطر ہونے کے وہ ساحل پر پہنچنے سے مایوس نہیں ہوتے۔ اور امید رکھتے ہیں۔ کہ ہم بھی کبھی اس زمرۂ سبکساران ساحلہا میں شامل ہونگے۔

دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ سبکساران ساحلہا سے مراد فرشتے لی جاوے۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت سبکسار ہیں۔ ان کو انسانی مصائب کا بالکل علم نہیں ہے دنیا میں رہ کر

آدمی کو راہ حق میں جو جو مشکلات پیش آتی ہیں۔ فرشتے ان سے نا آشنا ہیں۔ کیونکہ انسانی فطرت کے ساتھ جو کمزوریاں شامل ہیں۔ فرشتے ان سے پاک ہیں۔ انسان کے سامنے ہزارہا مواقع لغزش کے ہیں۔ فرشتوں کے پائے لغزش ہی نہیں۔ وہ گناہ کے قابل ہی نہیں۔ اس صورت میں گویا انسان اور فرشتہ کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے۔ کہ اگر آدمی باوجود ان کمزوریوں کے منزل مقصود کو پہنچ جائے۔ تو وہ فرشتوں سے بدرجہا افضل ہے۔ ہاروت اور ماروت انسان پر طعنہ زنی کرتے تھے۔ آخر دیکھ لیا

اے برادر [illegible] (سعدی) [illegible]

(۷) ترجمہ۔ میرے تمام کام کا خودکامی کی وجہ سے نتیجہ بدنامی ہوا۔ وہ راز کب پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ جس پر محفلیں قائم ہوں۔

خودکامی۔ خودرائی۔ خودی۔

صوفیائے کرام کے نزدیک کامل توحید یہ ہے۔ کہ سوائے ذات خدا کے اور کچھ موجود نہیں سمجھتے وہ وحدتِ وجود کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک جو کچھ ہے۔ خدا ہی ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ وہ خدا اور انسان کے درمیان بھی من و تو کے روادار نہیں۔ ان کے نزدیک اگر آدمی اپنے آپکو ایک ایسی علیحدہ معین اور موجود چیز خیال کرے۔ جو ذات باری سے الگ ہے۔ تو یہ بھی کفر ہے۔ ان کے نزدیک ع خودی کفر است اگر خود پارسا ست۔

التوحید اسقاط الاضافات یعنی توحید تمام اضافات کو ساقط کرتی ہے۔ یعنی کسی فعل یا ہستی کو اپنی طرف منسوب کرنا یا صنعتِ وجود کی موجودِ مطلق کے سوا اور سے اضافت کرنا توحید کے اصول کے برخلاف ہے۔ توحید پر کامل ایمان صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ انسان کسی فعل کسی وجود کسی ہستی کو منسوب بہ غیر نہ کرے۔ یعنی اس کے دل سے من و تو کا پردہ اُٹھ جائے۔ جب تک محبوب کے ساتھ عاشق کا تعلق من و تو کا تعلق ہے۔ اس وقت تک یہ خیال کرنا چاہئے۔ کہ توحید نہیں۔ بلکہ کثرت کا قائل ہے۔ پس توحید کیلئے خودی کو درمیان سے بالکل اٹھا لینا چاہئے۔

پس جب تک پردہ خودی درمیان ہے۔ اس وقت تک کمال توحید حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور

نہ ہی طالب تو اپنے مطلوب کے ساتھ وصل حقیقی ہو سکتا ہے۔

ز خود کامی بروں آ جستجو رغبت تماشا کن		کہ معراج سفر از نیستی یابی بیک سر دیوان باشد

راہ عشق میں اگر عاشق نے خودکامی ترک کر دیا۔ تو گویا اس نے وحدت کو زائل کر کے کثرت کو پیدا کر لیا۔ اور راز عشق کا اس صورت میں مخفی رکھنا ممکن نہیں۔ کیونکہ ایکدفعہ جب خیال کثرت پیدا ہوگیا۔ تو آدمی اس میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے۔ کہ پھر ایک اور دو تک نوبت نہیں رہتی۔ بلکہ اعداد غیر محدود ہو جاتے ہیں۔ اور عالم کثرت میں صرف عاشق معشوق تک معاملہ نہیں رہتا۔ بلکہ کہیں رقیب پیدا ہو جاتے ہیں۔ کہیں قاصد۔ ادھر محفل یار پیدا ہو جاتی ہے۔ اُدھر دربان آ کھڑا ہوتا ہے۔ گویا کثرت کا یہ عالم ہوتا ہے۔ کہ کوئی تعداد ہی نہیں رہتی۔ پھر ظاہر ہے۔ کہ ایسی صورت میں راز عاشق و معشوق بغیر فاش ہوئے نہیں رہتا رسول کریمؐ فرماتے ہیں۔ کہ کل سرٍ جاوز الاثنین شاع۔ یعنی جو راز دو سے تجاوز کر گیا۔ وہ سمجھو کہ فاش ہوگیا۔ بعض شارحین نے اس حدیث کے یہ معنی لئے ہیں کہ جب راز دو لبوں سے نکل گیا۔ یعنی منہ سے نکل گیا۔ تو جانو کہ شائع ہوگیا۔ گویا راز اسی وقت تک ہے جب تک آدمی کے سینے کے اندر ہے۔ منہ سے نکلا۔ تو سمجھو گیا۔

پس ظاہر ہے۔ کہ راز کثرت کی تاب نہیں لا سکتا۔ مطلب یہ ہے۔ کہ عاشق کی خودرائی کی وجہ سے کثرت پیدا ہوگئی اور جب کثرت پیدا ہوئی۔ تو راز عاشق و معشوق پنہاں نہ رہ سکا۔ ظاہر ہوگیا۔ اور یہ سبب بدنامی ہوا۔

(۷) ترجمہ اگر تو حضوری چاہتا ہے۔ تو اے حافظ اس سے غائب ہو اور جب تو اپنے مطلوب کو پالے تو دنیا اور مافیہا کو چھوڑ دے۔

حضوری۔ حضور بضمتین مصدر بمعنی حاضر ہونا نقیض غیب۔ توجہ حاصل کرنا عزت حاصل کرنا۔ غائب۔ از غیبت بالفتح۔ ضد حاضر۔ دنیا۔ نزدیک شونده چونکہ دنیا بہ نسبت عاقبت کے نزدیک ہے۔ لہذا یہ نام ہوا۔ یا مونث ادنی از دنائت۔ دنیا چونکہ زبون ہے۔ اسلئے یہ نام ہوا۔

اس شعر کا مطلب صاف ہے اور چنداں قابل تشریح نہیں۔ پہلے مصرع میں جو مطلب ادا کیا گیا ہے۔

یہی دوسرے مصرع میں زبان عربی بیان ہوا ہے۔ حاضر ضد غائب ہے۔ پس عاشق اگر اپنے معشوق کے دربار میں حاضر رہنا چاہتا ہے۔ اور اسکے سامنے کچھ عزت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو ضرور ہے کہ وہ غائب نہ ہو۔ اس جگہ حضوری کے معنی صرف حاضر ہونیکے نہیں لینے چاہئیں۔ کیونکہ یہ کہنا کہ اگر حاضر ہونا چاہتا ہے۔ تو غائب مت ہو۔ چنداں فصیح نہیں۔ اس لئے حضور سے یہاں مراد عزت اور توجہ حاصل کرنا ہے۔ یعنی عاشق اگر معشوق کی چشم عنایت چاہتا ہے۔ تو ضرور ہے۔ کہ وہ اس سے کسی وقت جدا نہ ہو۔ اور ہر وقت اس کی خدمت میں حاضر رہے۔ اس کو دل سے نہ بھلائے۔

عربی فقرے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر جسے تو محبت کرتا ہے۔ اُسے مل جاوے۔ تو پھر دُنیا کو چھوڑ دے۔ یعنی اگر محبوب کی ملاقات حاصل کرلے تو پھر ترک دنیا کر دے۔ کیونکہ جب تک تو ایسا نہیں کریگا۔ تجھے وصال محبوب حقیقی اور کامل خوشی نہیں حاصل ہوگی۔

اس شعر کا مطلب ایک اور طرح بھی بیان ہو سکتا ہے۔ یعنی اگر حضوری اور عین وصال کو دو مختلف منازل قرار دیا جاوے۔ تو یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اگر حضوری حاصل کرنا چاہتا ہے تو تجھے ہر وقت اور ہر کام میں اپنے محبوب کا خیال رکھنا چاہیے یعنی۔ ع ہر بکارے کہ باشی با خدا باش۔ اس منزل پر صرف اتنا ضروری ہے کہ تو اپنے محبوب کا خیال دل سے کسی وقت محو نہ کرے تمام معاملات اور فرائض دنیوی کو بھی سرانجام دے۔ مگر ساتھ ہی اپنے محبوب کو ہر وقت اور ہر فعل میں یاد رکھے لیکن دوسرے مصرع میں بتایا گیا ہے کہ اگر تو منزل حضوری سے گذر کر ملاقات یعنی وصال حاصل کرلے۔ تو پھر دنیا کو قطعاً ترک کر دے۔ اور فنا فی المحبوب ہو جا۔

بعض شارحین نے دوسرے مصرعہ پر یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ پہلے ملاقات حاصل کرکے پھر دنیا کو چھوڑنے کے کیا معنی پہلے دنیا کو چھوڑ کر پھر حصول وصال کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ اعتراض یوں بھی قابل التفات نہیں ہے۔ مگر اس شعر کی جو دوسری صورت معانی بیان کی گئی ہے اس صورت میں یہ اعتراض بالکل وارد ہی نہیں ہو سکتا۔

غزل (۲)

مصرع اول		مصرع دوم
اے فروغ ماہ حسن از روی رخشان شما	۱	آبروی خوبی از چاہ زنخدان شما
عزم دیدار تو دارد جان بر لب آمدہ	۲	باز گردد یا بر آید چیست فرمان شما
کی دہد دست این غرض یا رب کہ ہمدستان شوند	۳	خاطر مجموع ما زلف پریشان شما
کس بدور نرگست طرفی نہ بست از عافیت	۴	بہ کہ نفروشند مستوری بمستان شما
بخت خواب آلود ما بیدار خواہد شد مگر	۵	زانکہ زد بر دیدہ آبی روی رخشان شما
با صبا ہمراہ بفرست از رخت گلدستہ	۶	بو کہ بوئی بشنویم از خاک بستان شما
دل خرابی میکند دلدار را آگہ کنید	۷	زینہار اے دوستان جان من و جان شما
عمرتان باد و مراد اے ساقیان بزم جم	۸	گرچہ جام ما نشد پر مے بدوران شما
اے صبا با ساکنان شہر یزد از ما بگو	۹	کای سر حق ناشناسان گوی میدان شما
گرچہ دوریم از بساط قرب ہمت دور نیست	۱۰	بندہ شاہ شمائیم و ثنا خوان شما
دور دار از خاک و خون دامن چو بر ما بگذری	۱۱	کاندرین رہ کشتہ بسیارند قربان شما
اے شہنشاہ بلند اختر خدا را ہمتی	۱۲	تا ببوسم ہمچو گردون خاک ایوان شما

۱۳ میکند حافظ دعائے بشنو آمینے بگو
روزی ما باد لعل شکر افشان شما ۱۳

(۱) ترجمہ - اے کہ ماہ حسن کی چمک تیرے روشن چہرے سے ہے - حسن کی آبرو تیرے چاہ زنخدان سے ہے

فروغ - بضمتین بمعنی روشنی - ماہ حسن - حسن کا چاند - یہاں بمعنی حسن (مطلق)

زنخدان - بمعنی زنخ - و ذقن - دان - زائد

معشوق کو مخاطب کر کے کہتا ہے - کہ تمام عالم میں جسقدر حسن ہے - اس کی خوبصورتی اور اس کی روشنی کا منبع صرف تیرا روشن چہرہ ہے - جسطرح کہا جاتا ہے کہ چاند کی روشنی ذاتی نہیں - بلکہ آفتاب کی روشنی کا پرتو ہے - یعنی چاند بنفسہ روشن نہیں - سورج کی شعاعیں اس سے منعکس ہو کر چاند

کو روشن دکھائی ہیں اسی طرح شاعر کہتا ہے۔ کہ حسن کے چاند کی روشنی یعنی سارے جہان کے حسینوں کا حسن تیرے حسن کا پرتو ہے۔ تیرے روشن چہرہ کی روشنی ہر ایک خوبصورت شے پر پڑ کر خوبصورت دکھاتی ہے۔

فکل ملیح حسنہ من جمالہ		معار لہ بل حسن کل ملیحۃ۔	لمعا

یعنی جس قدر خوبصورت ہیں۔ ان کی خوبصورتی اسی کے جمال سے عاریت لی ہوئی ہے۔ اہل تصوف کے نزدیک تمام جہان کے نور کا ماخذ نور الٰہی ہے۔ وہ چونکہ اس کی ذات کے سوا اور کسی کو بھی ہی نہیں گنتے۔ اس لئے کسی چیز کا جمال بھی جمال الٰہی سے الگ شمار نہیں کرتے۔ واللہ نور السموٰت

آں را کہ بجود وجود نبود		او را ز کجا جمال باشد	لمعا

دوسرے مصرعہ کا مطلب بھی وہی ہے۔ جو پہلے مصرعہ کا ہے۔ پہلے مصرعہ کی طرح الفاظ مجاز میں مگر وہی حقیقت ظاہر کی ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ خوبی یعنی حسن کی رونق تیرے ہی چاہ زنخدان ہی اس مصرع میں نکتہ یہ ہے۔ کہ لفظ آب و چاہ کو صنعت ایہام استعمال کیا گیا ہے۔ اگر آب کے معنی معروف پانی کہا جائے۔ تو گویا مصرع ہذا کا یہ مطلب ہوا۔ کہ خوبروئی کا تمام پانی تیرے ہی زنخدان سے آیا ہوا ہے۔ مگر الفاظ کی صرف نزاکت استعمال ہی ہے۔ مطلب اتنا ہی ہے۔ کہ تمام حسن کی آبروئی تیرے ہی زنخدان کی وجہ سے ہے۔

(۲) ترجمہ۔ لبوں پہ آئی ہوئی جان تیرے دیدار کا ارادہ رکھتی ہے۔ واپس ہو جائے یا باہر آجائے تمہارا حکم ہے۔

شعر صاف ہے مطلب یہ ہے۔ کہ جان لبوں پہ آئی ہے۔ اور تیرے دیدار کی شائق ہے۔ اب تیری مرضی پر منحصر ہے۔ کہ تو اسے دیدار دیکر دوبارہ زندگی بخشے یا اسے دیدار سے محروم رکھے۔ اور اسی حرمان میں وہ قالب سے جدا ہو جائے۔

بلبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم		پس ازاں کہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ کہا جائے۔ کہ جان تیرے دیدار کے ارادے سے جسم خاکی سے چل کر لبوں تک آ پہنچی ہے۔ اب تیرے حکم کا انتظار ہے۔ اگر تو اجازت دے۔ تو لبوں سے بھی باہر آ کر تیرا دیدار کرلے۔ یا پھر واپس اپنی جگہ پر چلی جاوے۔ یہ کہا گیا ہے۔ کہ ہوئے موت کے

[illegible] پرکشف الغطا کا ہونا ہی اصول [illegible] ہے۔
نزع کے وقت خالق و مخلوق کے درمیان جو پردہ ہوتا ہے۔ وہ اٹھ جاتا ہے اور بعد ہر گز دیدار
الٰہی ممکن ہو جاتا ہے۔

(۴) ترجمہ۔ اے خدا یہ مدعا کب حاصل ہو گا۔ کہ متفق ہو جائیں۔ میری دلجمعی اور تمہاری زلف
پریشان۔

دست دادن۔ میسر ہونا۔ ہمدستان۔ ہمدست شریک متفق برابر ہمقدرت
ان زائد یا بمعنی ہمداستان۔ بتخفیف الف یعنی ہمکلام۔

معشوق کی زلف پریشان ہوتی ہے۔ اور وہ ہمیشہ عاشق کے دل کو بھی اپنے سودا میں پریشان
رکھتی ہے۔ خواجہ صاحب دعا کرتے ہیں۔ کہ وہ دن کب ہو گا جب میری دلجمعی اور تیری زلف
پریشان متفق ہونگی۔ بجائے ہمداستان کے ہمدست مراد لینا زیادہ موزوں ہے لیکن جس طرح خاطر
مجموع اور زلف پریشان شما میں لفظی تضاد ہے۔ اسی طرح ان دونوں کا فی الواقع یکجا ہونا بھی
اجتماع ضدین ہو گا۔ تاہم عاشق کی یہ خواہش ضرور ہوتی ہے۔ کہ اسے جمعیت دل بھی نصیب ہو
اور زلف پریشان کا سودا بھی رہے۔ دیکھو ردیف ہذا غزل (۱۰) شعر (۳)

(۵) ترجمہ۔ کسی نے تیری نرگس کے عہد میں آرام حاصل نہ کیا۔ اچھا ہے۔ کہ تیری مست آنکھوں کے ہاتھ مستوری بیچدیں۔

نرگس۔ چشم مست معشوق۔ طرف بستن۔ حاصل کرنا۔ فائدہ نفع اٹھانا۔ وجہ تسمیہ یہ ہے
کہ دوشیزہ کے معنی گلیچہ کمر کے ہیں۔ جو آرائش کیلئے باندھتے ہیں۔ مستوری۔ خرد مستی۔

مطلب یہ ہے۔ کہ تیری مست آنکھوں کے عہد میں کسی کو آرام نصیب نہ ہوا۔ اس لئے بہتر ہے۔ کہ
عاشق اپنی مستوری یعنی ثقاہت و ہوش کو تیری مست آنکھوں کے بدلے بیچ ڈالیں۔ اس شعر میں پھر
ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ عاشق کو جب تک وہ ہوش بیچکر مستی نہ خریدے۔ محبت کے مشکل راستہ پر آرام
نصیب نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ بفحوائے الناس علی دین ملوکہم۔ جب دیار عشق کی عنان سلطنت
ہی نرگس مست کے ہاتھوں میں ہے۔ تو ضرور ہے۔ کہ حصول عافیت کیلئے عشاق کو وہی مستی کی زندگی بسر
کرنی چاہئے۔

حدیث میں آیا ہے۔ کہ الدنیا ساعۃ ولیس فیہا راحۃ۔ چونکہ دنیا میں فی الحقیقت راحت

مشکل ہے۔ اور تمام عمر دنیادار آدمی کو یقیناً مرتے دم تک آرام نصیب نہیں ہوتا۔ اسلئے بہتر ہے کہ انسان مستوری کو مستی کے بدلے فروخت کرے یعنی عشق الٰہی کے نشہ میں سرشار ہو جاوے تاکہ دنیا کے رنج والم اسے ہر وقت مضمحل نہ رکھیں۔

خاک بر سر کن غم ایام را	ساقیا برخیز و در دہ جام را

اپنی مستوری کو معشوق کی مستی چشم پر نثار کرنے سے شاعر نے [illegible] اسی اشارہ کیا ہے۔ اور اس کی تصدیق کی ہے۔

ہشیار زیستن نہ ز قانون حکمت است	در کارخانہ کہ بنائش بہ ظلمت است

اگر شعر میں بفروشند کی بجائے بفروشند پڑھا جائے تو مطلب یہ ہو گا۔ کہ معشوق کی چشم مست کے سامنے اپنی ہوشیاری کا اظہار اچھا نہیں۔

(۵) ترجمہ۔ شاید ہمارا سویا ہوا نصیبہ جاگ اٹھے۔ کیونکہ آنکھوں پہ تیری روشن چہرہ نے پانی گرایا۔ عام دستور ہے۔ کہ سوئے ہوئے آدمی کو جگانے کیلئے اس پہ پانی چھڑکا جاتا ہے۔ اگر آدمی خواب سے بیدار ہو کر بھی پورے طور پر ہوش میں نہ آئے۔ اور ابھی تک اثر خواب باقی ہو۔ تو بھی اسکی آنکھوں پہ پانی چھڑکا جاتا ہے۔ کہ آدمی بالکل ہوشیار ہو جائے۔ شاعر کہتا ہے۔ کہ میرے سوئے ہوئے نصیب اب شاید جاگ اٹھیں گے۔ کیونکہ تیرے روشن چہرے نے آنکھوں پہ پانی چھڑکا ہے۔ عاشق کی آنکھ یوں بھی پرنم ہوتی ہے۔ اور پھر کسی روشن چیز کو دیکھ کر آنکھوں میں بھی پانی آجاتا ہے۔ پس مطلب یہ ہوا۔ کہ اے محبوب تیرے روشن چہرہ کا نظارہ چونکہ مجھے نصیب ہے اسلئے اب امید ہے کہ میرے سوئے ہوئے نصیب جاگ اٹھیں گے۔ ظاہر ہے۔ کہ معشوق کا دیدار خود بھی ایک خوش نصیبی ہے۔

مظہر جان جاناں کی آنکھوں سے تو سیلاب چل گئے مگر اس کا بخت گرانخواب بیدار نہ ہوا۔

با آنکہ گریہ داد بہ سیلاب رخت ما	آبے تر زد بروئے گرانخواب بخت ما

لفظ مگر کے معنی اس شعر میں لیکن نہیں۔ بلکہ شاید ہیں۔

(۶) ترجمہ۔ صبا کے ہمراہ اپنے چہرہ سے ایک گلدستہ بھیج۔ شاید کہ ہم بھی سبزۂ باغ کی خاک کی خوشبو سونگھ سکیں۔

بو - مخفف بود معنی شاید - بشنویم - از شنیدن بالفتح یہ مصدر دو معنوں میں استعمال ہوتی ہے سننا اور سونگھنا - یہاں سونگھنا ہے - بستان مخفف بوستان یعنی باغ -

آواز اور خوشبو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک چونکہ صرف ہوا کے ذریعے پہنچتی ہے - اسلئے شاعر ہمیشہ عاشق و معشوق کے درمیان قاصد کا کام بادِ صبا سے لیتے ہیں - رخسار معشوق کو بوجہ سرخی - نزاکت اور خوشبو کے گل سے تشبیہہ دی جاتی ہے - یہاں گلدستہ سے معنی صرف خوشبو کے لینے چاہئیں کیونکہ صبا گلدستہ کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک نہیں پہنچا سکتی - بلکہ صرف خوشبو کو -

مطلب یہ ہے - کہ صبا کے ذریعے گلِ رخسار کی خوشبو مجھ تک بھیج - تاکہ میں بھی تمہارے گلشن کی سرزمین کی خوشبو سے اپنے دماغ کو معطر کر سکوں -

(۷) ترجمہ - دل خرابی کرتا ہے معشوق کو خبر دو - ضرور اے دوستو میری اور تمہاری جان کی قسم ہے -

چونکہ عاشق کا دل اپنے قابو میں نہیں ہوتا - بلکہ معشوق کے بس میں ہوتا ہے - اس لئے اگر دل کوئی خرابی برپا کرنے لگے تو ضروری ہے - کہ دلدار کو اطلاع دی جائے - کیونکہ وہی اسے روک سکتا ہے - اسی لئے عاشق دوستوں و ہمشرب کو اپنی اور ان کی جان کی قسم دیکر بڑی زور سے کہتا ہے - کہ وہ اسکے معشوق کو خبر کریں - تاکہ وہ دل کو خرابی سے روکے - عاشق کا دل جو خرابیاں کر سکتا ہے - وہ ظاہر ہیں قابل تشریح نہیں - شارحین نے یہی معنی کئے ہیں - کہ اب طاقت اخفائے راز نہیں رہی - دل اس راز کو افشا کرنا چاہتا ہے - اس لئے دلدار کی مدد کی درخواست کی ہے - ظاہر ہے - کہ جب تک دل قابو میں رہیگا [illegible] اخفائے ممکن ہے مگر جب بے قابو ہو گیا - تو عاشق ہزار ہا ایسی باتیں کرنے لگتا ہے جن سے رازِ عشق کھل جاتا ہے - خواجہ حافظ نے خود بھی اس خیال کو دوسری جگہ ظاہر کیا ہے -

[illegible]	[illegible]

(۸) ترجمہ - اے بزم جم کے ساقیو تمہاری عمر دراز ہو - گرچہ ہمارا پیالہ تمہارے عہد میں سر آمیز بھی نہ ہوا -

جم - یعنی جمشید جام کو جم سے یہ نسبت ہے - کہ سب سے پہلے جمشید نے جام ایجاد کیا - بزم جم سے مراد بھی بزم مے ہے -

ساقیانِ بزم جم سے مخاطب ہو کر عاشق کہتا ہے کہ گرچہ تمہارے عہد میں ہمکو کبھی شراب [illegible]

نصیب نہیں ہوا۔ تو بھی ہماری دعا یہی ہے۔ کہ خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ کیونکہ جتنی بھی شراب ملی ہے وہ
آپکی مہربانی ہے۔ اور اسکا شکریہ لازم ہے۔ اور آئندہ بھی اگر کچھ امید ہے۔ تو تم سے ہی ہو سکتی ہے
یہ بھی قاعدہ ہے۔ کہ میخوار کو اگر ہزار جام پڑے دیا جاوے۔ پھر بھی وہ کمی کی شکایت ہی کریگا۔ جام کیا اگر
ساقی خم کے خم بھی لنڈھا دے۔ تو بھی میخوار کی تسلی نہیں ہوتی۔ ہمیشہ صدائے ہل من مزید ہی سنائی دیتی ہے
اسی طرح عاشق حق کو بھی کبھی سیری نہیں ہوتی۔ وہ جتنا اپنے محبوب کے قریب ہوتا ہے۔ اتنی ہی
آتش عشق تیز تر گردد" سے مراد جو صوفیائے کرام لیتے ہیں۔ وہ مفصل لکھی جا چکی ہے۔
اور اسی لئے دوبارہ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

لفظ دوران کے استعمال میں بھی ایک خوبی ہے۔ جو قابل ذکر ہے۔ وہ یہ کہ لفظ دوران
گرچہ یہاں بمعنی عہد لیا گیا ہے۔ مگر بزم مے میں دور ساغر بھی ہوتا ہے اور یہاں کنایتاً "دور ساغر"
سے بھی مراد لی جا سکتی ہے۔

بعض شارحین کو ہر شعر کے حقیقی معنی اور معنوی مطلب کے بیان کرنے کا اتنا شوق ہے کہ انہوں نے
جم سے مراد حضور سرور کائنات کی ذات خاص لی ہے۔ اور ساقیان بزم جم کو صحابہ کرامؓ سے تاویل
کیا ہے۔ مگر کیا ضروری ہے۔ کہ اس حد تک تاویلیں کی جاویں۔ اصطلاحات تصوف میں سب کچھ درست ہے
مگر پھر بھی۔ ع با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

(۹) ترجمہ۔ اے صبا یزد کے باشندوں کو ہماری طرف سے کہہ۔ کہ اے ناحق شناسوں کا تمہاری میدان
کی گیند ہو۔

(۱۰) ترجمہ۔ گرچہ ہم قرب سے دور ہیں ہمت دور نہیں۔ ہم تمہارے بادشاہ کے غلام اور تمہارے
ثنا خوان ہیں۔ ہمت۔ قصد دل۔ ارادہ۔ نیز بمعنی دعا۔

یہ دونو شعر قطعہ بند ہیں۔ اور اسی لئے ان دونوں کی تشریح یکجا لکھنی مناسب ہے۔
اس غزل میں اب تک مطالب عشق کا بیان رہا ہے۔ اب ان دو شعروں میں شاعر نے بطریق گریز جو صنعت
قطع الکلام کی ایک قسم ہے۔ فوراً روئے سخن دوسری طرف کر لیا ہے۔ اور شہر یزد کے باشندگان
اور بادشاہ کی دعا و مدح میں دو شعر کہکر پھر بطریق سابق بیان عشق میں باقی غزل لکھی ہے۔
شعر نمبر (۹) میں صنعت اعتراض ہے۔ چنانچہ شاعر نے ضمن کلام میں دوسرا مصرعہ بسالمت ہی لکھا ہے

اس شعر پر بھی حسب دستور مصنف [illegible] ہے ... کہ اے صبا میری طرف سے جا کر
اہلِ یزد کو کہہ - اے اہلِ یزد! خدا کرے کہ ناشکر گذاروں کے سر تمہارے چوگان کی گیند بنیں -) میں
گرچہ تم سے دور ہوں لیکن میرا دل تم سے دور نہیں - میں تمہارا دعاگو ہوں - اور یہاں اس فاصلہ پر
بھی تمہارے بادشاہ کا غلام ہوں - اور تمہارا مداح -

یہاں دعائیہ فقرہ کے استعمال میں ایک اور نزاکت بھی ہے - کیونکہ یہ فقرہ صرف بغرض دعا استعمال نہیں ہوا بلکہ
شاعر کو اپنے بیان کی راستی کی تائید بھی اس دعا سے مطلوب ہے - گویا شاعر کہتا ہے - کہ اے اہلِ یزد اگرچہ میں تم سے دور
ہوں - مگر ناحق شناس نہیں ہوں - میرا دل تمہارے نزدیک ہے - تمہارا اور تمہارے بادشاہ کا مداح
ہوں - خدا تمہارے ناحق شناسوں کے سروں کو پامال کرے -

ایک شارح صاحب نے اس دعائیہ جملہ کے یہ معنی کئے ہیں کہ اے اہلِ یزد تم نے ناحق شناسوں کے سروں کو
اپنے کھیلنے کی گیند بنا لیا ہے - یعنی غیروں سے ربط و ضبط پیدا کیا ہے " - یہ معنی عجیب ہیں اور پھر اسی پر
اکتفا نہیں کیا - بلکہ حقیقی معنی بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے - کہ وہ لوگ جو صرف ظاہر دار تھے
اور دل میں عشقِ حقیقی کا جذبہ نہیں رکھتے تھے - وہ محبوبِ حقیقی کے پاس پہنچ گئے اور ہم رہ گئے - العجب

(۱۱) ترجمہ - جب تو ہمارے پاس سے گذرے - تو دامن کو خاک و خون سے بچا نا - کیونکہ اس راہ میں
بہت تم پر قربان ہو چکے ہیں -

عاشق ہمیشہ اپنے آپ کو معشوق کی ادا کا کشتہ خیال کرتے ہیں - چنانچہ کشتگان خنجر تسلیم
کشتۂ ناز و غیرہ وغیرہ الفاظ کا استعمال عام ہے نیز غلطیدنِ بسمل بھی اسی قبیل سے ہے - شاعر اپنے
معشوق کو مخاطب کر کے کہتا ہے - کہ اگر تو کبھی مہربانی کر کے مجھ بسمل کے پاس سے گذرے تو اپنے دامن
کو خون و خاک سے بچانا - کیونکہ جس راہ پر میں خاک و خون میں تڑپ رہا ہوں - وہاں اور بھی ہزاروں عاشق
قربان ہو چکے ہیں - اور تمام راہ پر خون گرا ہوا ہے - دامن بچا کر چلنا - کہ اس پر خون کا نشان نہ
ہو جائے - مگر معشوق کو اس بچ کر چلنے سے کیا فائدہ عاشق اس کی حنائے کفِ پا کو کہہ دینگے - کہ شہید
کا خون ہے - یا یہ کہہ دینگے کہ

آلودہ کرد خنجر از خون عاشقان
این طرفہ مکر بین کہ حنا را بہانہ ساخت

جرم تو پھر بھی ثابت ہو گا -

[illegible] فرماتے ہیں کہ اے مرشد کامل اگر تو ہمارے پاس ہو کر گزرے یعنی لوگوں
[illegible] خاک و خون سے اپنا دامن بچائے رہنا یعنی دنیاداروں اور ظاہر پرستوں سے پرہیز
کرنا ۔ کیونکہ وہ ہی اگرچہ تجھ پر قربان ہیں ۔ مگر ذاتی اور دنیاوی اغراض کیوجہ سے تیرے طالب ہیں ۔
مجبوروں پر فیضان ضائع نہ کر ۔ اور ان سے بچا رہ "

(۱۲) ترجمہ ۔ اے بلند اختر بادشاہ خدا کے لئے ہمت بخش ۔ تاکہ آسمان کی طرح تمہارے خاک ایوان
کو بوسہ دوں ۔

ایوان ۔ بالفتح ۔ ایوان بالکسر و یائے معروف معرب نشستگاہ بلند جس پر چھت ہو ۔
اس شعر میں شاعر نے اپنے معشوق یا ممدوح کی ایوان کی عظمت و رفعت کو بیان کیا ہے ۔ اور کہا ہے
کہ جس طرح آسمان تیرے ایوان کو چومتا ہے اسی طرح مجھے بھی اتنی اولوالعزمی اور رفعت نصیب ہو
کہ میں بھی تیرے ایوان کے فرش کو چوم سکوں ۔ گویا فرش ایوان آسمان سے بھی اوپر ہے ۔ کہ آسمان جھک
کے اسے چومتا ہے ۔ ظہیر فاریابی نے قزل ارسلان کی مدح میں لکھا تھا کہ

فریاد من ز طارم گردون گذشت و نیست		انکار آن کہ رحمت آن آستان دہد
نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پا		تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد

جس پر حضرت شیخ سعدیؒ نے تعریض لکھی ہے

چہ حاجت کہ نہ کرسی آسمان		نہی زیر پائے قزل ارسلان

(۱۳) ترجمہ حافظ دعا کرتا ہے سنو اور آمین کہو ۔ کہ تمہارا لعل شکر افشاں ہمارے نصیب ہو ۔
لعل شکر افشاں ۔ لب لعل ۔ معرب لال جو سرخ رنگ قیمتی ۔ لب کو بوجہ سرخی لال سے
تشبیہ دیتے ہیں ۔ اور بوجہ شیرینی شکر افشاں کہا ہے ۔ لعل شکر خا بھی کہا ہے ۔
اس دعا میں حافظ صاحب اپنے معشوق کو بھی شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں ۔ دوسرے لفظوں میں معشوق سے
اس درخواست کی منظور کرنے کی التجا کرتے ہیں ۔ لطافت بیان قابل داد ہے ۔
خواجہ صاحب نے دعا کرنے سے پہلے ہی آمین کی درخواست کری ہے اس تقدیم و تاخیر کی وجہ ظاہر ہے
شعر الف ۱۲ میں بھی خواجہ صاحب معشوق کو اسی قسم کی دعا میں شریک ہونے کو کہتے ہیں ۔

غزل (۲)

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدا را	۱	دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا
دہ روزہ مہرِ گردوں افسانہ است و افسوں	۲	نیکی بجائے یاراں فرصت شمار یارا
کشتی شکستگانیم اے بادِ شرطہ برخیز	۳	باشد کہ باز بینیم آں یارِ آشنا را
در حلقۂ گل و مل خوش خواند دوش بلبل	۴	ہات الصبوح ھبوا یا ایہا السکارا
اے صاحبِ کرامت شکرانۂ سلامت	۵	روزے تفقدے کن درویشِ بینوا را
آسائشِ دو گیتی تفسیرِ ایں دو حرف است	۶	با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا
در کوئے نیکنامی ما را گذر ندادند	۷	گر تو نمے پسندی تغییر کن قضا را
آئینہ سکندر جامِ جم است بنگر	۸	تا بر تو عرضہ دارد احوالِ ملکِ دارا
سرکش مشو کہ چوں شمع از غیرتت بسوزد	۹	دلبر کہ در کفِ او موم است سنگِ خارا
گر مطربِ حریفاں ایں پارسی بخواند	۱۰	در رقص حالت آرد پیرانِ پارسا را
آں تلخوش کہ صوفی ام الخبائثش خواند	۱۱	اشہی لنا و احلی من قبلۃ العذارا
ہنگامِ تنگدستی در عیش کوش و مستی	۱۲	کایں کیمیائے ہستی قاروں کند گدا را
خوبانِ پارسی گو بخشندگانِ عمرند	۱۳	ساقی بدہ بشارت پیرانِ پارسا را

(۱۴) حافظ بخود نپوشید ایں خرقۂ مے آلود
اے شیخِ پاکدامن معذور دار ما را (۱۴)

(۱) ترجمہ۔ دل ہاتھ سے جاتا ہے۔ اے صاحبدلو! خدا کیلئے (مدد کرو) افسوس کہ مخفی راز فاش ہو جائیگا

صاحبدل۔ اہلِ دل۔ وہ آدمی جس کے پہلو میں دل ہو۔ اور دل میں درد ہو۔

خدا را۔ برائے خدا مدد کرو۔

جب عشق ابتدائے منزل سے گذر جاتا ہے۔ تو عاشق کا دل رفتہ رفتہ بیقرار اور قابو سے باہر ہوتا جاتا ہے
ابتدا میں جب تک دل کے ساتھ پاسبانِ عقل ہوتا ہے۔ دل اختیار میں ہوتا ہے اور رازِ عشق پوشیدہ

رہتا ہے - مگر جسقدر آتش عشق تیز تر ہوتی ہے - اسی قدر دل ہی عاشق کے قابو سے نکلتا جاتا ہے - اور پھر عاشق کے حرکات و سکنات تابع عقل نہیں رہتے - ظاہر ہے - کہ اس صورت میں راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا -

خواجہ حافظ صاحب بزرگان ہم مشرب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں - کہ میرا دل قابو سے باہر ہو رہا ہے برائے خدا میری مدد کرو - ورنہ افسوس کہ راز عشق جو اب تک میں نے بصد محنت پوشیدہ رکھا ہوا تھا - ظاہر ہو جائیگا - نیز دیکھو شعر ت ہے ؛

(۲) ترجمہ - زمانہ کی دہ روزہ محبت ایک افسانہ اور افسون ہے - اے دوست دوستوں کے ساتھ نیکی کرنا غنیمت جان -

افسانہ - سرگذشت - ماجرا - حکایت بے اصل مجاز - افسون - از قسم سحر

دہ روزہ - تعین اعداد سے غرض نہیں - دہ روزہ یا دو روزہ سے مراد صرف یہ ہے کہ دنیا میں انسان کا قیام بہت تھوڑا ہے - اسی طرح بہت تعداد ظاہر کرنے کیلئے ہزار یا دہ ہزار کہہ دیتے ہیں - وہاں بھی مراد ہزار یا دہ ہزار سے نہیں ہوتی -

یہ شعر اخلاق میں ہے - اور بالکل صاف ہے مطلب یہ ہے - کہ دنیا کی چند روزہ ہستی محض خواب و خیال ہے - قرآن شریف میں بھی دنیا کو لہو و لعب کہا گیا ہے - اگر کسی کے ساتھ کچھ نیکی ہو سکتی ہے تو کر اور موقعہ کو غنیمت جان - حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں -

نیکی کن ای فلان و غنیمت شمار عمر	زان پیشتر کہ بانگ بر آید فلان نماند -

(۳) ترجمہ - ہم کشتی پر بیٹھے ہیں - اے موافق ہوا چل شاید کہ ہم پھر اس یار آشنا کو دیکھیں

شُرطہ - بالضم - باد موافق و نشانی و علامت - باد موافق کو بھی شُرطہ اسی واسطے کہتے ہیں - کہ وہ جہاز کے چلنے کی اور طوفان کے دور ہونے کی نشانی ہے - میر نور اللہ نے شرح گلستان میں لکھا ہے - کہ شَرطہ ان معنوں میں بالفتح ہے -

آشنا - بمعنی شناور یعنی تیراک و شناوری یعنی تیرنا - از برہان قاطع رسالہ عبدالواسع میں بھی لکھا ہے - کہ آشنا بمعنی شناور و شناوری آیا ہے مثلاً مولانا روم نے لکھا ہے -

ع - آشنا بگذار در کشتی نوح + امیر خسرو کہتے ہیں - ع - ماہی چو بین آب آشنا - آشنا

دوسرے معنی مشہور ہیں۔
بعض نسخوں میں آشنا گانیم ہے۔ اور بعض میں شکستگانیم۔ بقول عبدالواسع اگر شکستگانیم پڑھا
جائے۔ تو لفظ آشنا سے مراد شناور لی جاویگی۔ اور اگر آشنا گانیم پڑھا جاوے۔ تو آشنا سے
دوست ہوگی۔
شعر کا مطلب صاف ہے۔ کہ ہم کشتی پر سوار ہیں۔ اور کشتی ٹوٹی ہوئی ہے۔ اے باد موافق چل اور
کشتی کو اس تیراک دوست کے پاس لیجا۔ کہ وہ ہم کو بھی بچالے۔ یا کہ ہم کشتی پر سوار ہیں۔ اے
موافق چل اور ہمیں اپنے دوست تک پہنچا دے۔
اکثر شعرائے حیات دنیا کو کشتی سے تشبیہ دی ہے۔ مولانا آزاد فرماتے ہیں۔

جہاز عمر رواں پر سوار بیٹھے ہیں ۔۔۔ سوار خاک ہیں بے اختیار بیٹھے ہیں

شیخ محمد ابراہیم ذوق نے کہا ہے۔

اس بحر فنا میں کشتی عمر رواں ۔۔۔ جس جگہ پر جا لگی وہی کنارہ ہو گیا

خواجہ حافظ نے بھی شب تاریک بیم موج والے شعر میں یہی تشبیہ استعمال کی ہے۔ اور اس
شعر میں پھر راہ عشق کو بحر فرض کر کے باد موافق سے التجا کی ہے۔ کہ وہ انہیں منزل مقصود
لے چلے۔ تاکہ انہیں وصال یار نصیب ہو۔
(۱) ترجمہ۔ حلقہ گل و مل میں کل بلبل کیا اچھا کہتی تھی۔ شراب صبوحی لاؤ اے مستو جلد آؤ۔
ب۔ بالضم۔ شراب۔ صبوح۔ بفتح میخواروں میں شراب کے نام بھی وقت وقت پر ہیں
جو شراب پی جاتی ہے۔ اسے صبوح کہتے ہیں۔ اور جو شام کو پی جائے۔ اسے غبوق۔
ری۔ بفتح و بالضم مستان۔ حلقہ گل و مل سے وہ بزم مے مراد لی جانی چاہئے
ہو۔ کیونکہ گل و مل ہر دو کا ہونا ضروری ہے۔ اور پھر بلبل کا تو دوسری جگہ موجود ہونا
مشکل ہے۔
باغ میں بزم مے لگی ہے۔ اور دور جام جاری ہے۔ صبح کا وقت ہے بلبلیں چہچہا رہی ہیں
مستوں کے نزدیک ہر شے مست ہوتی ہے۔ شعر

ست و ملا ئک مست و جاں مست ۔۔۔ [illegible]

نغمۂ شیریں سے انہوں نے یہی سمجھا - کہ شاید مناول بھی دور ساغر کی تائید کر رہی ہیں

(۵) ترجمہ - اے صاحب کرامت سلامتی کے شکرانہ میں کسی روز درویش بے نوا پر مہربانی کر

تفقد - تلافی گم شدہ پرسش - مجاز معنی دلجوئی - مہربانی و غمخواری - درویش - اصل میں در آویز ہے - گدا چونکہ بوقت سوال دروازہ پکڑتا ہے - اسلئے در آویز یا درویش ہوا - فقیران صاحب معرفت اور خدا رسیدگان گوشہ نشین کو بھی درویش کہتے ہیں -

مؤلف غیاث اللغات کی رائے ہے - کہ ان دونوں معنوں میں اس لفظ کو بالضم پڑھنے سے تمیز پڑھنا چاہئے کیونکہ ایک گدا اور ایک بزرگ خدا رسیدہ کیلئے ایک ہی لفظ نامناسب ہے - درویش معنی ثانی مرکب از در معنی معروف و ویش بجائے وش کلمۂ تشبیہ -

شکرانہ سلامت - اس کے معنی دو ہوسکتے ہیں - ایک یہ کہ "اپنی سلامتی کے شکریہ میں" یعنی خدا نے تجھے بزرگی بخشی ہے - اس کے شکریہ میں مجھ پر نوازش کر -

دوم یہ کہ "ہدیہ سلام پیش کرتا ہوں" یعنی اے صاحب کرامت تجھ پر سلام ہو - مجھ پر بھی کبھی نظر عنایت فرما -

لفظ شکرانہ میں جو کلمہ آنہ ہے - وہ کبھی بطور کلمہ لیاقت اور کبھی بطور کلمہ نسبت استعمال ہوتا ہے عموماً لفظ شکرانہ بمعنی پیشکش استعمال کیا جاتا ہے - اسلئے شکرانہ سلامت میں دو معنوں کا احتمال ہے - واللہ اعلم بالصواب شعر کا مطلب صاف ہے - زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں -

(۶) ترجمہ - دونوں جہانوں کا آرام ان دو حرفوں کی تفسیر ہے - دوستوں کے ساتھ لطف اور دشمنوں کے ساتھ مدارا

گیتی - بالکسر عالم دنیا - مدارا - دراصل مدارات ہے - کلام فارسی میں ت گرا دیتے ہیں معنی صلح و آشتی - رعایت - یہ شعر بھی اخلاق میں ہے - خلاصہ یہ ہے - کہ عاقبت و دنیا کا آرام اسی میں ہے - کہ آدمی دوستوں پر مہربان ہو - اور دشمنوں کے ساتھ بھی صلح و آشتی رکھو - اور ان کے ساتھ رعایت سے پیش آوے - تلطف اور مدارا میں اس قدر فرق ہے - کہ تلطف میں محبت ہمدردی اور امداد شامل ہے - اور مدارا میں صرف ضرر رسانی اور عداوت کی نفی کی گئی ہے - اور قدرے رعایت بھی شامل ہے -

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے فرمایا ہے کہ -

شنیدم کہ مردان راہِ خدا	دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام	کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

دشمنوں کے ساتھ جو سلوک مردانِ خدا کا ہونا چاہئے - وہ مندرجہ ذیل اشعار سے بھی واضح ہوتا ہے

اگر دشمن نسازد با تو اے دوست	ترا باید کہ با دشمن بسازی
وگر بے تجے دمبدم مخروش و مخراش	توکل کن بہ لطف بے نیازی
وگرنہ چند روزے صبر فرما	نہ او ماند نہ تو نے فخر رازی

(ترجمہ) ... نیکنامی کے کوچہ میں ... نہ گذرنے دیا - اگر تجھے پسند نہیں ... [illegible]

ندادند - کا فاعل عاملان قضا و قدر ہے - تغییر بروزن تشریف از باب تفعیل - بدل دینا -
عام گفتگو میں تغیر از باب تفعل استعمال ہوتا ہے - (تاج المصادر بیہقی) تغیر - بدل جانا -
شعر کا مطلب تو صاف ہے - خواجہ صاحب فرماتے ہیں - کہ مجھ کو عاملان قضا و قدر نے نیکنامی کے کوچہ سے گزرنے کی اجازت ہی نہیں دی یعنی میری قسمت میں ہی بدنامی لکھی ہے تو پھر میرا کیا اختیار ہے - البتہ اگر تجھ کو یہ بات پسند نہیں - تو میری قسمت کو تبدیل کر دے - ظاہر ہے کہ مخاطب کو خواجہ صاحب کی قسمت میں تغییر کرنے کی طاقت نہیں صرف اپنی مجبوری کی تصدیق کرائی ہے - کہ میں اگر مجبور ہوں - تو تو بھی اگر کچھ کر سکتا ہے - تو کر -

مسئلہ جبر و قدر اس شعر میں خواجہ صاحب نے مسئلہ جبر و اختیار کی بحث چھیڑی ہے - اور خود کو مجبور خیال کیا ہے - چونکہ یہ ایک ضروری مسئلہ ہے - اور اسی شعر میں نہیں - بلکہ خواجہ صاحب کے کلام میں سینکڑوں جگہ اور دیگر شعرائے ایران و ہند کی تصنیفات میں ہزاروں جگہ اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے - لہذا ضروری معلوم ہوتا ہے - کہ جبر و اختیار کے متعلق مجملاً یہاں کچھ بیان کر دیا جائے -

یہ مسئلہ ایسا ادق اور پیچیدہ ہے - کہ اس پر قطعی رائے ابھی تک کوئی قائم نہیں ہوئی جبری اور اختیاری ہر دو فریق کے پاس ایسے ایسے دلائل موجود ہیں - جن کا دوسرے کے پاس جواب نہیں پیشتر اس کے کہ اس مسئلہ کے متعلق مختلف فلاسفروں کے اقوال بیان کئے جاویں - مناسب معلوم ہوتا ہے - کہ قوتِ ارادی اور قوتِ فیصلہ کے متعلق محققانِ فرنگ

جس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ اس کا ذکر کیا جاوے۔

پروفیسر سٹوٹ لکھتا ہے کہ جب انسان کو کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا خیال دل میں پیدا ہوتا ہے۔ تو پہلے اس کے دماغ میں ایک موازنہ کی کیفیت ہوتی ہے۔ خیال میں دو بالمقابل طریق عمل موجود ہوتے ہیں۔ اور ترازو کی طرح دل کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف مائل ہوتا ہے۔ آخر کار دماغ ایک طریق عمل پر پابند ہونے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ فرقہ اختیاری کی رائے ہے۔ کہ جب دماغی موازنہ جاری ہوتا ہے۔ آدمی کے دل میں ایک نیا خیال یک لخت آکر دل کو ایک طرف یا دوسری طرف مائل کر دیتا ہے اور یہ نیا خیال حالت موازنہ میں موجود نہیں ہوتا۔ اور نہ اس آدمی کی خلقت میں موجود ہوجاتا ہے۔ اور نہ ہی اس آدمی کی گذشتہ زندگی اور نہ اس کی اجداد کی زندگی کے حالات کا اس نئے خیال سے کچھ تعلق ہوتا ہے۔ گویا یہ نیا خیال بالکل ہی ایک نئی چیز ہوتی ہے۔ جو عین اُس وقت آموجود ہوتی ہے۔ برخلاف اسکے فرقہ جبریہ کی رائے ہے۔ کہ یہ فیصلہ کن خیال جو دماغی ترازو کے ایک طرف کو آکر بھاری کر دیتا ہے۔ وہ نیا نہیں ہوتا۔ بلکہ عمل موازنہ میں جو کوائف موجود ہوتے ہیں۔ ان کا قدرتی نتیجہ ہوتا ہے۔ اب یہ امر تو مسلمہ ہے۔ کہ جب انسانی دماغ اس حالت موازنہ سے حالت فیصلہ کی طرف انتقال کرتا ہے۔ تو یہ تبدیلی ایسی نامعلوم اور یک لخت ہوتی ہے۔ کہ فریقین کی رائے کی تائید یا تردید کرنی مشکل ہوجاتی ہے۔ مگر چونکہ فرقہ اختیاری ایک نئے اور بالکل ہی نئے خیال کے پیدا ہوجانے کے حامی ہیں اس لئے بار ثبوت ان پر ہے۔ کہ وہ اپنے بیان کی تائید میں ثبوت پیش کریں۔ ہم ان کے بیان کی مکمل تردید تو بیشک نہیں کر سکتے۔ مگر ان کے بیان کو صحیح ماننے پر بھی ہم مجبور نہیں۔

حالت موازنہ کو جیسا پہلے کہا گیا ہے۔ کہ ترازو سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ جس میں وزن کیا جا رہا ہو اور کبھی ایک پلڑا اور کبھی دوسرا پلڑا بیٹھتا ہو۔ جوں جوں یہ عمل موازنہ مکمل ہوتا جاتا ہے۔ پلڑوں کا اٹھنا بیٹھنا کم ہوتا جاتا ہے۔ اور آخر کار نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ترازو کے پلڑے ایک خاص صورت اختیار کرتے ہیں۔ یعنی ایک طرف صاف طور سے جھک جاتی ہے اور اس حالت میں دماغ جس طریق عمل پر مائل ہوجاتا ہے۔ اس پر کاربند ہونے کا مصمم

فیصلہ اختیار کر لیتا ہے۔ مگر یہ ایک سادہ خیال ہے۔ اس سے زیادہ پیچیدہ صورتیں بھی واقع ہو جاتی ہیں۔ مثلاً دماغ دو مختلف طریق عمل کے درمیان موازنہ کر رہا ہے۔ اور کوئی فیصلہ نہیں ہوتا۔ دونوں پلڑے علی الترتیب اُٹھتے اور جھکتے جاتے ہیں۔ اور کوئی خاص مستقل صورت اختیار کرتے ہی نہیں۔ ایسی صورت میں فرقہ اختیاریہ کی رائے کے مطابق ضروری ہے۔ کہ کوئی نیا خیال اس مشکل کو حل کرنے کے لئے آموجود ہو اور ترازو کے ایک پلڑے میں آکر اُسے یقیناً اور مستقل طور سے جھکا دے۔ تاکہ دماغ صورت فیصلہ اختیار کرے۔ اس پیچیدہ صورت کو فرقہ جبریہ یوں حل کرتا ہے۔ کہ جب صورت موازنہ جاری ہوتی ہے۔ اور کوئی فیصلہ ہوتا نظر نہیں آتا۔ دل کبھی ایک فعل کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور کبھی دوسرے کی طرف۔ اور یہ کشمکش جاری ہوتی ہے۔ اس وقت فیصلہ کرانے والی دو صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اوّل یہ کہ انسان کو اس موازنہ کی حالت میں اگر وہ بہت دیر تک رہے۔ نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ صورت تکلیف دہ ہے۔ دوّم یہ کہ دنیا کے واقعات آدمی کو مجبور کرتے ہیں۔ کہ وہ کچھ نہ کچھ فیصلہ ضرور کرے۔ اور کسی نہ کسی طریق عمل کو ضروری عملی جامہ پہنائے۔ اور جب یہ صورت ہو جاتی ہے کہ دماغ موازنہ سے تنگ آگیا ہے۔ اور کوئی فیصلہ نہیں ہوتا۔ تو دماغ یکطرفہ ایسی لاپروائی سے مائل ہو جاتا ہے۔ جیسے ہم سگریٹ بکس میں سے ایک سگریٹ اٹھا لیتے ہیں۔ اور یہ پروا نہیں ہوتی۔ کہ کونسا اٹھائیں۔ آدمی بھی ایسی صورتوں میں دو مختلف طریقوں سے ایک کو ایسی ہی بے پروائی سے اختیار کر لیتا ہے۔

جب دماغ فیصلہ کر لیتا ہے۔ کہ کونسا کام کرنا ہے۔ تو پھر وہ خیال اس کے دل میں رفتہ رفتہ محکم ہوتا جاتا ہے۔ اور بعض آدمی ایسے ضدی پیدا ہوتے ہیں۔ کہ وہ اس خیال سے ہرگز نہیں ٹلتے۔ اور بعض آدمی ایسے کمزور بھی پیدا ہوتے ہیں۔ کہ جن کا فیصلہ کچھ وقعت نہیں رکھتا۔ نہ ان کو خود اپنی قوتِ فیصلہ پر اعتبار رہے۔ اور نہ لوگوں کو۔

اسی بحث میں حکمائے فرنگ نے ان افعال کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو انسان سے بے اختیار اور بے قصد سرزد ہو جاتے ہیں۔ اور ان تصورات کا بیان بھی کیا ہے۔ جو خود بخود انسان کی دماغ میں محکم ہو جاتے ہیں۔ انسانی وجود کے اندر بعض ایسی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جن

کا نتیجہ آدمی کی قوت ارادی کے ماتحت نہیں ہوتا ۔ نیز بیک خاص مشتعل یا ارادہ کے برخلاف بھی انسان سے بعض فعل سرزد ہو جاتے ہیں ۔ فرض کرو کہ ایک فوج نے ایک پہاڑی کی چوٹی پر اندھیری رات میں ایک قلعہ کو سر کرنے کا ارادہ کیا ہے ۔ خاموشی اس فتح کے لئے لازمی ہے ۔ کھانسنا یا چھینکنا اس تمام مہم کی بربادی کا موجب ہوگا ۔ اب ایک سپاہی کے ناک کے اندر سخت کھجلی میں بہت زور سے چھینک پیدا ہوتی ہے ۔ وہ اپنے ارادہ کو اور محکم کرتا ہے ۔ اور ہر ذریعہ سے چھینک کو روکتا ہے ۔ مگر وہ نہیں رکتی ۔ گویا جسم کے اندرونی عمل نے اس کی قوت ارادہ کو مغلوب کر لیا ہے ۔

اور کئی ایسی مثالیں ہیں ۔ جہاں قوت ارادہ ایک طرز عمل کو چاہتی ہے ۔ مگر انسانی وجود اور دماغ کے بعض عارضی کوائف اس وقت ایسے پیدا ہو جاتے ہیں ۔ جو ایک تصور محکم دماغ میں قائم کر دیتے ہیں ۔ یہ تصور گرچہ عارضی ہوتا ہے اور عارضی خیالات کا نتیجہ ہوتا ہے ۔ مگر اسقدر محکم ہوتا ہے ۔ کہ قوت ارادہ پر عارضی طور سے غالب آجاتا ہے ۔ مثلاً ایک آدمی ایک نہایت بلند مینار پر چڑھتا ہے ۔ اور اس کے دل میں معاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے ۔ کہ اگر آدمی یہاں سے گرے تو کیا نظارہ ہو ۔ ہر چند اس کی قوت ارادی اس کے خلاف ہے ۔ اور وہ فیصلہ کرتا ہے ۔ کہ گرنا مہلک ہے ۔ اور میں کبھی نہ گرونگا ۔ مگر وہ تصور محکم جس کا پہلے ذکر کیا ہے ۔ وہ ایسا دلکش اور محکم ہے ۔ کہ وہ غالب آجاتا ہے ۔ اور بعض ایسے واقعات ظہور پذیر ہو چکے ہیں ۔ کہ آدمی نہایت بلند میناروں سے باوجود قوت ارادہ اور فیصلہ کے برخلاف ہونے کے محض اپنی تصورات محکمہ سے مغلوب ہو کر گر پڑے ہیں ۔

پروفیسر ریبٹ نے ایک آدمی کی مثال لکھی ہے ۔ جس کے دل میں اپنی ماں کو قتل کرنے کا تصور محکم پیدا ہو گیا ۔ اس نے ماں کو کہا ۔ کہ میں تیرا نہایت ممنون ہوں ۔ میں تہ دل سے تجھ سے محبت کرتا ہوں ۔ مگر کچھ عرصہ سے میرے دل میں یہ تصور جاگزین ہو گیا ہے ۔ کہ میں تجھے مار دوں اس تصور محکمہ سے تنگ آکر وہ گھر بار چھوڑ کر چلا جاتا ہے ۔ اور فوج میں نوکری کر لیتا ہے ۔ وہاں جا کر یہ تصور محکمہ بدل جاتا ہے ۔ اور اپنی سالی کو مارنے کا خیال ہو جاتا ہے ۔ کچھ مدت کے بعد کسی نے اسے کہا ۔ کہ تیری سالی فوت ہو چکی ہے ۔ اس لئے وہ اپنے گھر واپس آتا

ہے۔ مگر وہاں جاکر یہ دیکھتا ہے۔ کہ اسکی بھائی زندہ موجود ہے۔ اس کو اس واقعہ نے بہت سخت رنج ہوتا ہے۔ اپنے بھائی کو کہتا ہے۔ کہ مجھہ کو مضبوط رسی سے باندھکر ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔ کہ مجھے پاگل خانہ میں داخل کرے۔

پاگل خانہ کے ڈاکٹر کو جو چھٹی اس نے لکھی۔ اس کا ترجمہ یہ ہے " میں آپکے ماتحت آرہا ہوں۔ میں وہاں ایسا رہونگا۔ جیسے کہ میں اپنی ہاؤس میں رہتا تھا۔ آپ خیال کرینگے کہ میں اچھا ہوگیا ہوں۔ مگر آپ کبھی یقین نہ کریں۔ اور مجھے کبھی باہر نہ نکلنے دیں۔ میری آزادی کا یہ نتیجہ ہوگا۔ کہ میں ایک جرم کا ارتکاب کرونگا۔ جس سے مجھے خود نفرت ہے"۔

تصورات محکمہ جو جسمانی حالات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ وہ دماغی صحت کی صورت میں بھی واقعہ ہوجاتے ہیں۔

انسانی خیالات کی رو اس کی قوت ارادہ کی پورے طور پر مطیع نہیں ہے۔ مثلاً ہر ایک آدمی چاہتا ہے۔ کہ اسے دنیا کے افکار مضمحل نہ کریں۔ اور وہ ان کی طرف بالکل متوجہ ہی نہ ہو۔ وہ اس کا پختہ ارادہ بھی کرتا ہے۔ مگر تمام دنیا میں کسی آدمی کا دماغ ایسا زبردست طاقتور نہیں کہ وہ اس ارادہ میں کامیاب ہوسکے۔

حکمائے فرنگ نے اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ آزادی ارادہ یعنی اختیار فعل کامل طور سے کبھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور یہ بھی کہا ہے۔ کہ یہ بحث ایسی پیچیدہ ہے۔ کہ جسقدر ہم اس میں غور کرتے ہیں۔ یہ ایک معمائی چلی جاتی ہے۔

چنانچہ بعض حکمائے فرنگ نے جب وہ کسی قطعی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے۔ تو یہ کہہ دیا۔ کہ انسان کو اپنے فعل میں اسقدر اختیار ہے کہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا نے اپنے اختیار میں کچھہ رکھا ہی نہیں۔ اور خدا کو انسانی افعال پر اسقدر اختیار ہے۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس نے انسان کے ہاتھہ میں مطلق کوئی اختیار دیا ہی نہیں"۔

بظاہر یہ اجتماع ضدین ہے۔ مگر اس سے بہتر فیصلہ ہی اب تک حکیموں نے نہیں کیا۔

ہم اب حکمائے اسلام کے بعض آرائے کا اقتباس درج کرتے ہیں۔ یہاں فرقہ جبریہ کی طرف سے اول یہ دلیل بھی پیش ہوتی ہے۔ کہ خداوند کریم کو جو عالم الغیب ہے۔ ماضی حال

اور مستقبل کا علم ہے - اور وہ علم صحیح ہے پس جب یہ صورت ہے - تو جو کام کل مجھ کو کرنا ہے - وہ خداوند تعالیٰ کو آج معلوم ہے - چونکہ اس کا علم صحیح ہے - اس لئے ضروری ہے - کہ میں کل ضرور وہ کام کرونگا - کوئی طریقہ نہیں - کہ وہ کام مجھ سے سرزد نہ ہو سکے - کوئی تدبیر کوئی تجویز کارگر نہیں ہو سکتی - اسلئے انسان کا اختیار کہاں ہے -

دوسرا فریق کہتا ہے - کہ لیس للانسان الا ما سعی - خدا کا فرمان ہے اور وہ سب کچھ انسان کی سعی پر چھوڑتا ہے - دوسری جگہ آیا ہے - اللہ لا یغیر بالقوم حتی یغیروا ما بانفسہم - اس کا جواب بھی کوئی فرقہ جبریہ کے پاس نہیں - پھر فرمایا ہے - کہ ذالک بان اللہ لم یکن مغیراً نعمۃ انعمہا علی قوم حتی یغیروا ما بانفسہم (الانفال)

ادھر پھر قرآن شریف میں یہ بھی لکھا ہے - کہ انسان کچھ ارادہ نہیں کر سکتا - جب تک ہم ارادہ نہ کریں - وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العالمین (سیپارہ ۲۹ ع ۲۰) اور ساتھ ہی یہ بھی آیا ہے کہ واللہ خلقکم وما تعملون - (سیپارہ ۲۳ ع ۷) کہ خدا تمہارا اور تمہارے افعال کا خالق ہے -

اس تمام بحث کا یہی نتیجہ معلوم ہوتا ہے - کہ آدمی ایک حد تک مختار ہے - اور اس سے آگے مجبور پروفیسر ہوھز نے کہا ہے کہ آدمی اس قطرۂ آب کی مانند ہے - جو ایک بند شیشہ کی گولی کے اندر ہو - اُس خلا کے اندر وہ ادھر اُدھر حرکت کر سکتا ہے - مگر زیادہ نہیں - گویا وہ ایک خاص حد کے اندر مختار ہے - اور پھر مجبور -

اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے - اس سے مراد صرف اتنی ہے - کہ بطور اجمال فریقین کی رائے اور ان کی تائیدی دلائل یکجا کر دیئے جائیں - تاکہ ناظرین خود بخود اپنی اپنی رائے قائم کریں - ورنہ اس سوال پر قطعی رائے تو راقم الحروف کی بساط سے باہر ہے -

خواجہ حافظ بھی اور شعرا کی طرح جبری خیالات کے ہیں - البتہ اتنا کہہ دیا ہے - کہ

گناہ اگرچہ نبود اختیار ما حافظ	تو در طریق ادب کوش گو گناہ من است

اور یہ اصول شریعت کے بہ موافق ہے اور جملہ حکمائے اسلام کی رائے کا لب لباب بھی یہی ہے -

حاصل کلام یہ ہے - کہ انسان مجبور بھی ہے اور مختار بھی ہے - ارادہ میں مجبور ہے اور فعل

ہیں مختار - الانسان مختار فی فعلہ و مجبور فی اختیارہ -

یہ بھی تھی اک طرح کی بے خبری
دے کے یہ اختیار تھوڑا سا
جب کہ دل ہی نہیں ہے قابو کا

ورنہ یہ ہیں ہوں حقیقتاً جبری
کیا یہ اٹکا دیا ہے روڑا سا
لگے اس اختیار کو بو کا

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ بھی یہی ہے - لاجبر ولا قدر ولکن امر بین الامرین - یعنی نہ جبر ہے - نہ قدر ہے - بلکہ بین بین ہے -

(۹) ترجمہ - جام جم آئینہ سکندر ہے - دیکھتا تجھ پر ملک دارا کا حال روشن کرے -

آئینہ سکندر - جام جم - یا جام جمشید اور جام جہاں نما - یا جام جہاں بین یا جام کیخسرو - ان تینوں کا مختصر حال یہاں لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے - کیونکہ بعض شارحین عموماً اور عوام الناس خصوصاً - ایک کو دوسرے کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں - اور ان تینوں میں جو فرق ہے - اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں -

آئینہ سکندر - سکندر اعظم نے جب شہر اسکندریہ کی بنیاد ڈالی - تو اہل فرنگ کے منصوبوں سے آگہی حاصل کرنے کے لئے - اس نے ایک مینار بنوایا - اور حکمت اور طلسم کے ذریعہ سے ایک شیشہ تیار کروا کر اس پر نصب کیا - اس پر ایک آدمی مقرر کیا - جو لشکر فرنگ کی تیاریاں اس شیشہ سے دیکھ کر فوراً سکندر کو بتاتا تھا - دو دفعہ لشکر فرنگ کو اس طرح زک ہوئی تیسری دفعہ اس آدمی کی غفلت سے اہل فرنگ کی تیاری کا علم سکندر کو نہ ہو سکا - اور اہل فرنگ نے شہر اسکندریہ کو تباہ کر ڈالا - اور اس آئینہ کو دریا میں پھینک دیا - پھر سکندر نے دوبارہ اس کو دریا سے نکلوا کر مینار پر نصب کرایا - اور پھر کبھی اہل فرنگ سے زک نہ اٹھائی - تاریخ بہجۃ العالم میں لکھا ہے - کہ استنبول تک جو کچھ ہوتا تھا - اس آئینہ میں نظر آ جاتا تھا -

جام جم - یا جام جمشید - جام کو جمشید سے یہ نسبت ہے - کہ جمشید نے جام بنایا - مراد ساغر سے لی جاتی ہے -

جام جہاں نما - یا جام جہاں بین یا جام کیخسرو - کیخسرو نے ایک جام بنایا تھا جس پر خطوط ہندسی تھے - ان خطوط اور دوائر اصطرلاب سے وہ ستاروں کا حال معلوم کرتا تھا - اور

حوادث روزگار سے آگاہی حاصل کرتا تھا۔

شعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ جام جم یعنی ساغر مے ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ آئینہ سکندر کی طرح تو ملک دارا کے احوال معلوم کر سکتا ہے۔ گویا جام جم کیا ہے۔ آئینہ سکندر ہے جس کے ذریعے سے تو ملک دارا کی اصلیت معلوم کر سکتا ہے۔ یعنی شراب ہی انسان پر دارِ دنیا کی ناپائیداری اور اس عجوزہ کی غداری ظاہر کرتی ہے۔

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ "آئینہ سکندر مبتدا و جام جم خبر است نہ بالعکس۔ چراکہ احوال ملک عیان کردن مخصوص جام جم است"۔ یہ میری ناقص رائے میں بالکل غلط ہے حقیقت یہ ہے۔ کہ جام جام مبتدا ہے۔ اور آئینہ سکندر خبر۔ کیونکہ احوالِ ملک ظاہر کرنا مخصوص بآئینہ سکندر ہے۔ یا مخصوص بجام جہاں نما ہے۔ مخصوص بہ جام جم نہیں۔

(۹) ترجمہ۔ سرکش نہ ہو کہ شمع کی طرح تجھ کو غیرت سے جلا دیگا۔ وہ دلبر جس کے ہاتھ میں سنگ خارا بھی موم ہے خارا سنگ سخت۔ شمع بمعنی موم۔ مجازاً وہ چیز جو موم سے بنا کر روشن کی جائے۔ دوسرا مصرعہ فاعل ہے۔ سوز دکا۔ بغیرت میں ت سوز دکا مفعول ہے۔ یہ شعر بھی اخلاق میں ہے۔ اور ہر ایک شخص کو اس کا مخاطب کیا جا سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ تو سرکشی نہ کر یعنی مغرور نہ ہو۔ ورنہ وہ دلبر کہ جس کے ہاتھ میں سخت پتھر بھی موم ہو جاتا ہے غیرت میں آکر تجھے شمع کی طرح جلا دیگا۔ ظاہر ہے۔ کہ شمع سرکش ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا سر اٹھا ہوا ہوتا ہے۔ اور وہ جلتی ہے۔ چونکہ کبر صرف ذات کبریا کو موزوں ہے۔ اور اسی سے مخصوص ہے۔ اس لئے اگر کوئی دوسرا شخص کبر ظاہر کرے۔ تو قدرتاً غیرت اس کی تاب نہیں لا سکتی۔

(۱۰) ترجمہ۔ اگر یاروں کا مطرب یہ فارسی گائے۔ پیران پارسا کو حالت رقص میں لائے گا۔

حریفا۔ از حرفت۔ حرفہ بمعنی ہم پیشہ و ہم کار۔ یہ لفظ دوست دشمن ہر دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے۔ کہ ہم پیشہ لوگ گرچہ ایک دوسرے کے بوجہ حسد دشمن ہوتے ہیں۔ مگر دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں وہ باہم دوست ہوتے ہیں۔ حریفاں یعنی ہم شہران۔ مطرب حریفان یعنی مطرب یاران۔

بعض نسخوں میں پہلا مصرعہ اس طرح لکھا ہے مگر مطرب حریفاں این تحفہ خوش سرائد۔ شفلیے ایکہ

ہی ہے - این پارسی سے مراد یہ غزل ہے - چونکہ غزل تصوف میں ہے - اس لئے اس کو سن کر پیران پارسا کا وجد میں آجانا غیر اغلب نہیں - لطف پارسی و پارسا ظاہر -

(۱۱) ترجمہ - وہ تلخوش جسکو صوفی نے ام الخبائث کہا - ہمارے نزدیک باکرہ کے بوسہ سے مرغوب تر اور لذیذ تر ہے -

تلخوش - شراب چونکہ تلخ ہوتی ہے - اس واسطے شراب کو تلخوش کہا ہے -

قبلہ - بالضم بوسہ - عذارا - جمع عذرا بالفتح - دختر دوشیزہ و زن بکر -

حضرت رسول کریم صلعم نے شراب کو ام الخبائث کہا ہے - یعنی تمام خباثتوں کی ماں شراب ہے - اور یہ بالکل درست ہے - اس شعر میں چونکہ قول رسول صلعم کیطرف صریح اشارہ کرکے اپنی بیباکی ظاہر کیگئی ہے اسلئے اکثر دلوں میں یہ شعر یک گونہ نفرت پیدا کرتا ہے - راجہ جہانداد خان صاحب مرحوم چیف آف گکھڑز جو ایک علم دوست بزرگ تھے - لکھتے ہیں - کہ میرے دل میں ہمیشہ اس شعر کا وسوسہ رہتا تھا - اور یہ مشکل کسی طرح حل نہیں ہوتی تھی - ایک رات میں اسی خیال میں سو گیا - خواب میں ایک بزرگ مجھے نظر آئے - جو بدریافت معلوم ہوا حضرت خواجہ حافظ ہیں - انہوں نے مجھے کہا - کہ تجھے اس شعر پر اعتراض بجا ہے - مگر اس کا مطلب یہ نہیں - جو تو سمجھتا ہے - حقیقت حال یہ ہے - کہ میرے زمانے میں بعض بزرگ - جو درس تدریس کا کام کرتے تھے - اور بظاہر بڑے متقی اور پرہیزگار تھے - ان کا قاعدہ تھا - کہ نورسیدہ خوبصورت لڑکیاں جو ان کے پاس پڑھا کرتی تھیں کبھی کبھی موقعہ پاکر وہ اُن پر دست درازی فرمایا کرتے تھے - اور بوس و کنار تک نوبت پہنچتی تھی - میرا اس شعر کے کہنے سے یہ مدعا تھا - کہ ان دو گناہوں کا مقابلہ کروں - اور میری رائے ہے - کہ شراب پینا اتنا برا نہیں جتنا ان بزرگوں کا فعل - میری غرض صرف یہ ہے - کہ شراب بدرجہا اس فعل سے اچھی ہے -

مولف اس واقعہ کی صحت کا ذمہ وار نہیں - البتہ شعر کی تشریح قابل قدر اور قابل داد ہے -

اس میں شک نہیں - کہ شراب پینے سے شراب پینے والے کی اپنی ذات پر اثر پڑتا ہے - اور اس دوسرے فعل سے غیروں کی ذات پر بھی برا اثر پیدا ہوتا ہے - چنانچہ ہزارہا ایسے فعل ہیں جو شراب سے زیادہ قبیح اور زیادہ مضر ہیں - مگر عوام الناس میں ان کو اتنا برا نہیں سمجھا جاتا - جتنا شراب کو -

[illegible]	صد کا [illegible] کہ سمجھے [illegible] ست [illegible]		تو [illegible] [illegible]

[illegible]

اس شعر میں خواجہ صاحب نے ایام تنگدستی کے بسر کرنے کی یہ تجویز بتائی ہے - کہ آدمی بجائے افکار و آلام میں مبتلا ہونے کے یہ کوشش کرے - کہ خیال کو بالکل دور ہٹا دے اور عیش و مستی کی کوشش کرے - عرفی نے بھی کہا ہے -

ع حدی را تیز تر [illegible] چو محمل را گران بینی

مرزا عبد القادر بیدل فرماتے ہیں -

[illegible]	[illegible]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تنگدستی کا جو علاج تجویز فرمایا ہے - وہ یہ ہے -

اذا [illegible] [illegible] [illegible]	[illegible] [illegible] الفقر والغلی

[illegible]

خوبان پارسی گو چونکہ بخشندگان عمر کہا ہے - اس لئے اس کی بشارت بھی پیران عمر خوردہ کو ہی چاہئیے پارسا کے معنی مشہور ہیں - مگر رسالہ عبد الواسع میں لکھا ہے - کہ یہاں لفظ پارسا بمعنی پارس آیا ہے - اور الف زائد ہے - خوبان پارسی اور پیران پارسا کی لطافت ربط بھی اس صورت میں زیادہ ہے - نیز اسی غزل میں پہلے ہی پیران پارسا آچکا ہے - اب ان ہی معنوں میں پھر پیران پارسا کا لانا تکرار قافیہ ہے - جو معیوب ہے -

بعض نکتہ شناسوں نے خوبان فارسی سے مراد خدا لی ہے - اور کہا ہے - کہ اس شعر میں اشارہ اس روایت کی طرف ہے - کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے میکائیل سے پوچھا کہ خداوند تعالیٰ نے کبھی بزبان فارسی بھی کچھ کہا ہے - جواب دیا کہ ہاں کہا ہے - "کہ چوں کنم با این مشت ستمگار جز آنکہ بیامرزم" خدا جانے اس شعر سے اس روایت کی طرف کس طرح اشارہ ہو سکتا ہے - اور اس اشارہ میں کیا لطافت ہے -

(۱۴) ترجمہ - حافظ نے خود بخود یہ خرقہ [illegible] پہنا ہے [illegible] [illegible] [illegible] کہا [illegible]
اس [illegible] [illegible] [illegible] کی طرف اشارہ ہے جس کی مجمل کیفیت پہلے غزل [illegible] کے شعر (۱) میں بیان ہو چکی ہے
خرقہ [illegible] [illegible] اور [illegible] کی لطافت ظاہر ہے -

غزل (۴)

ساقی بنور بادہ برافروز جام ما	۱	مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما
ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم	۲	اے بیخبر ز لذت شرب مدام ما
چنداں بود کرشمہ و ناز سہی قداں	۳	کاید بجلوہ سرو صنوبر خرام ما
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق	۴	ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما
مستی بچشم شاہد دلبند ما خوش است	۵	زاں رو سپردہ اند بمستی زمام ما
ترسم کہ صرفہ نبرد روز بازخواست	۶	نان حلال شیخ ز آب حرام ما
اے باد اگر بگلشن احباب بگذری	۷	زنہار عرضہ دہ بر جاناں پیام ما
گو نام ما زیاد بعمداً چہ میبری	۸	خود آید آنکہ یاد نیاری ز نام ما
بگرفت ہمچو لالہ دلم در ہوائے سرو	۹	اے مرغ بخت کے شوی آخر تو رام ما
دریائے اخضر فلک و کشتی ہلال	۱۰	ہستند غرق نعمت حاجی قوام ما

(۱۱) حافظ ز دیدہ دانہ اشکی ہمے فشاں
باشد کہ مرغ وصل کند قصد دام ما (۱۱)

(۱) ترجمہ — اے ساقی شراب کے نور سے ہمارے پیالہ کو روشن کرے۔ مطرب کہو کہ جہان کا کام ہمارے حسب مراد ہے۔

شعر کا مطلب بالکل صاف ہے۔ ساقی سے جام مے کی درخواست اور مطرب کو ہدایت ہے۔ کہ نغمہ ہائے کامرانی شروع کرے تاکہ بزم طرب بالکل مکمل ہو جائے۔ نور بادہ سے اگر نور معرفت لی جاوے۔ تو جام کو جسم سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ بگو از گفتن گانا۔

(۲) ترجمہ — ہم نے پیالہ میں رخ یار کا عکس دیکھا ہے۔ اے ہمارے شرب مدام کی لذت سے ناآشنا۔

شرب مدام سے مراد دن رات کی بیخودی ہے۔ یعنی وہ نشہ جو کبھی نہ اترے۔ یا ہر وقت [illegible]

پیتے رہنا۔ خواجہ صاحب ناصح کو جواب دیتے ہیں کہ تو ہمارے شرب مدام کی لذت سے ناآشنا ہے۔ ع۔ ارے کم بخت تو نے پی ہی نہیں۔ اس لئے معترض ہے۔ ہم نے جام مے میں معشوق کا جلوہ دیکھا ہے۔ اس لئے ہروقت مست رہتے ہیں۔ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ کہ شراب پردۂ خودی کو عاشق و معشوق کے درمیان سے اٹھا دیتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عاشق رخ یار کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔

(۲۳) ترجمہ۔ سہی قدوں کا ناز و کرشمہ اسی وقت تک ہے۔ جب کہ ہمارا سرو صنوبر خرام جلوہ افروز نہ ہو۔

کرشمہ۔ بکسرتین۔ اشارت چشم و ابرو۔ سہی قداں۔ سہی بالفتح بمعنی راست۔ یہ لفظ صرف سرو کی صفت ہو کر آتا ہے۔ یا بمناسبت سرو سہی۔ قد اور سہی قامت بھی کہتے ہیں مگر لفظ سہی تنہا بمعنی راست کبھی استعمال نہیں ہوتا۔

صنوبر۔ درخت چلغوزہ چیل۔ یہ درخت دراز قد اور سہی قامت ہے۔ اور خاصکر جب ہوا چلتی ہے۔ تو اس کا جھومنا نہایت خوشنما نظارہ ہوتا ہے۔ صنوبر خرام صفت اور سرو موصوف ہے۔ ہمارا خوش خرام اور سہی قد معشوق۔

شعر چنداں تشریح طلب نہیں۔ خواجہ صاحب نے کہا ہے۔ کہ معشوقان سہی قامت کا ناز و انداز اسی وقت تک ہے۔ جب تک ہمارا خوش خرام اور سرو قد معشوق جلوہ افروز نہیں ہوتا۔ یہ مقابلہ معشوقان مجازی اور معشوق حقیقی کے درمیان ہے۔ یا معشوقان مجازی میں سے خواجہ صاحب کے معشوق اور معشوقوں کے درمیان اس امر کی تصریح کی ضرورت نہیں۔ ناظرین خود رائے قائم کر لیں مندرجہ ذیل شعر بھی اسی قبیل سے ہے۔

چو سلطان عزت علم بر کشد　　　جہاں سر بجیب عدم در کشد۔

حضور سرور کائنات صلعم کا پہلے نبیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔

رات محفل میں ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا　　　صبح کو خورشید جب نکلا تو مطلع صاف تھا

مولوی سید محمد صادق علی لکھنوی لکھتے ہیں۔ کہ روایت ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ ما ہذا العشق الذی یجری بین الناس فی العالمین و یقولون عشق فلان و فلانا ؟

حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ ہوالا قوم غفلوا عن اللہ عزوجل فعدہم با لخلوقین۔

(۴) ترجمہ۔ جس آدمی کا دل عشق سے زندہ ہوا وہ کبھی نہیں مرتا۔ جریدۂ عالم پر ہمارا دوام لکھا ہے

جریدہ عالم۔ جریدہ بمعنی تنہا و شاخ درخت بے برگ و دفتر۔ جریدہ عالم بمعنی تاریخ عالم۔

مطلب یہ کہ جس آدمی کا دل عشق الٰہی میں زندہ ہو گیا۔ وہ کبھی نہیں مرتا۔ اور تاریخ عالم میں اس کا

نام ہمیشہ کیلئے باقی رہتا ہے۔ گویا فنا فی اللہ ہونے سے بقا باللہ اسکو بھی نصیب ہو جاتا ہے

کشتگان خنجر تسلیم را	ہر زمان از عشق جانے دیگر است

تیجا سبب رسالت نصیب کا قول ہے۔ کہ ان اولیاء اللہ لا یموتون بل ینقلون من دار الی دار۔

یعنی عاشقان الٰہ مرتے نہیں۔ صرف نقل مقام کرتے ہیں۔

اسی مضمون پر امیر مینائی نے کہا ہے۔ کہ

فنا کیسی بقا کیسی جب اس کے آشنا ٹھیرے	کبھی اس گھر میں آ ٹھیرے کبھی اس گھر میں جا ٹھیرے

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربهم

یرزقون۔ شہدا کے دل ہی عشق الٰہی میں زندہ ہوتے ہیں۔ اسلئے قرآن مجید میں شہیدوں کی نسبت

لکھا ہے۔ کہ وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ اس شعر میں اگر جریدہ عالم سے مراد قرآن شریف لیجاوے

تو دوسرے مصرعہ کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ ہمارے دعوٰی کی دلیل کلام الٰہی میں ہی موجود ہے۔

قرآن شریف چونکہ تمام دنیا کی ہدائت کیلئے نازل کیا گیا ہے۔ اس رعائت سے اسے کتاب عالم

یا جریدہ عالم کہنا بیجا نہ ہوگا۔

(۵) ترجمہ۔ ہمارے دلربا معشوق کی آنکھ میں مستی اچھی ہے۔ اسواسطے ہماری عنان مستی کے ہاتھ میں دی ہے

اس شعر کا مطلب قریب قریب وہی ہے۔ جو غزل نمبر (۲) کے شعر نمبر (۱) میں بیان کیا گیا ہے۔ خواجہ صاحب

کہتے ہیں۔ کہ چونکہ ہمارے محبوب کی مست آنکھوں میں مستی نہایت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ (یا اس کی

نظروں میں مستی اچھی ہے۔ یعنی اسے مستی پسند ہے) اسلئے عاملانِ قضا و قدر نے ہماری عنان بھی

مستی کے ہاتھ میں دی ہے۔

پہلے مصرعہ کی ایک اور طرح بھی تعبیر ہو سکتی ہے۔ اگر چشم شاہد سے مراد ہمارے معشوق کی آنکھوں

میں یا ہمارے معشوق کے نزدیک لیجاوے۔ تو شعر کے معنی اسطرح ہونگے۔ چونکہ مستی ہمارے

دلبر معشوق کے نزدیک اچھی ہے - اس لئے ہماری باگ ہی مستی کے ہاتھ میں دی ہے - یعنی ہم پر چشم مستی کو مسلط کیا گیا ہے -

اصطلاحات تصوف میں بھی چشم محبوب کو مست ہی کہتے ہیں - چنانچہ صاحب گلشن راز نے چشم ولب پر لکھا ہے - کہ

ز چشمش خواست بیماری و مستی	ز لعلش گشت پیدا عین ہستی
ز چشم اوست دلہا مست و مخمور	ز لعل اوست جانہا جملہ مستور

اور پھر خواجہ صاحب کے اس خیال کی کہ ہماری عنان ہی مستی کے ہاتھ میں دی ہے - اس طرح تائید کی ہے کہ

وجود ما ہمہ مستی است یا خواب	چہ نسبت خاک را با رب ارباب

(۱۶) ترجمہ - میں ڈرتا ہوں کہ روز قیامت کو غالب نہ آئیگی شیخ کی حلال روٹی ہمارے حرام پانی پر -

صرفہ - بالفتح - فائدہ و نفع و افزونی - آب حرام - شراب نان حلال آب حرام کے مقابلہ میں نان حلال نہایت اچھی ترکیب ہے - نان حلال یہاں طنزاً کہا ہے - ورنہ نان حلال کا مقابلہ آب حرام سے نہیں - بلکہ نان حرام کا مقابلہ آب حرام سے ہے - ترسم کا استعمال بھی خواجہ صاحب نے نہائیت خوبصورتی سے کیا ہے - خواجہ صاحب خود نہیں ڈر رہے - بلکہ شیخ صاحب کو ڈرا رہے ہیں شعر کا مضمون صرف اتنا ہے - کہ مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے روز شیخ صاحب کی حرام خوری ہماری شرابخوری سے بڑھ کر نہیں ہوگی - یعنی مجھے یقین ہے - کہ قیامت کے روز شیخ صاحب سے ہماری نسبت زیادہ بازپرس ہوگی -

یہاں پھر خواجہ صاحب نے غزل نمبر (۳) کے شعر نمبر (۱۱) کی طرح شراب کا دوسری حرام چیزوں سے مقابلہ کیا ہے - اور کہا ہے - کہ شراب بھی حرام ہے - مگر حرام کی روزی اس سے بھی بدتر ہے - گرچہ عوام میں شراب کو برا کہنے کا رواج ہو گیا - اور دوسری حرام چیزوں کو اتنا برا نہیں ملتے - ظاہردار بزرگوں پر یہ الزام عموماً لگایا جاتا ہے - کہ وہ کما کر روٹی کھانے کے عادی نہیں - اپنے مریدوں اور معتقدیوں کے پسینے کی کمائی سے ہی ذرائع روزی کر لیا کرتے ہیں -

اس مضمون پر لسان العصر جناب اکبر نے بھی نہائیت خوب کہا ہے -

عام الزام ہے اکبر یہ کہ پیتا ہے یہ کیوں	اس کی پرسش نہیں کچھ بھی کہ یہ کیا کھاتا ہے

یعنی عوام الناس اگر کوئی آدمی شراب پیئے۔ تو اس کا چرچا کرتے ہیں۔ مگر رشوت سے غریبوں یتیموں کا حق زائل کر کے اپنا پیٹ بھرے۔ یا اور صدہا ناجائز طریقوں سے دولت جمع کرے۔ تو اس کی پرسش نہیں کرتے۔ مگر خدا کے نزدیک جیسا کہ خواجہ صاحب کی رائے ہے۔ فی الواقع شراب پینے والوں کی نسبت حرام کھانے والوں سے زیادہ بازپرس ہوگی۔

ایک صاحب اس شعر کے معنی یوں بیان فرماتے ہیں۔ کہ مجھ کو ڈر ہے۔ کہ ہمارے عشق میں کوئی قصور واقعہ ہو جانے کے سبب سے زاہد کا اتقا ہمارے عشق پر قیامت کے روز غالب نہ ہو جائے۔ مگر یہ معنی غلط ہیں۔ اور مذاق شعری کے خلاف۔

مولانا حالی مرحوم نے بھی اسی مضمون کو نہایت اعلیٰ مذاق میں بیان کیا ہے۔

برائی ہے رندوں میں بھی شیخ لیکن	کہاں یہ برائی کہاں وہ برائی

ردیف ہذا کی غزل نمبر (۱۰) کا شعر (۳) بھی قریباً اسی مضمون پر ہے۔ نیز دیکھو شعر ت ۱۲/۴ اور شعر ت ۳۷/۴ ۔

(۷) ترجمہ۔ اے ہوا اگر تو گلشن احباب میں جائے۔ ضرور جانان کی خدمت میں ہمارا یہ پیغام عرض کر دینا۔

(۸) ترجمہ۔ کہو کہ ہمارا نام عمداً تو کیوں بھلاتا ہے۔ وہ وقت خود آ جائیگا جب تو ہمارے نام کو بھول جائیگا۔

یہ ہر دو شعر قطعہ بند ہیں۔ قاصد صبا کو عاشق کہتا ہے۔ کہ اگر بزم جانان میں جائے۔ تو میری طرف سے ضرور عرض کرنا۔ کہ میرا نام عمداً دل سے کیوں مٹاتی ہے۔ وہ وقت ہی آ جائیگا۔ کہ ہمارا نام خود بخود مٹ جائیگا یعنی ہم نہ رہیں گے۔

اسی مضمون پر کسی استاد نے کہا ہے۔

خود مکن بیگانگی یارے چہ میدانی کہ چرخ	آشنایاں را ز یکدیگر جدائی مے دہد

(۹) ترجمہ۔ میرا دل آرزوئے سرو میں لالہ کی طرح افسردہ ہو گیا۔ اے مرغ بخت آخر کب تو ہمارے قابو آئیگا۔

لالہ مشہور پھول ہے۔ کئی قسموں کا ہوتا ہے۔ اس پھول کے اندر ایک داغ ہوتا ہے۔ مجموعہ نامہ میں لکھا ہے

ع۔ اے داغ بر دل از غم خال تو لالہ را۔ آدمی کے دل کے اندر بھی ایک سیاہ داغ ہوتا ہے۔ جسے سویدا کہتے ہیں پس وجہ تشبیہ ظاہر ہے۔ ہوا بمعنی آرزو و اشتیاق۔ لفظ ہوا کا استعمال بجائے لفظ باد خلاف محاورہ اہل علم ہے۔ بگرفت بمعنی گرفتہ شدہ۔

شاعر کہتا ہے کہ لالہ کی طرح میرا دل بھی معشوق سرو قد کے اشتیاق میں گرفتار ہے۔ اور لالہ کی طرح میرے دل میں بھی داغ ہے۔ اے مرغ بخت تو میرے دام میں کب آئیگا۔ داغ دل کو اگر دانہ خیال کیا جائے تو تعلق [illegible]

مرغ معلوم۔

(۱۰) ترجمہ۔ آسمان کا دریائے سبز اور کشتئ ہلال۔ ہمارے حاجی قوام کی نعمت میں غرق ہیں۔

دریائے اخضر فلک۔ سے مراد آسمان۔ چونکہ آسمان بھی نیلگوں ہوتا ہے اور سمندر کا پانی کا رنگ بھی نیلا۔ اس لئے بلحاظ وسعت و رنگ دریائے اخضر فلک کہا کشتئ ہلال۔ ہلال کشتی نما ہوتا ہے۔ نیز دریائے اخضر میں واقع ہے۔ اس لئے کشتی کہا ہے۔

اس شعر میں گریز ہے۔ مضمون غزل سے مدح ممدوح کیطرف کہتے ہیں۔ کہ حاجی قوام ممدوح خواجہ صاحب ایک وزیر تھا۔ جس کی محفل میں خواجہ صاحب بیٹھے تھے۔ ساغر ہاتھ میں تھا آسمان اور چاند کا عکس پیالہ میں پڑا۔ اور خواجہ صاحب کو یہ مضمون سوجھا۔ خواجہ صاحب نے سمندر اور کشتی ہر دو کو ایک جام میں خوب غرق کیا۔ ممکن ہے۔ کہ شعر میں کسی خاص واقعہ کیطرف اشارہ نہ ہو اور صرف مدعا ہو۔ کہ آسمان اور چاند سب میرے ممدوح کے پروردۂ نعمت ہیں۔ شاعر ہمیشہ ایسی مبالغہ کیا کرتے ہیں۔

(۱۱) ترجمہ۔ اے حافظ آنکھوں سے آنسوؤں کے دانے گرا۔ شاید کہ مرغ وصل ہمارے جال کا ارادہ کرے۔

دانہ و دام و مرغ کا تعلق ظاہر ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اشتیاق یار میں اشک افشانی کر۔ شاید وصال نصیب ہو جائے۔

خواجہ صاحب نے مرغ وصل کی گرفتاری کیلئے دانہ تو اچھا منتخب کیا ہے۔ مگر عرفی کو شاید اس تجویز سے ہی اتفاق نہیں لکھا ہے۔

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدے وصال		صد سال مے تواں بتمنا گریستن

غزل (۵)

صلاح کار کجا و من خراب کجا	۱	ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا
چہ نسبت است برندی صلاح و تقوی را	۲	سماع وعظ کجا نغمۂ رباب کجا
دلم ز صومعہ بگرفت و خرقۂ سالوس	۳	کجاست دیر مغان و شراب ناب کجا

شعر	نمبر	شعر
بشد زیاد خوشش یاد روزگار وصال	۴	خود آن کرشمہ کجا رفت و آن عتاب کجا
ز روئے دوست دلِ دشمنان چہ دریابد	۵	چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا
مبیں بہ سیب زنخدان کہ چاہ در راہ است	۶	کجا ہمے روی اے دل بدیں شتاب کجا
چو کحل بینش ما خاک آستان شماست	۷	کجا رویم بفرما ازیں جناب کجا

(۸) قرار و خواب ز حافظ طمع مدار اے دوست
قرار چیست صبوری کدام و خواب کجا۔ (۸)

(۱) ترجمہ۔ صلاح کار کہاں اور میں خراب کہاں۔ دیکھ کہ راہ کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے۔
خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میں بدمشرب آدمی ہوں۔ میری صلاح کہاں ممکن ہے۔ میری حالت اور پرہیزگاری میں بُعد المشرقین ہے۔

(۲) ترجمہ۔ صلاح و زہد کو رندی سے کیا نسبت وعظ کا سننا کجا اور نغمۂ رباب کجا۔

(۳) ترجمہ۔ میرے دل نے صومعہ سے خرقہ مکر حاصل کیا۔ دیرِ مغاں اور شراب خالص کہاں ہے۔
صومعہ۔ عبادت خانہ ترسایاں و نصاریٰ۔ جس کا سر باریک اور بلند ہوتا ہے۔ مجازاً عبادت خانہ اہل اسلام کو بھی کہتے ہیں۔ سالوس۔ خوش گو و چرب زبان۔ فریب۔ فریب دہندہ۔
دیر۔ بالفتح معبد ترسایاں۔ پرستش گاہ کفار گنبد۔
خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ مجھ کو عبادت خانہ میں جاکر تو صرف مکر و فریب حاصل ہوا۔ اب دیر مغاں اور شراب کی تلاش ہے۔ کہ شاید صحبت ساقی اور ساغر مے سے میرے دل کا آئینہ پھر صاف ہو۔ یہاں خواجہ صاحب نے عابدان ریاکار و متقیان ظاہردار کو نصیحت کی ہے۔ کہ اس طرح ان کے دل صرف سیاہ ہی ہوتے۔ اور کچھ فائدہ نہیں۔ ان کو چاہیئے۔ کہ عشق الٰہی میں خلوص پیدا کریں۔ اور صحبت عارفان کامل سے فائدہ اٹھائیں۔

شعار ملت اسلامیان بگذار اگر خواہی	(معنی)	کہ در دیر مغان آئی و اسرار نہان بینی

(۴) ترجمہ۔ روزگار وصال یادش بخیر یاد سے بھول گیا۔ وہ کرشمہ کہاں گیا۔ اور وہ عتاب کیا ہوا۔
خوشش یاد۔ یعنی یادش بخیر۔ بطریق اعتراض آیا ہے۔ پہلا مصرعہ اس طرح پڑھا جائیگا شد زیاد۔ خوشش یاد۔ روزگار وصال۔ اور نثر میں اس طرح پڑھا جائیگا۔ روزگار

وصال کہ یادش بخیر باد از یاد برفت یعنی وصال نصیب ہوئے بہانی مدت گذر گئی کہ زمانۂ وصال (یادش بخیر) بالکل بھول ہی گیا - اور وہ کرشمہ و عتاب جو بوقت وصال ہوا کرتے تھے اب کہاں ہیں -

پہلا مصرع ایک اور طرح سے بھی پڑھا جا سکتا ہے - یعنی بشد زیاد خوشش یادِ روزگارِ وصال اور معنی یہ ہونگے - کہ معشوق کی دل خوش کن یاد سے زمانۂ وصال یاد آگیا -

صاحب گلبن معرفت نے اس شعر کے اس طرح معنی لکھے ہیں "کہ محبوب کی خوش طبعی سے زمانۂ وصال یاد آگیا - اب وہ کرشمہ اور وہ عتاب کہاں گئے - جو خوش طبعی کے منافی ہوا کرتے تھے" مگر بوجہ کم فہمی یہ معنی میری سمجھ میں نہیں آئے - ناظرین شاید سمجھ سکیں -

(۵) ترجمہ - دوست کے چہرہ سے دشمنوں کا دل کیا حاصل کر سکتا ہے - بجھا ہوا چراغ کہاں اور شمع آفتاب کہاں -

اس شعر میں جو اصول پہلے مصرعہ میں بیان کیا گیا ہے - اس کی تائید میں دوسرے مصرع میں مثال دیگئی ہے - غرض یہ ہے - کہ جس طرح شمعِ آفتاب سے بجھا ہوا چراغ کچھ فائدہ حاصل نہیں کر سکتا - اسی طرح ہمارے محبوب کے چہرہ کے نور سے اغیار کا دل روشن نہیں ہو سکتا - ظاہر ہے - کہ آفتاب کی روشنی سے ہر ایک چیز روشنی حاصل کرتی ہے - مگر بجھا ہوا دیا سورج کی روشنی سے روشن نہیں کیا جا سکتا -

سورہ انعام میں لکھا ہے - کہ انما یستجیب الذین یسمعون والموتی یبعثہم اللہ - حضرت رسول کریم صلعم کی تبلیغ اور تلقین سے جب سیاہ دل کفار کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے - تو آنحضرت صلعم کو کہا گیا - کہ تم صرف انہی لوگوں کو ہدایت کر سکتے ہو - جن کے دل ابھی تک بالکل سیاہ نہیں ہوئے - اور وہ لوگ جو مردے ہیں - یعنی جن کے دل مر چکے ہیں - ان کو اٹھانا صرف میرا کام ہے - حاصل کلام یہ کہ اگرچہ آفتابِ نبوت تمام دنیا کی تاریکی کو روشن کرنے آیا تھا - اور اس کی پرنور شعاعوں نے فی الواقع دنیا سے ظلمتِ کفر کو دور کیا - تاہم وہ لوگ جن کے دل بہت سیاہ ہو چکے تھے - ان پر آنحضرت صلعم کی تعلیم کا کچھ اثر نہ ہوا - استفادہ کیلئے ضرور ہے - کہ استعداد ہو - جب کسی آدمی کے اندر بالکل استعداد ہی نہ ہو - تو اس پر کسی تعلیم اور نصیحت کا اثر نہیں ہوتا - [illegible] پر چہ چون -

غنی کشمیری نے اسی خیال کو اس طرح ظاہر کیا ہے۔ کہ کمان کی لکڑی کو تیر نہیں بن سکتا۔

کج را بتکلف نتواں راست نمودن	کے تیر تواں ساختن از چوب کمان را

اور پھر دوسری جگہ اسی مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے۔

چو استعداد نبود کار از اعجاز نکشاید	مسیحا کے تواند کرد روشن چشم سوزن را

حضرت مسیح بے شک اندھوں کو بینائی بخشتے تھے۔ مگر غنی کہتا ہے۔ کہ چشم سوزن کو وہ بھی روشن نہیں کر سکتے تھے۔ نیز دیکھو شعرت ۱۷۸۔

(۶) ترجمہ۔ سیب زنخدان کو دیکھ کہ راہ میں کنواں ہے۔ اے دل اتنا جلدی جلدی کہاں جاتا ہے

زنخدان۔ زنخ۔ دان زائد بمعنی ذقن چاہ سے مراد چاہ زنخدان ہے۔ جو زیر ذقن ہوتا ہے غبغب یا غبب وہ گوشت ہوتا ہے۔ جو زیر ذقن آویختہ ہوتا ہے۔ اور لوازم خوبصورتی سے ہے۔ اس گوشت میں جو نشیب ہوتا ہے۔ اسے چاہ زنخدان کہتے ہیں معشوقوں کی ذقن کو سیب سے تشبیہ دیتے ہیں صوفیائے کرام نے سیب زنخدان اور چاہ زنخدان سے مراد لطف و قہر الٰہی لی ہے چنانچہ مراۃ العاشقین میں لکھا ہے۔ کہ۔

مے نماند قہر از لطف اللہ	میکند صد یوسف مصری بچاہ
جاں کہ آں لعل لبش را مائل است	بر سر راہش زنخداں حائل است

راہ محبت میں جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے وصال سے پہلے بہت مشکلیں پیش آتی ہیں۔ داغ کا شعر ہے۔

رہرو راہ محبت کا خدا حافظ ہے	اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

مولانا حالی مرحوم نے بھی اسی مضمون پر کہا ہے۔ کہ

بہت دن چاہئیں یوسف کو تا پہنچے زلیخا تک	نکل کر چاہ کنعاں سے ابھی رہنا ہے زنداں میں

امیر خسرو نے مطلع الانوار میں لکھا ہے۔

راہ پر از چاہ و تو زاں بیخبر	تا چہ رود دور لعب بر بیل در

(۷) ترجمہ۔ جب ہماری بینائی کا سرمہ تمہارے آستان کی خاک ہے تو بتا کہ اس درگاہ کو چھوڑ کر کہاں جائیں۔

جناب۔ بالفتح۔ بالضم غلط ہے۔ بمعنی درگاہ و آستانہ۔

شعر صاف ہے۔ شاعر عموماً خاکِ درِ یار کو سرمہ کہا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک استاد نے کہا ہے۔

روم بکوئے وے و سر باستان فگنم		غبارِ خاکِ درش توتیائے دیدہ کنم

دوسرے مصرعہ کے مضمون پر کسی استاد نے کہا ہے۔

تو کریم مطلق و من گدا چہ کنی جز اینکہ نخوانیم		درِ دیگری بنما کہ من بکجا روم چو برانیم

عارف نظامی علیہ الرحمۃ نے مخزن الاسرار میں لکھا ہے۔

جز در تو قبلہ نخواہیم ساخت		گر ننوازی تو کہ خواہد نواخت

(۸) ترجمہ۔ اے دوست حافظ سے قرار اور نیند کی امید نہ رکھ۔ قرار کیا چیز ہے صبر کہاں اور نیند کہاں عاشقوں کی قسمت میں صبر اور آرام کہاں۔ ع: صبر در دل عاشق نہ آب در غربال۔

عاشق باید کہ سال و ماہ و شب و روز	(خیام)	آرام و قرار و خورد و خوابش نبود

غزل (۶)

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل ما را	۱	بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را
بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت	۲	کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را
فغان کیں لولیاں شوخ شیریں کار شہر آشوب	۳	چناں بردند صبر از دل کہ ترکاں خوان یغما را
ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی ست	۴	بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را
من از آں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم	۵	کہ عشق از پردہ عصمت بروں آرد زلیخا را
حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو	۶	کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را
نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند	۷	جوانان سعادتمند پند پیر دانا را
بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی	۸	جواب تلخ مے زیبد لب لعل شکرخا را

(۹)	غزل گفتی و در سفتی بیا و خوش بخواں حافظ کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را	(۹)

(۱) ترجمہ۔ اگر وہ ترک شیرازی ہمارے دل کو ہاتھ میں لے۔ تو اسکے خال سیاہ کو سمرقند اور بخارا بخش دوں

ترک - بالضم ... منسوب بہ ترک ... [illegible]

خال ہندو - خال کو اکثر بوجہ سیاہی ہندو کہا گیا ہے - اور دوسری سیاہ چیزوں کو بھی ہندو کہتے ہیں - چنانچہ ارسلان بیگ نے کہا ہے -

مشک گویند بخالش سر دعوے دارد	این عجب نیست از ان ہندوئے مادر بخطا

لفظ ہندو محاورہ فارسی میں بمعنی راہزن و چور کے بھی استعمال ہوتا ہے - ہندو منسوب بہ ہند -

حکایت - کہتے ہیں - کہ جب خواجہ صاحب کا یہ شعر امیر تیمور نے سنا - تو ان کو بلا کر کہا - کہ میں نے تمام عالم کو اس لئے ویران کیا کہ سمرقند و بخارا کو کہ میرا وطن ہے آباد کروں - تم ان کو ایک تل کے عوض پر دیئے ڈالتے ہو - خواجہ صاحب نے جواب دیا کہ "ہمیں غلط بخشی ہاست کہ بدیں نوبت رسیدم" عاشق اپنے محبوب کی ایک ایک ادا پر جان قربان کرنیکو تیار ہوتے ہیں - سمرقند و بخارا کیا چیز ہیں - ساری دنیا سے بیزار ہو جاتے ہیں - محبوب حقیقی کی بھی حضوری اگر حاصل ہو جائے تو عاشق تمام دنیا کو ترک کرنے پر تیار ہو جاتا ہے - سید اکبر حسین ایک عاشق کی زبانی کہتے ہیں -

[illegible]	[illegible]

امیر خسرو فرماتے ہیں

از ہمہ گان سوئے تو رو تافتم	تا ہمہ یا ہم چو ترا یافتم

ترجمہ - اے ساقی شراب باقی دے کہ بہشت میں نہ پائیگا - نہر رکنا باد کا کنارہ اور گلگشت مصلیٰ

مے باقی - شراب باقیماندہ یعنی دُرد بھی استعمال ہو سکتا ہے -

جنت - بالفتح - بہشت - اصل میں اس باغ کو کہتے ہیں - جس کے درختوں نے زمین کو پوشیدہ کیا ہوا ہو - مادہ جن ہے - یعنی پوشیدگی - **رکنا باد** - بالضم نام تفرجگاہ شیراز (از غیاث اللغات)

مصلیٰ - بالضم مطلق جائے نماز و عیدگاہ - خصوصاً عیدگاہ شیراز کہ نہایت اعلیٰ سیرگاہ ہے -

خواجہ صاحب ساقی سے درخواست کرتے ہیں - کہ جو تھوڑی سی شراب باقی رکھی ہے وہ بھی دیدے کیونکہ اگرچہ بہشت میں بھی ہمکو شراب مل جاویگی - مگر وہاں رکنا باد اور مصلیٰ کی نہریں اور سیر گاہیں نہیں ملینگی اور جو لطف ایسی جگہ شراب پینے سے حاصل ہوتا ہے - وہ بہشت میں حاصل نہیں ہو سکتا - یہ وہی رکنا باد ہے - جہاں خواجہ صاحب بیٹھکر تفسیر پڑھایا کرتے تھے - پس مئے باقی کی کیفیت معلوم -

(۴۳) ترجمہ - فریاد کہ شوخ شیریں کار شہر کو آشفتہ کرنیوالے معشوق دل کو صبر اس طرح لیگئے جیسے ترک خوانِ یغما کو -

لولیاں - جمع لولی منسوب بہ لول بواؤ مجہول - بمعنی بے شرم و بے حیا معشوق -

خوانِ یغما - یغما بمعنی غنیمت - ترکستان میں دستور تھا - کہ سال میں ایک روز ایک عام دعوت ہوتی تھی - جسمیں ہر قسم کے عمدہ عمدہ کھانے تیار ہوتے تھے - اور پھر تمام قوم کو اشارہ ہوتا تھا - جس پر ترک اس تمام خوان کو اڑا لے جاتے تھے - عام اصطلاح میں خوانِ یغما سے مالِ غنیمت مراد ہوتی ہے - جسے لوٹنا گویا جرم ہی نہیں -

اس شعر میں خواجہ حافظ نے معشوقانِ بازاری کی شکایت کی ہے - کہ بوجہ حسین ہونیکے تمام شہر کیلئے گویا وہ ایک مصیبت ہیں - اور جوانوں کے دلوں کو وہ بے صبر کر دیتے ہیں - اور اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں اور یہ راہ زنی یعنی دلربائی وہ ایسی بیباکی سے کر رہی ہیں - کہ گویا کوئی جرم ہی نہیں - یہ فغاں خواجہ صاحب نے غالباً اسلئے کی ہوگی - کہ ان لولیان کا کوئی تدارک ہوجائے - ورنہ تمام شہر کیلئے باعثِ ضرر ہوگا روایت ہے اور خدا جانے کہاں تک درست ہے - کہ خواجہ صاحب کسی حسینہ بنام شاخ نبات کو ابتدا میں دلدادہ تھے - اور کچھ ان کا خیال ادھر سے اٹھ گیا - اور اس شعر میں اس واقعہ کیطرف اشارہ ہے - مگر اس شعر میں کسی خاص حکایت کیطرف کوئی اشارہ معلوم نہیں ہوتا - عام شکایت ہے - خواہ وہ شکایت عاشقانہ ہو یا ناصحانہ خیال کیجاوے - مزید بحث کیلئے دیکھو حصہ سوانحمری -

(۴۴) ترجمہ - ہمارے ناتمام عشق سے جمالِ یار بے پرواہ ہے - آب و رنگ و خال و خط کی روئے زیبا کو ضرورت نہیں -

مستغنی - از استغنا - بمعنی تونگری و بے نیازی -

قدرتی حسن کیلئے مصنوعی سنگار کی ضرورت نہیں - اور نہ معشوق کو ہمارے ناکمل عشق کی پرواہ ہے - اس کا حسن ان تمام لوازمات سے بے پرواہ ہے - ہم اسے چاہیں یا نہ - اس کے عاشق ہوں یا نہ ہوں - اس کے حسنِ کامل پر کوئی اثر نہیں پڑتا - سورۂ آلِ عمران میں ہے - کہ من کفر فان اللہ غنی عن العالمین - ایک اور جگہ فرمایا ہے - کہ وان تکفروا فان للہ ما فی السموات وما فی الارض وکان اللہ غنیا حمیدا -

مولانا روم فرماتے ہیں -

ذکر حمد ما نصیب ان ناقص ست حمد تو نسبت به تو گر بہتر ست	ذکر شما انتہا خالص ست لیک آن نسبت بحق ہم ابتر ست

مطلب یہ کہ اگر دنیا کے تمام حسن کو ملا کر پردہ میں داخل ہو تو اس کو کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ تو بیشتر سے مکمل ہے۔ اسے تصنع کی ضرورت نہیں اسلئے ہم اگر اپنے معبود کی پرستش کرتے ہیں۔ تو صرف اپنے فائدہ کیلئے محبوب کو اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ اور اگر ہم اپنے معبود کی پرستش نہ کریں۔ تو اس کو کچھ نقصان نہیں۔ سورہ عنکبوت میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ ومن جاہد فانما یجاہد لنفسہ ان اللہ لغنی عن العالمین۔

خدا در انتظار حمد ما نیست	محمد چشم در راہ ثنا نیست

(۵) ترجمہ۔ میں اس روز افزوں حسن سے جو یوسف رکھتا تھا۔ جانتا تھا۔ کہ عشق پردۂ عصمت سے زلیخا کو نکال لائے گا۔

اس شعر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور کہا ہے کہ چونکہ یوسف کا حسن روز بروز ترقی پر تھا۔ اسلئے مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ برق کسی خرمن پر ضرور گرے گی۔ اور آخر یہی ہوا کہ زلیخا بیصبر ہو کر پردۂ عصمت سے باہر آگئی۔ زلیخا کا پردۂ عصمت سے باہر ہونا مشہور واقعہ ہے۔ مگر فی الحقیقت خواجہ صاحب کو صرف اسی قصہ کی طرف اشارہ کرنا مطلوب نہ تھا۔ انہوں نے حسن مطلق سے مراد لی ہے۔ اور کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف۔ کے مضمون کو ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ رب العزت کے جمال نے کائنات کو پردۂ عدم سے باہر نکالا۔ لمعات شیخ فخر الدین عراقی میں لمعہ دوم اسی مضمون پر ہے۔

قطعہ

عشق ناگاہ برکشید علم بیقراری عشق شور انگیز	تا بہم برزند وجود و عدم شور و غوغا فکند در عالم

ورنہ عالم با بود و نابود خود آرمیدہ بود و در خلوت شہود [illegible]

[illegible] دو کون [illegible] معشوقہ عشق [illegible]	[illegible] نقش [illegible] [illegible]

لیکن یہ حسن پوشیدہ [illegible]

پرتو حسن از تجلی پیدا شد وام کرد از جمال او نظرے	عالم اندر نفس ہویدا شد حسن رونقش بدید و شیدا شد

حسن مشتاق کے روز افزون ہونے کے متعلق قرآن شریف میں ہے - کہ کل یوم ہو فی شان -

مرزا غالب فرماتے ہیں -

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز	پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

(۴) ترجمہ - شراب و مطرب کی بات کر - اور راز دہر کو کم ڈھونڈ - کہ کسی نے اس معمہ کو حکمت سے نہیں کھولا - اور نہ کھولے گا -

معما - بضم میم و فتح عین - پوشیدہ شدہ - کور - نابینا کردہ شدہ - کان پوشیدہ -

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ راز دہر ایک معما ہے جسے کوئی آدمی بھی بذریعہ حکمت کے حل نہیں کرسکتا - اسلئے بہتر ہے - کہ ہم اس کو معرض بحث میں ہی نہ لائیں -

دہر سے مراد خالق و مخلوق ہر دو ہو سکتی ہے - چنانچہ حضرت رسالت مآب صلعم نے فرمایا ہے - کہ دہر اللہ ہے - اس کو برا نہ کہو - اسمیں شک نہیں - کہ ابتک کسی سائنسدان اور فلاسفر نے راز دہر کو حل نہیں کیا - اور یقیناً یہ راز آئندہ بھی کبھی حل نہ ہوگا - ذات باری کی صفات و ذات کے متعلق بھی ابتک زمانہ ششدر و پیچ میں ہے - عرفی نے کہا ہے - کہ

نور حیرت در شب اندیشۂ او صادقست	بس ہمایوں مرغ عقل از آشیاں انداختہ

تمام دنیا معترف ہے - کہ یہ راز ہمیشہ سربستہ ہی رہیگا - شیخ فریدالدین عطار فرماتے ہیں -

گر صد ہزار سال ہمہ عقل کائنات آخر بعجز معترف آئند کائے الہ	فکرت کنند در صفت عزت خدا دانستہ شد کہ ہیچ نہ دانستہ ایم ما

اگر دہر سے مراد زمانہ یعنی کائنات یا مخلوقات لیجائے - تو بھی ظاہر ہے کہ وجود کائنات کا راز بھی ایسا ہی سربستہ ہے - جیسا کہ اوصاف خالق کا - فارابی کی ایک رباعی بھی اسی مضمون پر ہے

اسرار وجود جملہ نہفتہ بماند ہر کس بدلیل عقل چیزے گفتند	وآں گوہر بس شریف ناسفتہ بماند آں نکتہ کہ اصل بود ناگفتہ بماند

مولانا شبلی مرحوم کا ایک شعر بھی اسی حقیقت کو روشن کرتا ہے -

کس سر حقیقت نه تو انست کشود	گشت رازی گر آں راز که افشا میکرد

یہ معما چونکہ ابتک حل نہیں ہوا۔ اور امید ہی نہیں کہ کبھی حل ہو گا۔ اسلئے خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ تو اس کے متعلق بات ہی نہ کر۔ اور شغل مے اور صحبت ساقی و مطرب میں دل کو مصروف رکھ یا نشہ عشق الٰہی میں سرشار اور رہوں اور چرا چھوڑ دے۔

اسرار ازل را نه تو دانی و نه من	این حرف معما نه تو خوانی و نه من

(۷) ترجمہ۔ اے جاناں نصیحت سن کہ جان سے عزیز رکھتے ہیں۔ نیک بخت جوان پیر دانا کی نصیحت کو۔

شعر صاف ہے۔ اور اخلاق پر ہے۔ نوعمر جوانوں کیلئے پند پیر دانا بے شک جان سے عزیز ہونی چاہئے۔ یہ شعر ان معنوں میں اکثر لوگ استعمال کرتے ہیں۔

(۸) ترجمہ۔ تو نے مجھے برا کہا۔ میں خوش ہوں خدا تجھے معاف کرے۔ تو نے اچھا کہا تلخ جواب لب لعل شکر خا کو زیب دیتا ہے۔

یہ شعر بھی ان معنوں میں بطور ضرب المثل استعمال ہوتا ہے۔ اور اکثر استعمال ہوتا ہے کوئی برا کہے۔ تو اس کا جواب اس شعر سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتا۔ نکو گفتی خرسندم۔ می زیبد۔ طنزاً استعمال ہوئے ہیں۔ اس شعر میں عاشقانہ اور ناصحانہ دونوں پہلو ہیں۔ کیونکہ معشوق کی گالیوں کا جواب بھی یہ اچھا ہے۔

بعض شارح جو اس شعر کا مخاطب مرشد کامل اور رہنمائے حقیقی بیان کرتے ہیں وہ غالباً عفاک اللہ اور جزاک اللہ کو ایک ہی معنوں میں استعمال کرتے ہونگے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے علم اخلاق کا یہ زرین اصول ایک واقعہ کی صورت میں یوں بیان فرمایا ہے۔

یکے را زشت خوئے داد دشنام	تحمل کرد و گفت اے نیک فرجام
بتر زانم که خواہی گفت آنی	که دانم عیب من چون من ندانی

(۹) ترجمہ۔ اے حافظ تو نے غزل کہی اور موتی پروئے آ خوش آوازی سے پڑھ۔ کہ تیری نظم پر آسمان عقد ثریا کو قربان کرے

عقد۔ بالکسر۔ سلک مروارید۔ ہار۔ ثریا۔ پروین۔ چھ ستارے آسمان میں باریک اور متصل

بہ تحکیم گر الفاظ گستہ نہیں ۔

چونکہ پہلے مصرع میں شاعر نے اپنی غزل کو موتیوں کی لڑی سے تشبیہ دی ہے۔ اس لئے دوسرے مصرع میں ثریا کو مقابل لایا ہے۔ جو کہ شکل میں موتیوں کے ہار کی طرح ہے۔ شاعر عموماً اپنے کلام کی نسبت ایسے فخریہ اشعار کہتے ہیں۔ اور یہ جائز ہے معیوب نہیں

خواجہ صاحب نے اس شعر میں الفاظ در، نظم، افشاندا (افشاں) اور عقد کو نہایت خوش اسلوبی سے یکجا استعمال کیا ہے۔

غزل (۷)

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما	۱	چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما
در خرابات مغاں ما نیز ہم منزل شویم	۲	کایں چنیں رفت است در عہدِ ازل تقدیر ما
ما مریدان رو بسوئے کعبہ چوں آریم چوں	۳	رو بسوئے خانہ خمار دارد پیر ما
عقل اگر داند کہ دل در بند زلفش چوں خوش است	۴	عاقلاں دیوانہ گردند از پئے زنجیر ما
روئے خوبت آیتے از لطف بر ما کشف کرد	۵	زاں سبب جز لطف و خوبی نیست در تفسیر ما
با دل سنگینت آیا ہیچ در گیرد شبے	۶	آہ آتش بار و سوز نالہ شبگیر ما
مرغ دل را صید جمعیت بدام افتادہ بود	۷	زلف بکشادی و باز از دست شد نخچیر ما
باد بر زلف تو آمد شد جہاں بر من سیاہ	۸	نیست از سودائے زلفت بیش ازیں توفیر ما
تیر آہ ما ز گردوں بگذرد جان عزیز	۹	رحم کن بر جان خود پرہیز کن از تیر ما

(۱۰) بر در میخانہ خواہم گشت چوں حافظ مقیم
چوں خراباتی شد اے یار طریقت پیر ما (۱۰)

(۱) ترجمہ۔ کل مسجد سے میخانہ کی طرف ہمارا پیر آیا۔ اے یاران طریقت اسکے بعد ہماری کیا تدبیر ہے

(۲) ترجمہ۔ خرابات مغاں میں ہم بھی ہم منزل ہوں۔ کیونکہ اسی طرح عہدِ ازل میں ہماری تدبیر ہوئی ہے۔

(۳۰) ترجمہ — آج ہم پیر طریقت کی طرف کس طرح منہ کریں۔ ہمارا پیر میخانہ کیطرف منہ رکھتا ہے

ازل — بفتحتین ہمیشگی — وہ زمانہ جسکی ابتدا نہ ہو

خمار — بالفتح و تشدید میم — خمرساز — مے نوش —

خواجہ صاحب بیان فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ ہمارا راہنما ہمیں قیود شریعت سے نکال کر الفت کی بالا ترین منازل میں لے چلا ہے۔ اسلئے گرچہ یہ ترقی مسجد سے میخانہ کی طرف معلوم ہوتی ہے۔ مگر ہمیں اپنے پیر کی اطاعت سے چارہ نہیں۔ ہم بھی اپنے پیر کے ساتھ خرابات مغاں میں ہم منزل ہوتے ہیں۔ کیونکہ روز ازل سے ہماری قسمت میں یہی لکھا ہے۔ ممکن نہیں کہ ہم اپنے مرشد کی اطاعت سے انحراف کریں۔ ان ہر سہ اشعار میں مطلب صرف اتنا ہے۔ کہ ہم اپنے رہنما کے حکم پر خودی کو چھوڑ کر مستی اختیار کرنیوالے ہیں۔ اور عاشقان الہی یہ منزل ضرور طے کرنی پڑتی ہے۔ اور اطاعت مرشد بے چون و چرا لازم ہے —

تا بجوئی پایۂ نگہدار باش	دم ز شریعت زن و ہشیار باش
ہرچہ ز تحقیق است و زکم بازدان	سجدہ و تعظیم ز ہم بازدان
در رہ الفت کہ بود پیچ پیچ	یا چو نبی پیر تو گیرم ہیچ

ممکن ہے کہ ان اشعار میں حضرت آدم علیہ السلام کی خلد سے زمین پر آنے کے واقعہ کیطرف اشارہ ہو۔ کیونکہ عالم بالا کو بلا تکلف مسجد سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ وہاں ملائک ہر وقت تسبیح میں مشغول ہیں اور سوائے اس کے ان کا وہاں کوئی اور شغل نہیں حضرت آدم علیہ السلام کو بھی وہاں یہی فرض سپرد ہوا تھا۔ اس کے مقابل میں دار دنیا کو بھی میخانہ اور خرابات مغاں کہہ سکتے ہیں اسطرح اشعار کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ چونکہ آدم علیہ السلام [illegible] اس خرابات میں آگئے۔ اسلئے ہم مجبور ہیں کہ ہم بھی اسی منزل میں قیام کریں۔ ہماری قسمت میں روز ازل کو یہی لکھا گیا تھا۔ کہ ہم ایسے اعلیٰ مقام کو چھوڑ کر اس خرابات میں آکر مقیم ہوں —

بسر کیوں کر کرینگے خلد میں ہم واعظ ناداں	ہمارے جد امجد کو نہ واں رہنے کا ڈھب آیا

ایک صاحب ان شعروں کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ حضور سرور کائنات صلعم کا نور مسجد عالم قدس میں ہزارہا سال تک تسبیح و تہلیل میں رہا ہے۔ اور پھر آنحضرت میخانہ یعنی مقام عشق تک پہنچے۔ اب

اس کے بعد ہماری سمجھ میں کوئی تعبیر نہیں آتی - سوائے اس کے کہ ہم بھی اسی طرف کو چلیں ،، -
یہ تاویل محض بے معنی ہے - اور ان شعروں پر ہرگز اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا - علاوہ بریں
جیسا پہلے لکھا جا چکا ہے - ع - باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار - کے زریں اصول کی
نہایت احتیاط سے پابندی لازم ہے - حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات
بابرکات کی نسبت میخانہ - خرابات مغاں اور خانہ خمار جیسے الفاظ کا استعمال ترک ادب میں شامل
ہے - نعوذ باللہ - ہم یہ نہیں کہتے - کہ آنحضور نے منازل محبت کو طے نہیں کیا - طے کیا -
اور ضرور کیا - مگر چونکہ آنحضور صاحب شریعت اور صاحب سنت تھے - اسلئے اگرچہ انہوں نے عشق
الٰہی کے جام کیا خم کے خم خالی کئے - مگر عالی ظرفی کی وجہ سے ان کی تمکنت اور ثقاہت میں ایک مو
فرق نہ آیا - اسی مضمون پر خواجہ کے شعر بھی دیکھئے -

خرقہ رہن خانہ خمار دارد پیر ما
اے ہمہ رندان مرید پیر ساغر گیر ما

گر شدیم از بادہ بدنام جہانے تدبیر چیست
ہم چنیں رفت است اندر روز ازل تقدیر ما

(۴) ترجمہ - عقل کو اگر معلوم ہو کہ دل اس کی زلف کی قید میں کیسا خوش ہے تو عاقل ہماری زنجیر کیلئے
دیوانہ ہو جائیں -

قاعدہ ہے - کہ دیوانہ آدمی کو پابہ زنجیر رکھتے ہیں - تاکہ وہ آزاد ہو کر کوئی فساد برپا نہ کرے -
عاشق کی دیوانگی کا موجب بھی معشوق کی پریشانی زلف ہوتی ہے - اور اس کے قید رکھنے کیلئے زنجیر کا
کام بھی زلف معشوق کے پیچ و تاب کے ہی سپرد ہے - دوسرے مصرعہ میں زنجیر ما کا اشارہ بھی
زلف کی طرف ہے - مراد یہ ہے - کہ اگر عقل مندوں کو معلوم ہو جائے - کہ ہمارا دل محبوب کی زلف کے
خیال میں کیسا مست اور خوش رہتا ہے - تو وہ بھی اسی زلف کے اسیر ہونے کیلئے دیوانہ ہو جائیں
عقل و دیوانگی کے متعلق مفصل پہلے لکھا جا چکا ہے - خواجہ کا شعر ہے -

ما دل دیوانہ در زنجیر زلفت بستہ ایم
اے صبا عاقل کہ شد دیوانہ زنجیر ما

(۵) ترجمہ - تیرے خوبصورت چہرے نے لطف کی نشانی ہم پر ظاہر کی - اس لئے لطف اور خوبی کے
سوا ہمارے بیان میں کچھ نہیں -

اس شعر میں الفاظ لطف و تفسیر ظہور ایہام استعمال ہوئے ہیں - اور نہایت عجیب ایہام پیدا ہو گیا

ہیں۔ آئیت و تفسیر سے یہاں آئیت قرآنی یا تفسیر قرآنی مراد نہیں۔ بلکہ ان الفاظ کے معروف معنی ہیں۔ مگر چونکہ پہلے مصرعہ میں لفظ آئیت آیا ہے۔ خواجہ صاحب نے اس کی رعائیت سے دوسرے مصرع میں لفظ تفسیر کا انتخاب کیا ہے۔ اور اچھا کیا ہے۔ معشوق کے لطف و خوبی سے مراد محبوب کی شان جمالی لی جاتی ہے۔ چنانچہ صوفی کہتے ہیں۔ کہ ع۔

سرخ ایں جام مظہر حسن خدا ئیست

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب ہم نے تیرے خوبصورت چہرہ کو دیکھا تو ہمیں اس سے اکرام و الطاف کی نشانیاں نظر آئیں۔ اور اس لئے اب ہماری تمام گفتار لطف و خوبی کے بیانات سے بھری ہوئی ہے۔ اور ضرور ہے۔ کہ جو شخص خداوند کریم کی شان جمالی کا مشاہدہ کر چکا ہو اسکی تمام زندگی اس کے تمام افعال و اقوال اور اس کے تمام اخلاق و اطوار آئیت لطف کی تفسیر ہونگے

(۶) ترجمہ۔ کیا تیری پتھر جیسے دل پر کیسا اثر کرتے ہیں ہماری آتشبار آہ اور شبگیر نالہ کا سوز۔

گیرد۔ در گرفتن بمعنی موافق آنا کسی چیز پر محیط ہونا۔ جلانا۔ اثر کرنا۔ برابر ہونا۔ روشن ہونا۔
شبگیر بمعنی رات سحر گاہ۔ آخر شب۔ رات کو سفر کرنا۔ وہ مرغ جو آخر شب دردناک آواز کرے۔ وہ آدمی جو آخر شب عبادت کیلئے اٹھے۔ (غیاث اللغات)

عاشق ہمیشہ معشوق کو سنگدل کہا کرتے ہیں۔ اور ممکن ہے۔ کہ باری تعالیٰ کی شان جلالی ہی کی طرف اشارہ ہو۔ شعر کے معنی روشن ہیں۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ہماری آگ برسانے والی آہ اور آخر شب کے نالہ کا سوز کیسی رات کو تیرے پتھر سے دل پر کیا اثر کرتے ہیں۔ لفظ درگیرد چونکہ جلانے اور نیز اثر کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے بمقابلہ آتشبار ہونے کے اس لفظ کا استعمال کرنا کمال فصاحت ہے۔ صاحب گلبن معرفت نے درگرفتن کے معنی دروازہ کھولنا بیان فرمائے ہیں۔ کمال کیا ہے۔

(۷) ترجمہ۔ مرغ دل کیلئے جمعیت کا شکار جال میں پھنسا تھا۔ تو نے زلف کھولی۔ اور پھر ہمارا شکار ہاتھ سے نکل گیا۔

جمعیت۔ دل جمعی

عاشق ہمیشہ زلف محبوب کی پریشانی کو اپنے دل کی پریشانی کا سبب خیال کرتے ہیں۔

چنانچہ خواجہ صاحب نے ردیف ہذا کی غزل نمبر ۲ کے شعر نمبر ۳ میں بھی یہی خیال ظاہر فرمایا ہے خواجہ صاحب فرماتے ہیں - کہ ہم تیرے خوبصورت چہرہ کو نہائیت اطمینان سے اور دلجمعی سے دیکھ رہے تھے - کہ تو نے اپنی زلف کو کھولا - اور ہمارا دل پریشان ہو گیا - اسی شعر میں عالم حیرت کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے - عاشق حق اپنے محبوب کے دربار میں نہائیت اطمینان خاطر حسن مطلق کا مشاہدہ کر رہا ہے - اور اسی میں مستغرق ہے کہ زلف کے کھلنے سے یعنی کسی قسم کے بیرونی خیال کے دل پر آجانے سے وہ تمام مشاہدہ اور نظارہ آنکھوں سے غائب ہو جاتا ہے - اور عاشق کے دل کو پھر پریشان کر دیتا ہے - کیونکہ عاشق ہمہ تن چشم ہو کر دیدار معشوق میں محو ہوتا ہے - توجہ ذرا بھی ادہر اُدہر ہوئی - اور تماشا غائب ہو گیا -

در بزم وصال تو بہ ہنگام تماشا	نظارہ ز جنبیدن مژگان گلہ دارد

مرزا عبد القادر بیدل نے بھی اس حالت کو نہائیت نزاکت سے بیان فرمایا ہے - اور موتی پروئے ہیں

نزاکت ہاست در آغوش مینا خانہ حیرت	مژہ برہم مزن تا نشکنی رنگ تماشا را

ڈاکٹر اقبال نے بھی اسی مضمون پر کہا ہے -

نظارہ کو یہ جنبش مژگان بھی بار ہے	نرگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی

دیکھو ردیف ہذا غزل (۱) شعر (۲) و غزل (۲) شعر (۳)

(۸) ترجمہ - تیری زلف پر ہوا آئی اور جہاں مجھ پر سیاہ ہو گیا تیری زلف کے سودا میں اس سے زیادہ ہماری توقیر نہیں -

اس شعر میں پھر وہی گذشتہ شعر کی طرح زلف کے پریشان ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور مضمون بھی قریباً قریباً وہی ہے

ہوا جو ذرا جو واں کا تو عقدہ کھلا ہم پر	کہ حسن آباد میں اندھیر ہے بے بند و بستی ہے

(۹) ترجمہ - ہماری آہ کا تیر آسمان سے گذر جاتا ہے - اے جان عزیز - اپنی جان پر رحم کر اور ہمارے تیر سے ڈر -

اس شعر میں بھی عاشقانہ اور ناصحانہ دونو پہلو موجود ہیں مظلوموں کی آہ سے ڈرنا چاہیے شیخ سعدی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں -

تیرس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن		اجابت از در حق بہر استقبال مے آید

خواجہ صاحب سے بھی صرف اپنی آہ کے موثر ہونے پر زور دے کر مخاطب کو کہا ہے اپنی جان پر رحم کر۔ اور ہماری آہوں سے ڈر۔ عاشقوں کے نالے ہی آسمان سے نیچے نہیں رہتے۔

الہی خیر ہو چرخ کہن کی		لگے نالے ہمارے سر اٹھانے

خواجہ کہتا ہے۔

از خدنگ آہ عالم سوز ما غافل مشو		گر کمان نرم زخمش سخت باشد تیر ما

(۱۰) ترجمہ۔ حافظ کی طرح [illegible] ہو گیا۔

مقطع کے شعر کا مضمون وہی ہے۔ جو مطلع غزل میں ہے اسلئے اسکے متعلق زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں البتہ لفظ خراباتی کے متعلق عارف محمود تبریزی قدس سرہٗ کی کتاب گلشن راز سے چند اشعار کا بیان درج کرنا غیر موزون نہ ہوگا۔

خراباتی شدن از خود رہائیست		خودی کفر است اگر خود پارسائیست
خرابات از جہاں بے مثالی است		مقام عاشقان لا ابالی است
خرابات آشیان مرغ جان است		خرابات آستان لامکان است
خراباتی خراب اندر خراب است		کہ در صحرائی او عالم سراب است

گرفتہ دامن رنداں خمار
ز شیخی و مریدی گشتہ بیزار

غزل (۸)

شب از مطرب کہ دل خوش باد وے را	۱	شنیدم نالۂ جان سوز نے را
چناں در جان من سوزش اثر کرد	۲	کہ بے رقت ندیدم ہیچ شے را
حریفے بد مرا ساقی کہ ہر دم	۳	ز زلف و رخ نمودے شمس و فے را
چو شوقم دید در ساغر مے افزود	۴	بگفتم ساقی فرخندہ پے را

رہانیدی مرا از شر مستی حماک اللہ عن شر النوائب	ق ۶	چو پیمودی پیاپے جام مے را جزاک اللہ فی الدارین خیرا
(۷)	چو بے خود گشت حافظ کے شمارد بیک جو مملکت کاؤس و کے را	(ت)

(۱) ترجمہ ۔ رات مطرب ہی کہ اس کا دل خوش رہے ۔ میں نے نے کا نالۂ جان سوز سنا ۔

(۲) ترجمہ ۔ میری جان میں اس کے سوز نے ایسا اثر کیا ۔ کہ میں نے کسی چیز کو بھی بے رقت نہ دیکھا

(۳) ترجمہ ۔ میرا دوست ایک ساقی تھا ۔ جو ہر دم زلف و رخ سے شمس و دی دکھاتا تھا ۔

(۴) ترجمہ ۔ جب اس نے میرا شوق دیکھا ۔ تو ساغر میں شراب بادہ کردی میں نے اس مبارک قدم ساقی کو کہا ۔

(۵) ترجمہ ۔ تو نے مجھے شر مستی سے رہا کر دیا ۔ جب تو نے پے در پے جام مے کا دور شروع کیا ۔

(۶) ترجمہ ۔ خدا تجھے مصائب کے شر سے بچائے (مدد کرے) اور خدا تجھے دونوں جہانوں میں جزائے خیر دے ۔

(۷) ترجمہ ۔ جب حافظ بیخود ہو گیا ۔ تو کب سمجھتا ہے ۔ ایک جو کے برابر ملک کاؤس و کے کو ۔

چونکہ غزل کے عام قاعدہ کے برخلاف اس غزل میں تسلسل مضمون موجود ہے ۔ اور بطور قطعہ کے خواجہ صاحب نے ایک خاص واقعہ کو منظوم کیا ہے ۔ اس لئے ضروری نہیں کہ ہر ایک شعر کی علیحدہ علیحدہ شرح لکھی جاوے ۔ چنانچہ تمام غزل کے متعلق جو کچھ کہنا ہے ۔ اکٹھا لکھا جاتا ہے ۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ گذشتہ رات کو مطرب سے کہ خدا اس کے دل کو ہمیشہ خوش رکھے نے کے نہایت جان سوز نالے سننے ۔ جن کو سن کر میرے دل میں اس قدر رقت پیدا ہوئی ۔ کہ مجھے معلوم ہوتا تھا ۔ کہ ہر شے میں رقت پیدا ہو گئی ہے ۔ یہ عام قاعدہ ہے ۔ کہ جب کسی آدمی کے دل پر کوئی خاص کیفیت اپنی پوری طاقت سے طاری ہوتی ہے ۔ تو تمام دنیا کی چیزوں کو وہ آدمی اسی رنگ میں دیکھتا ہے ۔ روزانہ تجربہ کی بات ہے ۔ کہ اگر ہمارے دل میں کسی خاص واقعہ نے غم کی حالت پیدا کر دی ہو ۔ اور غم معمولی درجہ سے بڑھ گیا ہے ۔ تو تمام دنیا غمگین نظر آتی ہے ۔ جہان آنکھوں میں سیاہ ہو جاتا ہے ۔ برعکس اس کے اگر کوئی غیر معمولی فرحت ہمیں حاصل ہو جائے تو ہر ایک شے بشاش اور شاد نظر آتی ہے ۔ خواجہ صاحب کے دل پر بھی نالۂ نے کے سوز نے اس قدر گہرا اثر کیا ۔

اور اتنی رقت پیدا کی - کہ ان کو معلوم ہوا کہ ہر شے میں رقت پیدا ہو گئی ہے -
شیخ سعدی علیہ الرحمۃ سماع اور اس کے اثر کے متعلق فرماتے ہیں -

نہ مطرب کہ آواز پائے ستور	سماع است اگر عشق داری و شور
مگس پیش شوریدہ دل پر نزد	کہ او چوں مگس دست بر سر نزد
نہ بم داند آشفتہ سامان نہ زیر	بآواز مرغے بنالد فقیر
چو شوریدگان مے پرستی کنند	بر آواز دولاب مستی کنند
نہ بینی شتر بر حدائے عرب	کہ چونش برقص اندر آرد طرب
شتر را چو شور طرب در سر است	اگر آدمی را نباشد خر است

[illegible]
است کہ آتش در آہن و سنگ چنانکہ بر زخم آہن بر سنگ آں سر آتش آشکارا گردد و بصحرا افتد ہمچنیں سماع
آواز خوش موزون گوہر دل را جنبانند و در آں چیزے پیدا آورد و بے آنکہ آدمی را در اں اختیاری باشد - آواز خوش و موزون
متناسب است ہم مشابہتے دارد از عجائب عالم باں سبب گاہے در دل پیدا آید و حرکتے و شوقے پدید آورد و ہر کرا در
دل آتش شوق حق تعالیٰ باشد سماع او را مہم بود کہ آں آتش تیز تر گردد"

نے کی آواز میں درد و سوز اسقدر ہے - کہ شاید ہی کسی اور ساز میں ہو - مولانائے روم نے اپنی عظیم الشان
مثنوی کی بسم اللہ ہی نالہ نے سے کی ہے - اور کہا ہے -

آتش است این بانگ نے و نیست باد	ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد
آتش عشق است کاندر نے فتاد	جوشش عشق است کاندر مے فتاد
نے حدیث راہ پرخوں میکند	قصہ ہائے عشق مجنوں میکند
گر نبودے نالش نے را ثمر	نے جہاں را پر نہ کردے از شکر

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اسی محفل میں ہمارا ساقی اپنی شمع سے (رخ) - اپنی زلف سے ... تو محفل میں
کبھی شب دیجور اور کبھی روز روشن کی کیفیت پیدا کرتا تھا - زلف و رخ اور شمع و دے میں لف و نشر
غیر مرتب ہے - کیونکہ زلف کا تعلق دے سے اور رخ کا تعلق شمع سے ہے - نکتہ یا تکلس سخا شق
ہمیشہ روئے یار کو آفتاب سے اور زلف کو شب دیجور سے تشبیہ دیتے ہیں لفظاً ... دیجور کا ہے

بمعنی شب تاریک - مگر مولوی محمد غیاث الدین مؤلف غیاث اللغات فرماتے ہیں - کہ لفظ دے کو جو لوگ دیجور کا مخفف کہتے ہیں اور اس کی سند میں خواجہ حافظ کا یہ مصرع پیش کرتے ہیں غلطی پر ہیں کیونکہ لفظ دیجور صرف بطور کلمہ صفت شب کے ساتھ استعمال ہوتا ہے مطلق سیاہ رات کے معنوں میں کبھی استعمال نہیں ہوا - اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے - کہ خواجہ صاحب کی اس مصرع میں اصل لفظ فے ہے دے نہیں ہے - لفظ فے بمعنی سایہ و تاریکی استعمال ہوتا ہے - چنانچہ اس خیال کی تائید میں بعض نسخوں میں لفظ فے ہی لکھا گیا ہے -

آگے چل کر خواجہ صاحب فرماتے ہیں - کہ جب ساقی نے میری رقت کو ملاحظہ کیا اور دیکھا کہ مجھ میں آتش شوق شعلہ زن ہے - تو اس کو فرو کرنے کیلئے اس نے مجھے ساغر میں [illegible] جس پر میں نے مبارک قدم اور ریامین ساقی کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ تو نے مجھے پے در پے جام مے دیکر ہستی کے شر سے نجات دلوائی ہے - شر ہستی یا خودی اور مے کے متعلق مفصل طور پر دیوان کے سب سے پہلے شعر میں بحث ہو چکی ہے - اس کے اعادہ کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی - عربی شعر صرف ساقی کے حق میں بطور دعا کے استعمال ہوا ہے - لفظ نوائب بفتح اول و کسر ہمزہ جمع نائبہ ہے بمعنی مصیبت دارین تثنیہ دار بمعنی دنیا و عاقبت -

مقطع میں خواجہ حافظ نے کہا ہے کہ جب ہم بیخود ہو جائیں - تو پھر ملک کے کاوس اور کیخسرو کو ہم ایک جو کی وقعت نہیں دیتے - شراب کا خاصہ ہے - کہ سرور اور مستی میں انسان کو اسقدر خیالات کی بلندی نصیب ہوتی ہے - کہ دنیا کے تفکرات کا اس پر کچھ اثر نہیں رہتا - اور فی الحقیقت اس کی نظروں میں بادشاہوں کی بادشاہی نہیں جچتی - اور محبت الٰہی کا تو ایک جام انسان کو ایسا عالی ہمت بنا دیتا ہے - کہ وہ دنیائے دوں کو لات مارتا ہے - اور اپنی اس حالت کو تمام دنیا کی بادشاہی پر ترجیح دیتا ہے - اور سمجھتا ہے - کہ خدا کو پا لیا - امیر خسرو نے مطلع [illegible] کہا ہے

ظرفے بود کہ ساقی سپرد از ہمہ گاں ہوے تو ربود تا فتم	کم ز شتا بر دو بہ باقی سپرد تا ہمہ یا ہم چو قرا یافتم

مقطع میں لفظ جو کے استعمال میں ایک اور نکتہ بھی ہے - جو قابل ذکر ہے - خواجہ صاحب نے چونکہ اپنی بیخودی کو شراب کے ذریعہ حاصل کیا ہے - اور شراب جو سے ہی بنائی جاتی ہے - اسلئے

تمام دنیا کی سلطنت کو جو کے ایک دانہ کی قیمت بھی نہیں دیتا۔ یوں بھی جب کسی چیز کو بہت کم قیمت بتاتا ہے۔ اس کو جو سے مقابلہ کرتے ہیں۔

غزل (۹)

صوفی بیا کہ آینہ صافست جام را	۱	تا بنگری صفائے مے لعل فام را
راز درون پردہ ز رندان مست پرس	۲	کین حال نیست صوفی عالی مقام را
عنقا شکار کس نشود دام باز چین	۳	کانجا ہمیشہ باد بدستست دام را
من آن زمان طمع ببریدم ز عافیت	۴	کاین دل نہاد در کف عشقت زمام را
ما را بر آستان تو بس حق خدمت ست	۵	اے خواجہ باز بین بترحم غلام را
در عیش نقد کوش کہ چون آبخور نماند	۶	آدم بہشت روضۂ دار السلام را
در بزم دور یک دو قدح درکش و برو	۷	یعنی طمع مدار وصال دوام را
اے دل شباب رفت و نچیدی گلے ز عمر	۸	پیرانہ سر مکن ہنرے ننگ و نام را

(۹) حافظ مرید جام مے است اے صبا برو
وز بندہ بندگی برسان شیخ جام را (۹)

(۱) ترجمہ - اے صوفی آ کہ جام مے کا شیشہ صاف ہے۔ تاکہ تو شراب سرخ رنگ کی صفائی دیکھ صوفی سے مخاطب ہو کر خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ آ اور دیکھ کہ جام مے کا شیشہ صاف ہے۔ اور اس کے اندر سے مے لعل کا رنگ صاف نظر آ رہا ہے۔ یا طالب حق کے روشن دل کو دیکھ جس میں سوائے عشق خدا کے اور کچھ چیز نہیں ہے۔ اس لئے اس میں محبت الٰہی کی شراب گلرنگ صاف نظر آ رہی ہے۔ آ اور تو بھی اس سے کچھ فیض حاصل کر۔

(۲) ترجمہ - پردہ کے اندر کا راز مست رندوں سے پوچھ کیونکہ صوفی بلند مقام کا یہ حال نہیں مولانا عبد العلی بحر العلوم نے شرح مثنوی مولانا روم دفتر اول میں خواجہ حافظ کے اس شعر کی بھی ضمناً تشریح فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ صوفی کبھی صاحب حال ہوتا ہے۔ کہ حال و وقت اس پر

غالب ہوتا ہے - اور وہ غلبہ کی وجہ سے کوئی ایسی بات مُنہ سے نکال دیتا ہے - جو بظاہر خارج از آداب ہوتی ہے - ایسے صوفی کو صوفی مغلوب الحال کہتے ہیں - بوجہ غلبہ حال اس کی زبان پر وہ کلمات آجاتے ہیں - وہ معذور ہے - اور مجبور ہے - کہ اس کے حال نے اسے یہی حکم کیا - اور کبھی صوفی صاحب مقام ہوتا ہے - اس صورت میں وہ اپنے احوال کا خود مالک ہوتا ہے - محفوظ ہوتا ہے - اور آداب کا پابند پس صوفی صاحب مقام آداب شرعیہ علے وجہ الکمال محفوظ رکھتا ہے - اور افشائے راز جس کا مقتضی حال ہے - وہ نہیں کرتا - البتہ اس صورت میں کرتا ہے - کہ مامور ہو -

حکایت کہتے ہیں کہ ایک اہل اللہ نے حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کو لکھا - کہ کیا آپ کے پاس کوئی ایسا شخص ہے - جو ایک پیالہ پئے - اور مست نہ ہو - آپ نے جواب میں فرمایا - کہ ایسے ہی ہیں جو دریا پی جاویں اور ڈکار نہ لیں -

نبی کو راز درون پردہ سے پوری واقفیت ہوتی ہے - مگر وہ چونکہ صاحب مقام ہوتا ہے - اور عالی مقام ہوتا ہے - اس لئے وہ رازِ درونِ پردہ کو فاش نہیں کرتا - کیونکہ صاحبِ شریعت اور اور صاحبِ سنت نبی کو ضروری ہے - کہ صاحب مقام ہو - ولی بھی عموماً صاحب مقام ہوتے ہیں - اگرچہ اکثر مغلوب الحال ہی ہوتے ہیں

رندان مست سے مراد اس شعر میں صوفیان مغلوب الحال سے ہے منصور نے انا الحق کہکر راز درون پردہ کا افشا کیا - مگر کسی نبی نے یہ راز افشا نہ کیا - کیونکہ وہ مغلوب الحال نہ تھے - وہ عوام الناس کی رہنمائی پر مامور تھے - اور عوام الناس کیلئے افشا راز کسی صورت میں مفید نہیں ہو سکتا -

حکایت کہتے ہیں - کہ ایک روز شیخ احمد جامی ایک درخت کے نیچے بیٹھے تھے - اور کلاہ نمدی سر پر رکھی ہوئی تھی - فرمان رب العزت ہوا - کہ اے احمد کلاہ نمدی بیچتا ہے - شیخ نے جواب دیا - کہ خدایا تیرے پاس اس کی قیمت ہے؟ کہ خریدیگا - فرمان باری ہوا - کہ اے احمد جو کچھ تو مانگیگا دونگا - شیخ نے جواب دیا - کہ خدایا اگر تو دنیا اور عاقبت مجھے دے تو اس کے عوض نہیں لونگا - اور تو خود پہلے ہی میرا ہے - اور تیرے پاس کیا ہے کہ دیگا - حکم ہوا کہ احمد اتنی بے ادبی نہ کر - ایسا نہ ہو کہ میں اپنے بندوں کو کہدوں - اور پھر تم پر کوئی اعتبار ہی نہ کرے - شیخ نے کہا کہ تو بھی مرا ایسا نہ ہو کہ تیرے

کرم کا بیان میں تیرے بندوں کے سامنے کردوں اور پھر کوئی آدمی تیری بندگی [illegible]

اس روائیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ رازدرون پردہ کا اخفا ہی اچھا ہے۔

(۳) ترجمہ۔ عنقا کسی کا شکار نہیں ہوتا۔ جال اٹھالے کیونکہ اس جگہ ہمیشہ جال کے ہاتھ ہوا آتی ہے۔
عنقا۔ بالفتح۔ ایک دراز گردن پرندہ ہے بعض کے نزدیک اس کا وجود فرضی ہے۔ کیونکہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا۔ وجہ تسمیہ عنق بمعنی گردن معلوم الاسم اور مجہول الجسم اشیا پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

خوش قسمتی ہے خواجہ صاحب کی اس شعر پر ہی مولانا بحرالعلوم نے مثنوی کے دفتر سوئم کی شرح بیان بیان فرماتے ہوئے کچھ لکھا ہے۔ مثنوی کے جن شعروں کی تشریح کے ضمن میں مولانا نے اس شعر کی شرح فرمائی ہے۔ وہ یہ ہیں۔

چشم دریا دیگر است و کف دگر
کف بہل از دیدہ در دریا نگر
جنبش کفہا ز دریا روز و شب
کف ہمے بینی و دریا نے عجب
ما چو کشتیہا بہم بر میزنیم
تیرہ چشمیم و در آب روشنیم
اے تو در کشتی تن رفتہ بخواب
آب را دیدی نگر در آب آب
آب را آبے ست کو میراندش
روح را روحیست کو میخواندش

یہاں عنقا سے مراد ذات باری لیگئی ہے۔ اور تمام حکیم اور عارف اپنے عجز کا اعتراف کرتے آئے ہیں۔ کہ خداوند کریم کی ذات و صفات کے متعلق پتہ لگنا محال ہے۔ اس امر کی تصریح غزل نمبر (۹) کے شعر نمبر (۶) میں ہوچکی ہے۔ مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں۔ کہ ایک شارح نے لکھا ہے۔ کہ وہ لوگ جنہوں نے مشاہدہ ذات باری پردہ معنی میں حاصل کیا ہے۔ وہ اس مشاہدہ کو تجلی ذاتی خیال کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو ان اشعار میں تنبیہ ہوئی ہے۔ کہ وہ غلطی پر ہیں کیونکہ گرچہ یہ مشاہدہ محبوب ہے لیکن پردہ معنی میں ہے۔ مشاہدۂ ذات اور تجلی ذات وہ ہے۔ جو صورت اور معنی سے مبرا ہو۔ جس شخص نے مشاہدۂ ذات باری پردۂ معنی و روح میں کیا ہو۔ تو گویا اس کے لئے معنی و روح مرآت ہیں۔ اور ذات باری مرئیہ پس اس آدمی کو کس طرح معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ ذات حق عین روح ہے۔ اور سوائے ان مرآت معنی و روح کے جلوۂ ذات کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ اس

نہ یہ کہنا بجا ہے کہ مشاہدۂ ذات حاصل کرنا بالکل محال ہے۔ جس کو ہم مشاہدۂ ذات سمجھتے ہیں وہ مشاہدۂ عین ذات نہیں۔

[illegible]

[illegible] کیا کوشش کرتا ہے۔

نور تیرت در شب اندیشہ اوصاف تو	پس کجا یوں مرغ عقل از آشیاں مدانند

عمر خیام کی اس رباعی کا بھی یہی مطلب ہے۔

آنہا کہ محیط فضل و آداب شدند	در کشف علوم شمع اصحاب شدند
رہ زیں شب تاریک بردند بروں	گفتند فسانہ و در خواب شدند

مولانا بحر العلوم نے شرح مثنوی دفتر سوئم میں بحوالہ سند شیخ عبدالرحمٰن جامی و فتوحات مکیہ لکھا ہے۔ کہ قول اللہ تعالیٰ ویحذرکم اللہ نفسہ کا مدعا بھی یہی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ڈراتا ہے ان کو اپنے نفس سے تاکہ اس کی طلب نہ کریں۔ کہ سعی باطل نہ ہو۔

[illegible]

(۴) ترجمہ۔ میں نے اس رات آرام کی امید ختم کردی جب سے تیری عشق کی باتیں سنی شعر بالکل صاف ہے۔ عاشقی اور ہے ہی کیا۔ ع دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن۔

انوری نے کہا ہے۔ کہ

عاشقی چیست بستہ بودن	با غم و محنت آشنا بودن

(۵) ترجمہ۔ [illegible]

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ تیری آستان پر جبین سائی کی ہے اور رحم کا امیدوار ہوں۔ چونکہ شعر عاشقانہ طرز میں ہے۔ اسلئے حق خدمت کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ ورنہ حق خدمت کا ذکر بے ادبی ہے۔ صرف رحم کی درخواست ہونی چاہئے۔ لیکن عاشق و معشوق کے درمیان آداب کی اتنی قید نہیں ہوتی۔

(۶) ترجمہ۔ ہمیشہ نقد کی کوشش [illegible]

آنچہ نصیب قسمت۔ [illegible]

بہشت ــ قب زاہد بہشت یعنی چھوڑا۔ روضہ دار السلام۔ بہشت۔ جنت۔ چونکہ باغ بہشت جائے سلامت ہے۔ اسلئے روضہ دار السلام کہا گیا۔ لفظ بہشت بمقابل روضہ دار السلام خوب استعمال ہوا ہے۔

خواجہ صاحب نے یہ شعر نقد و نسیہ پر لکھا ہے۔ اور عیش نقد کو نسیہ پر ترجیح دی ہے۔ کہ عیش نقد کی کوشش کر۔ صرف وعدوں پر نہ رہ اور اپنے خیال کی تائید میں حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ پیش کیا ہے۔ کہ جب ان کو عیش نقد سے منع کیا گیا۔ تو بہشت جیسی چیز کو چھوڑ کر چلے آئے۔

ہر وقت خوش ز دست مدہ مغتنم شمار	کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست

حکیم عمر خیام نے بھی اسی مضمون پر یہ رباعی لکھی ہے۔

گویند بہشت و حور و کوثر باشد	در انجا مے ناب و شہد و شکر باشد
پر کن قدح بادہ و بر دستم نہ	نقدے ز ہزار نسیہ خوشتر باشد

ایک اور رباعی میں بھی عیش نقد کی تاکید کی ہے۔

ایں قافلہ عمر عجب مے گذرد	دریاب دمے کہ با طرب مے گذرد
ساقی غم فرداے حریفاں چہ خوری	پیش آر پیالہ کہ شب مے گذرد

ایک صاحب نے اس شعر کے معنی اس طرح بیان فرمائے ہیں "کہ زندگی ہی میں ترقی و فکر کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور جب موت آجائے گی۔ تو ایسے ہی پچھتاؤ گے۔ جیسے حضرت آدمؑ بہشت سے نکالے جانے پر وہاں کی عیش کیلئے پچھتائے تھے" چہ خوب!

(۷) ترجمہ۔ بزم دور میں ایک دو پیالے پی اور چلا جا یعنی وصال دوام کی امید نہ رکھ۔
شعر آسان ہے۔ قابل تشریح نہیں فرماتے ہیں۔ کہ بزم دور میں ایک دو پیالے ہی مل جائیں تو غنیمت جان لے اور چلا جا۔ اس بزم کو ثبات نہیں۔

چوں صبح اس چمن میں نہ ہم کھل کے ہنس لئے	فرصت رہی سو میر یہی اک نفس رہی

(۸) ترجمہ۔ اے دل جوانی گذر گئی اور تو نے عمر سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا (پھول نہ چنا) بڑھاپے میں ننگ و نام کی کوشش نہ کر۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جوانی گذر گئی اور تو نے سوائے بدنامی کے کچھ حاصل نہ کیا۔ اب عمر میں

ننگ و ناموس کا خیال چھوڑ۔

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن ... آخری عمر میں کیا خاک مسلماں ہونگے

(۹) ترجمہ۔ حافظ جام جم کا مرید ہے اے صبا جا اور بندہ کی طرف سے شیخ جام کو بندگی پہنچا۔
شیخ جام۔ جام مقام در خراسان (مولد ملا عبدالرحمٰن جامی) جام کے کسی بزرگ یا محل ہے۔
خواجہ قطب الدین یحییٰ جامی نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ ہو۔
خواجہ صاحب قاصد صبا کو کہتے ہیں۔ کہ شیخ جام کو جا کر میری طرف سے سلام عرض کردو اور کہدو
کہ حافظ جام جم کا مرید ہو چکا ہے۔ اب اسی بیعت کی ضرورت نہیں ہے مشہور ہے۔ کہ خواجہ صاحب نے
کسی کی بیعت نہیں کی (نفحات الانس) نیز دیکھو شعر ت ۹۔

غزل (۱۰)

رونق عہد شباب ست دگر بستان را	۱	میرسد مژدۂ گل بلبل خوش الحان را
اے صبا گر بجوانان چمن باز رسی	۲	خدمت ما برسان سرو و گل و ریحان را
اے کہ بر ماہ کشی از عنبر سارا چوگاں	۳	مضطرب حال مگردان من سرگردان را
ترسم آن قوم کہ بر دردکشاں می خندند	۴	در سر کار خرابات کنند ایمان را
یار مردان خدا باش کہ در کشتی نوح	۵	ہست خاکی کہ بآبے نخرد طوفان را
برواز خانۂ گردون بدر و نان مطلب	۶	کین سیاہ کاسہ در آخر بکشد مہمان را
گر چنین جلوہ کند مغبچۂ بادہ فروش	۷	خاکروب در میخانہ کنم مژگان را
نشوی واقف یک نکتہ ز اسرار وجود	۸	گر تو سرگشتہ شوی دائرۂ امکان را
ہر کرا خوابگاہ آخر بدو مشتی خاک است	۹	گو چہ حاجت کہ بر افلاک کشی ایوان را
ماہ کنعانی من مسند مصر آن تو شد	۱۰	وقت آن است کہ بدرود کنی زندان را
در سر زلف ندانم کہ چہ سودا داری	۱۱	کہ بہم برزدۂ گیسوی مشک افشان را
ملک آزادگی و کنج قناعت گنجیست	۱۲	کہ بشمشیر میسر نشود سلطان را

(۱۳)	حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش ولے دام تزویر مکن چون دگران قرآن را	(۱۳)

(۱) ترجمہ - دوبارہ باغ میں رونقِ عہد شباب ہے۔ بلبل خوش الحان کو پھولوں کی خوشخبری پہنچتی ہے -

(۲) ترجمہ - اے صبا اگر تو جوانانِ چمن کے پاس واپس جائے - تو سرو گل اور ریحان کو ہمارا اسلام کہیو -

بستان - مخفف بوستان - باغ - **ریحان** - ناز بو -

باغ میں پھر موسم بہار آگیا - اور بلبل خوش الحان کو پھولوں کی آمد کی خوشخبری پہنچ رہی ہے - عہد شباب سے مراد جوانی اور مجازاً موسم بہار - عاشق قاصد صبا کو کہتا ہے - کہ جب تو جوانانِ چمن کے پاس واپس جائے - تو میری طرف سے بھی ان کو سلام عرض کرنا - بستان سے مراد یار اور لیکر افسردہ کو امید وصال سمجھ کر حقیقت پر آپ خود پہنچ سکتے ہیں - کسی رہبری کی ضرورت نہیں -

(۳) ترجمہ - اے کہ تو چاند پر عنبر سارا سے ہالہ ڈالتا ہے - مجھ سرگردان کو مضطرب حال نہ بنا -

عنبر - ایک مشہور خوشبو ہے بعض کہتے ہیں کسی بحری جانور کی مینگنی ہے - اور غالب ظن یہ ہے - کہ یہ ایک خوشبودار موم ہے - جو پہاڑوں میں سے نکل کر دریا کے ذریعہ سمندر میں جاتا ہے - اور وہاں سے برآمد ہوتا ہے -

سارا یعنی خالص صرف عنبر مشک اور زر کی صفت میں استعمال ہوتا ہے - عنبر سارا یعنی زلف عنبرین -

چوگان - مخفف چولگان - چول یعنی خمیدہ گان کلمہ نسبت گو و چوگان کا مشہور کھیل ہیں جو خمدار لکڑی استعمال ہوتی ہے -

مطلب یہ ہے - کہ تو اپنے چاند جیسے نورانی چہرہ پر زلف سیاہ کو پریشان کر کے عاشق سرگردان کو زیادہ مضطرب نہ کر - زلف کو چوگان سے بوجہ خمدار ہونے کے تشبیہ دی ہے - نیز ماہ نما کی وجہ سے گو اور ہالہ کو چوگان سے تشبیہ دی جا سکتی ہے -

زلف کی پریشانی سے جو کیفیت عاشق کے دل کی ہوتی ہے - وہ پہلے ردیف الف کی غزل نمبر (۲) شعر نمبر (۲) اور غزل نمبر (۱) کے شعر (۷) کی شرح میں لکھی جا چکی ہے - اعادہ کی ضرورت نہیں

(۴) ترجمہ - میں ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ جو دُرد نوشوں پر ہنستے ہیں خرابات کے معاملات میں ہی ایمان کو ضرور دے بیٹھیں -

[illegible]

کار خود ہی وہ کار خرابات میں اپنے ایمان کو ضائع کردینگے - کار خرابات سے مراد یہاں سیاہ اعمالی ہے یہ لوگ میخواری کی تو تضحیک کرتے ہیں - مگر اپنے نامۂ اعمال کو نہیں دیکھتے - یہ مضمون ردیف ہذا کی غزل نمبر (۱۱) شعر نمبر (۶) میں بھی آچکا ہے - نیز دیکھو شعر ت ۳/۳ -

اخلاقاً بھی دوسرے کے عیبوں پر ہنسنا اچھا نہیں - حضرت رسول کریم صلعم نے فرمایا ہے - کہ "من عیب لاخیہ لم یمت حتیٰ وقع فیہ - یعنی وہ آدمی جو دوسروں کے عیب بیان کرتا ہے مرنے سے پہلے اپنی عیبوں میں خود گرفتار ہو جاتا ہے -

گر می خوری از دستِ ... زن مستان را	از دست دہد تو بہ غم یزدان را
تو خر بدبین فا کُن مے بخور ... م	صد کار کنی کہ مے غلام ستان را (خیام)

(۵) ترجمہ - مردانِ خدا کا دامن پکڑو کہ کشتی نوح میں ایک ایسی خاک ہے جو طوفان کو تھوڑے سے پانی کے برابر نہیں سمجھتی

یہ شعر ناصحانہ طرز میں ہے - فرماتے ہیں کہ مردانِ خدا کے ساتھ محبت پیدا کر - اور ان کی صحبت سے مستفید ہو - اور ساتھ ہی اپنے بیان کی تصدیق میں قصہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہیں - طوفان کے وقت حضرت نوح ع کے ساتھ کشتی میں جو کوئی موجود تھا بچ گیا -

حضرت نوح علیہ السلام گرچہ خاک سے تھے مگر اُن کے دل میں طوفان کی اتنی بھی منزلت نہ تھی جتنی ایک چلّو پانی کی - اور ان کی برکت سے اُن کے ساتھی بھی سب طوفان سے بخیر نکل گئے اسی طرح مردانِ خدا کی صحبت اختیار کرنے سے آدمی اس دنیا کے طوفانِ معاصی سے بچ سکتا ہے بعض شارحین نے خاک سے وہ مٹی مراد لی ہے - جو کشتی نوح ع میں تھی - اور جس سے حضرت نوح نے تیمم کیا تھا - کیونکہ آب طوفان قابل وضو نہ تھا -

(۶) ترجمہ - خانۂ گردوں سے باہر نکل جا - اور روٹی نہ مانگ کیونکہ یہ سیہ کاسہ آخر مہمان کو قتل کردیتا ہے -

سیہ کاسہ - ممسک - بخیل -

یہ شعر بھی اخلاقی ہے - مطلب یہ ہے کہ دنیائے دوں سے وفا کی امید مت رکھ - اس گھر سے نکل جا

کیونکہ آخر کار اس گھر کا نہمان ہمیشہ مارا جاتا ہے -

حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اسی مضمون پر فرمایا ہے - کہ

تحرز من الدنیا فان فنائہا ۔۔۔ محل فناء لامحل بقاء

ہر کہ از یں کاسہ یک انگشت خورد ۔۔۔ کاسہ سر حلقہ انگشت کرد - (نظامی)

(۷) ترجمہ - اگر مغبچۂ بادہ فروش ایسی جلوہ نمائی کرے تو میں پلکوں کو میخانہ کے دروازی کا جاروب بنا دونگا -

مغبچہ - بچۂ مغ   خاک روب - جاروب - جھاڑو -

یعنی مغبچۂ بادہ فروش کی جلوہ افروزی کی امید پر میں در میخانہ کو اپنی پلکوں سے صاف کروں گا گویا دیدہ و دل فرش راہ -

(۸) ترجمہ - اسرارِ وجود کے ایک نکتہ کا بھی تو واقف نہ ہوگا - اگرچہ تو دائرہ امکان میں گشتہ ہو جاوے

دائرہ امکان یعنی کائنات - اصطلاح اہل حکمت میں (۱) امکان اسے کہتے ہیں - جس کا عدم و وجود ضروری نہ ہوں چنانچہ جزئیات حادثہ مثل انسان و دیگر حیوانات نباتات و جمادات - ان کو ممکن الوجود کہتے ہیں (۲) امتناع اسے کہتے ہیں جس کا عدم ضروری ہو - جیسے شریک خدا - محال بھی کہتے ہیں (۳) وجوب اسے کہتے ہیں جس کا وجود ضروری ہو مثلاً ذات باری تعالیٰ - واجب الوجود بھی کہتے ہیں -

مطلب یہ ہے - کہ اگر تو تمام کائنات کے دائرہ میں گشتہ ہو کر پھرے - تو بھی ایک نکتہ کو حل نہیں کر سکتا

اس شعر کی تشریح الف ۹ اور الف ۲ وغیرہ اشعار میں گزر چکی ہے -

(۹) ترجمہ - جس شخص کی خوابگاہ آخر دو مشت خاک ہی ہو کہ اسے کیا حاجت ہے - کہ مکان کو آسمان پر پہنچاتا ہے -

یہ نصیحت بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے -

اعتبر یا ایہا المغرور بالعمر المدید ۔۔۔ این شداد بن عاد صاحب القصر المشید

اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر ت ۲۳

دل اے رفیق دریں کارواں سرائے مبند ۔۔۔ کہ خانہ ساختن آئین کاروانی نیست

(۱۰) ترجمہ۔ اے میرے ماہِ کنعان مسند مصر تیرا ہو گیا اب وقت ہے کہ تو قید خانہ کو الوداع کہہ

ماہ کنعان ۔ حضرت یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کی طرف اشارہ ہے۔ قید خانہ سے نکلنے کے بعد وہ آخر کار عزیز مصر بنے۔ یہاں ماہ کنعان سے مراد عاشق کا روح ہے۔ مسند مصر سے مراد وصال محبوب اور زندان سے مراد قالب عنصری ہے۔ جس میں طائرِ روح بند ہے۔

مولانا طوطی ترشیزی نے کہا ہے۔

وقت آں شد کہ دل از دام ہوس باز رہد	طوطی روح ز بیداد قفس باز رہد
طوطی روح رسد در شکرستان وصال	شاہبازیست ز غوغائے مگس باز رہد

(۱۱) ترجمہ۔ تیرے سر زلف میں نہیں جانتا کہ تو کیا سودا رکھتا ہے۔ کہ گیسوئے مشک افشاں کو تو نے پریشان کیا ہوا ہے۔

مطلب ظاہر ہے۔ کہ معلوم نہیں تجھے زلف کے متعلق کیا خیال ہے۔ کہ تو نے اپنے گیسوئے مشک افشاں کو برہم کیا ہوا ہے پہلے کئی دفعہ لکھا جا چکا ہے۔ کہ معشوق کی زلف کا عاشق کے دل پر کیا اثر ہوتا ہے۔ اس شعر میں الفاظ سر۔ سودا اور برہم زدہ جنوں کی نسبت سے آئے ہیں گویا تیری زلفوں کے سر میں کچھ جنون ہے۔ کہ ہمیشہ پریشان رہتی ہیں۔ پریشانی جنون کا خاصہ ہے

(۱۲) ترجمہ۔ ملک آزادگی اور گوشہ صبر ایک ایسا خزانہ ہے۔ جو تلوار سے بھی بادشاہ کو حاصل نہیں ہو سکتا

یہ شعر بھی اخلاق میں ہے۔ قطعہ ذیل بھی اسی مضمون پر ہے۔

دو قرص نان اگر از گندم است یا از جو	دو تائے جامہ اگر کہنہ است یا خود نو
بچار گوشۂ دیوار خود بخاطر جمع	کہ کس نگوید ازیں جا بخیز و آنجا رو
ہزار بار فزوں تر بہ نزد ابن یمین	ز فرِ مملکت کیقباد و کیخسرو

(۱۳) ترجمہ۔ اے حافظ شراب پی رندی کر اور خوش رہ لیکن دوسروں کی طرح قرآن کو فریب کا جال نہ بنا

خواجہ حافظ نے اس شعر میں ریاکاری اور تزویر کو تمام گناہوں سے بڑا گناہ بتایا ہے اور کہا ہے۔ کہ شراب خواری اور رندی اتنی معیوب نہیں جتنی ریاکاری۔ اور فی الحقیقت قرآن شریف کو فریب کا جال بنانا سب سے برا اور سب سے بڑا گناہ ہے۔

امیر خسرو دہلوی نے کہا ہے -

ورق تیرہ ز رخصت لقمان منہ	وصیت اسرار ام الکتاب ز ریکات سینہ شیطان منہ

غزل (۱۱)

بملازمان سلطان کہ رساند این دعا را	۱	کہ بشکر پادشاہی ز نظر مران گدا را
چہ قیامت است جانان کہ بعاشقان نمودی	۲	رخ ہمچو ماہ تابان دل ہمچو سنگ خارا
ز رقیب دیو سیرت بخدائے خود پناہم	۳	مگر آن شہاب ثاقب مددے کند خدا را
دل ذرہ تسوزی چو عذار بر فروزی	۴	تو ازین چہ سود داری کہ نمی کنی مدارا
مژہ سیاہت ار کرد بخون ما اشارت	۵	ز فریب او بیندیش و غلط مکن نگارا
ہمہ شب درین امیدم کہ نسیم صبحگاہی	۶	بہ پیام آشنائے بنوازد آشنا را

(۷) بخدا کہ جرعۂ دہ تو بہ حافظ سحر خیز
کہ دعائے صبحگاہی اثرے کند شما را (۷)

(۱) ترجمہ - بادشاہ کے نوکروں کو کون یہ دعا پہنچاتا ہے - کہ بادشاہی کے شکرانہ میں گدا کو نظر سے دور نہ کر - بملازمان سلطان - بوجہ ادب کوئی درخواست براہ راست سلطان کے نام نہیں ہوتی - ملازموں کے نام ہوتی ہے - کتب انشا کے ملاحظہ سے یہ بات روشن ہو سکتی ہے - مطلب یہی ہے - جو شعر العجم کا ہے - صاحب بہار عرفت نے اس شعر کا اردو ترجمہ یہ کیا ہے "سلطان کے ملازموں میں کون ایسا ہے جو ہماری یہ دعا پہنچائے - الخ" یہ ترجمہ بالکل بے معنی اور غلط ہے -

(۲) ترجمہ - اے جانان کیا قیامت ہے جو تو نے عاشقوں کو دکھائی یعنی چہرہ ماہ تابان کی مانند اور دل سنگ سخت کی طرح ہے -

عاشق کے لئے یہ بھی قیامت ہے کہ معشوق اپنا خوبصورت چہرہ دکھلا کر آ...

تعریف تو کرے۔ مگر بوجہ سنگدلی عاشق کی آرزو پوری نہ کرے۔

دریاب ہے کہ نہانی [illegible]	[illegible] ز [illegible] ما تیرے کی

حقیقی معنی [illegible]

سے اس کی شان جلالی مراد لے کر اپنا شوق پورا کر سکتے ہیں۔

(۳) ترجمہ۔ دیو سیرت رقیب سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ تاکہ وہ شہاب روشن خدا کی مدد کرے۔

شہاب۔ بکسر ستارہ روشن شعلہ آتش جو بلند ہو۔ وہ ستارہ جو آتشبازی کی طرح آسمان پر ایک جگہ سے دوسری جگہ تک نہائت سرعت سے دوڑتا ہوا کبھی کبھی نظر آتا ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ یہ رجم شیطان ہے۔ شیطان کو اس سے مار کر بھگایا جاتا ہے۔

ثاقب۔ بکسر قاف۔ روشن۔ درخشاں۔

مطلب صاف ہے خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ مجھے نفس امارہ سے جو شیطان کی طرح انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ ڈر رہتا ہے۔ البتہ اگر خدا تعالیٰ کی ہدائت کا چراغ رہنمائی کرے۔ اور نفس امارہ کو مغلوب کر دے۔ تو اندیشہ نہ رہے۔

(۴) ترجمہ۔ ذرہ (عاشق) کے دل کو تو جلاتا ہے۔ جب رخسار روشن کرتا ہے۔ تجھے اس سے کیا فائدہ ہے۔ کہ مدارات نہیں کرتا۔

نہائت آسان شعر ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ تو جلوہ افروز ہو کر تمام عالم کو اپنا شیدا بنا لیتا ہے مگر پھر اس بے نیازی سے تجھے کیا حاصل ہوتا ہے۔ کہ عشاق کے ساتھ لطف و مدارات نہیں کرتا

(۵) ترجمہ۔ تیرے سیاہ مژگان نے اگر ہمارے خون کا اشارہ کیا ہے۔ تو اس کے فریب سے ڈر اور اے معشوق غلطی نہ کر۔

یہ شعر بھی بالکل صاف ہے۔ اور معمولی عاشقانہ طرز میں ہے۔ عام نسخوں میں پہلے مصرع میں بجائے بر خون کے بخون لکھا ہے۔ جو غلط ہے۔ اور نکتہ موزون طبیعت پر عیاں ہے۔ بعض لوگوں نے اس شعر کے بھی حقیقی معنی بیان فرمائے ہیں۔ اور عجیب گل کھلائے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو کہا ہے۔ کہ "دنیا کے فریب [illegible]

ملتجی نہ کر - اور کہیں اپنے عشق میں تمنا نہ کرنا اللہ اکبر

(۶) ترجمہ - رات بھر اسی اُمید میں ہوتا ہوں کہ صبح کی ہوا معشوق کے پیغام سے عاشق کو شاد کرے -

عاشق کی رات ہمیشہ اسی امید میں گذرتی ہے - کہ صبح معشوق کی طرف سے کوئی نامہ و پیام آئیگا - شعرا ہمیشہ صبا کو یا نسیم صبح کو قاصد یار خیال کرتے ہیں - طالبانِ حق کی بھی عمر وصالِ محبوب کی آرزو اور امید میں بسر ہوتی ہے - عشق الٰہی کی صورت میں شب سے مراد زندگی مستعار ہوگی - شب نہیں بلکہ شب و روز -

(۷) ترجمہ - خدا کیلئے حافظِ سحر خیز کو ایک گھونٹ دے - کیونکہ صبح کی دعا تیرے حق میں اثر کریگی

خواجہ حافظ ساقی سے ایک جرعۂ مے کی درخواست کرتے ہیں - اور کہتے ہیں کہ حافظ سحر خیز ہے صبح کیوقت تیرے لئے دعا کریگا - جو موثر ہوگی - دعائے صبحگاہی تمام دعاؤں کی نسبت زیادہ مستجاب ہوتی ہے - چنانچہ میر نے کہا ہے -

اس وقت ہے دعا و اجابت کا وصل میر	اک نعرہ تو بھی کش دم صبح گاہ کر

اگر معشوق [illegible]

تیری درگاہ میں موثر اور قبول ہوتی ہے -

غزل (۱۲)

صبا بلطف بگو آں غزال رعنا را	۱	کہ سر بکوہ و بیابان تو دادۂ ما را
شکر فروش کہ عمرش دراز باد چرا	۲	تفقدے نکند طوطی شکرخا را
غرور حسن اجازت مگر نداد اے گل	۳	کہ پرسشے نکنی عندلیب شیدا را
بخلق و لطف تواں کرد صید اہل نظر	۴	بہ بند و دام نگیرند مرغ دانا را
چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی	۵	بیاد آر حریفان بادہ پیما را
ندانم از چہ سبب [illegible]	۶	[illegible] سیما را

جز ایں قدر نتواں گفت در جمال تو عیب		کہ خال مہر و وفا نیست روئے زیبا را
(۸)	در آسمان نہ عجب گر بگفتۂ حافظ سماع زہرہ برقص آورد مسیحا را	(۸)

(۱) ترجمہ ۔ اے صبا اس غزال کو نرمی سے کہہ کہ تو نے ہمکو کوہ و بیابان میں سرگشتہ کیا ہے
غزال ۔ بالفتح ۔ آہو ۔ ہرن ۔ بکسر اول غلط ہے ۔ رعنا بفتح زن گول وست ۔ زن خوشتن
آرا ۔ محاورۂ فارسی میں بمعنی زیبا ۔ خوشنما ۔ چالاک متکبر استعمال ہوتا ہے ۔ بیاباں ۔ بفتح ۔
بعض کہتے ہیں ۔ کہ بکسر ہے ۔ کیونکہ دراصل بے آباں تھا ۔ بمعنی صحرائے بے آب ۔
شاعر یہاں پھر صبا کو اپنا نامہ بر بناتا ہے ۔ اور کہتا ہے ۔ کہ جاکر میرے معشوق کو کہو کہ تیرے عشق میں
تیری طلب میں ہم صحرا گرد ہو گئے ۔ عاشق ہمیشہ بوجہ پریشانی طبیعت اور دیوانگی کے گھر کو چھوڑ کر مجنوں کی
طرح بادیہ نوردی اختیار کرتے ہیں ۔ غزال کو بوجہ خوبصورت آنکھوں کے معشوق سے تشبیہ دیتے ہیں
غزال کا تعلق کوہ و بیابان سے ظاہر ہے ۔ مرزا بیدل کوہ و بیابان میں نہیں جاتے ۔ اپنے دل
میں ہی تلاش محبوب کرتے ہیں ۔ اور راج کیا کرتے ہیں ۔

خیال نامحرم گریباں دوانید مارا بکوہ و صحرا		چہ سازد آوارۂ در دل کہ راہ بیرون حرم نگیرد

[illegible]
سر اڑا دیا" اور تشریح اس سے ہی بڑھ کر ہے "کوہ و بیابان میں سر دینا یعنی محنت و ثابت قدمی ۔
یعنی اے عاشقانِ خدا تم نے پیروان کی بہبودی کیواسطے بڑی بڑی محنتیں کیں " بلند پروازی قابل دید ہے ۔
(۲) ترجمہ ۔ شکر فروش کہ خدا اس کی عمر دراز کرے ۔ کیوں طوطی شکر خا پر مہربانی نہیں کرتا ۔
شکر فروش سے مراد معشوق شیریں لب ہے ۔ اور طوطی شکر خا سے مراد بوسہ کا طلبگار عاشق ۔
(۳) ترجمہ ۔ اے گل شاید غرور حسن نے تجھے اجازت نہ دی کہ تو عندلیب شیدا کی پرسش حال کرے
معشوق کو مخاطب کر کے کہا ہے ۔ کہ شاید تجھے غرور حسن نے اجازت نہ دی ۔ کہ تو اپنے عاشق شیدا
کی پرسش حال کرے ۔ اس خطاب میں قدرے طنز بھی پائی جاتی ہے ۔

تناسب یہ اعضا کے اتنا تجسّم		ابگاڑا ہے تجھے خوبصورت بنا کر

(۴) ترجمہ ۔ حسن خلق سے اہل نظر کو شکار کر سکتے ہیں ۔ مرغ دانا کو بند اور جال سے گرفتار نہیں کرتی

یہ شعر اخلاق میں ہے ۔ مطلب یہ ہے ۔ یعنی ہر شخص کو حسن سیرت ہی نافع ہو سکتی ہے ۔ اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ۔ مولانا حالی کا شعر ہے ۔ کہ

[illegible]	حسین ان میں لگتی ہے دولت زیادہ

[illegible]

کام نہیں آتا ۔ ممکن ہو یہ شعر پہلے شعر کے ساتھ قطعہ بند ہو ۔ اس صورت میں خلاصہ مطلب یہ ہوگا ۔ کہ اے گل تو نے اپنے حسن کے غرور میں بلبل کی پرسش حال نہ کی ۔ مگر یاد رکھ کہ دانا عاشق کو شید اکر نے کیلئے حسن سیرت ہی چاہیے ۔ صرف حسن صورت سے کام نہیں نکلتا ۔

(۵) **ترجمہ** ۔ جب تو دوست کے پاس بیٹھکر بادہ پیمائی کرے تو حریفان بادپیما (یا بادہ پیما) کو یاد کرے ۔

مطلب صاف ہے ۔ عاشق اپنے مخاطب کو کہتا ہے ۔ کہ اگر تو بزم جانان میں بیٹھکر مصروف بادہ پیمائی ہو ۔ تو ہم کو یاد کرنا ۔ بادپیما سے مراد پریشان حال ۔

[illegible]	[illegible]

عاشق کے لیے یہی پیام صرف بات نہیں [illegible]

(۶) **ترجمہ** ۔ میں نہیں جانتا کہ کیوں رنگ آشنائی نہیں ۔ سیہ چشم اور ماہ سیما ہی قدوں میں سیما ۔ بمعنی نشان یا علامت جس سے خیر و شر پایا جائے ۔ مجازاً بمعنی پیشانی جس سے آدمی کی خیر و شر کا پتہ ملتا ہے ۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں یہ معلوم نہیں ہوتا ۔ کہ حسینوں میں رنگ آشنائی کیوں نہیں ہوتا یعنی ان لوگوں میں بوئے وفا کیوں نہیں ہوتی ۔

[illegible] ہم [illegible]	خوب رو [illegible]

ظہیر فاریابی نے یہی کہا ہے ۔ کہ

[illegible] ازعشق مستان مطلب	[illegible]

اسی مضمون کو امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

[illegible] بوئے وفا [illegible]	آنکہ از [illegible]

(۷) ترجمہ - سوائے اس کے تیرے حسن و جمال میں کوئی عیب نہیں ہے کہ تیرے روئے زیبا پر مہر و وفا کا خال نہیں - اس شعر میں پچھلے شعر کی طرح پھر معشوق کی بیوفائی کا گلہ ہے -

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید	جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

(۸) ترجمہ - آسمان پر کیا عجب ہے - کہ حافظ کے کلام سے زہرہ کا سماع مسیحا کو رقص میں لائے - زہرہ - نام ستارہ معروف تیسرے آسمان پر ہے - بہ خوبصورتی اس کو رقاصہ فلک کے نام سے پکارتے ہیں -

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ کچھ عجب نہیں کہ میرا کلام آسمان پر بھی پہنچ چکا ہو - زہرہ میری غزلوں کو گا رہی ہو - اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سماع زہرہ سے وجد و رقص کی حالت طاری ہو گئی ہو - یہ معمولی شاعرانہ فخریہ مقطع ہے -

غزل (۱۳۱)

ساقیا برخیز و درده جام را	۱	خاک بر سر کن غم ایام را
ساغر مے بر کفم نہ تا ز بر	۲	برکشم این دلق ازرق فام را
گرچہ بدنامیست نزد عاقلاں	۳	ما نمے خواہیم ننگ و نام را
بادہ دردہ چند ازیں باد غرور	۴	خاک بر سر نفس نافرجام را
دود آه سینہ سوزان من	۵	سوخت ایں افسردگان خام را
محرم راز دل شیدائے من	۶	کس نمے بینم ز خاص و عام را
با دلارامے مرا خاطر خوش است	۷	کز دلم یکبارہ برد آرام را
ننگرد دیگر بسرو اندر چمن	۸	ہر کہ دید آں سرو سیم اندام را
از سر دنیا گذشتی مخمور	۹	خوش بخوریم خوش آرایام را
(۱۰) صبر کن حافظ بسختی روز و شب		عاقبت روزے بیابی کام را (۱۰)

(١) ترجمہ - اے ساقی آ جلد اور جام دے - غمِ ایام کے سر پر خاک ڈال -
خواجہ صاحب پھر ساقی سے جام مے کی درخواست کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے دنیا کے تفکرات سے نجات ہو - دیوان کے پہلے شعر کے نیچے اس امر کی پوری تفصیل کے ساتھ بحث ہو چکی ہے - کہ غم غلط کرنے اور مشکلات کو حل کرنے کا سب سے اچھا ذریعہ مے ہے - دیکھو شعر ۲۲
عمر خیام کی یہ رباعی اسی مضمون پر ہے -

[illegible]	[illegible]
طوفانِ غم ار در آید از پیش و پست	در بادہ گریز کشتیِ نوح تو اوست

(۲) ترجمہ - [illegible] دلق کو اتار دوں -
دلق - درویشوں کا پشمینی لباس - ازرق فام - نیلگون -
خواجہ صاحب ساغر مے کی درخواست کرتے ہیں تاکہ وہ دلق ریا کو تن سے اتار دیں اگر دلق ازرق فام سے مراد آسمان لی جائے - تو معنی ہونگے - کہ شراب کے نشہ سے مجھ میں اتنی عالی ہمتی پیدا ہو جائے کہ آسمان سے بھی اوپر نکل جاؤں - اور تاثرات گردوں سے بچ جاؤں -
(۳) ترجمہ - اگرچہ عقلمندوں کے نزدیک بدنامی ہے - مگر ہم ننگ و نام کے خواہاں نہیں -
خواجہ صاحب فرماتے ہیں - کہ گرچہ شراب پینا عقلمندوں کے نزدیک موجب رسوائی ہے - مگر ہمیں ننگ و ناموس کی ضرورت نہیں -
(۴) ترجمہ - شراب دے یہ بادِ غرور کب تک - بد انجام اور نامبارک نفس کے سر پر مٹی (دو)
اس شعر میں پھر یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے - کہ شراب خودی - یا غرور ہستی کو دور کرنے کیلئے ضروری ہے - نفس ناہنجار جو انسان کے دل میں غرور اور تکبر پیدا کرتا ہے - اور خیالات ملی و منی کا موجب ہوتا ہے یہ داروئے تلخ اسکے مرض کیلئے بہت مفید ہے - حکیم عمر خیام نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے -

مے خوردن من نہ از برائے طرب است	نے بہر فساد و ترک دین و ادب است
خواہم کہ بہ بیخودی بر آرم نفسے	مے خوردن و مست بودنم زین سبب است

مرزا غالب فرماتے ہیں

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو	یک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

(۵) ترجمہ - میری جلنے والے سینے کی آہ کے دھوئیں نے ان خام افسردہ دلوں کو جلا دیا۔
افسردگانِ خام سے وہ لوگ مراد ہیں جنکا عشق ناتمام ہے - اور بوجہ اس خامی کے ان کے دل پژمردہ ہوگئے یعنی وہ زاہدانِ ظاہر پرست جن کے دل مرجھا گئے ہیں
آتشِ عشق جو سینۂ عاشق میں ہوتی ہے - اس کا یہ خاصہ ہے - کہ وہ اس قسم کے خس و خاشاک کو جلا دیتی ہے - کیونکہ طالب حق کے راستہ پر ان لوگوں کے تاثرات سنگ راہ کا کام کرتے ہیں
ڈاکٹر اقبال نے قریب قریب یہی خیال ظاہر کیا ہے -

[illegible]	[illegible]

[illegible]
عاشقانِ صادق کو محرم راز صرف عاشقانِ صادق ہی ہوسکتے ہیں اور چونکہ ایسے لوگوں کی دنیا میں بہت کمی ہے - اسلئے خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ محرم راز نظر نہیں آتا جسکو میں قصۂ دردِ دل سناؤں -

[illegible]	[illegible]

(۷) ترجمہ - اس معشوق دلآرام کے [illegible] سے میرے دل کا آرام دور کر دیا -
دلآرام - آرام دل یعنی معشوق
اگرچہ عشق نے میرے دل سے صبر و آرام بالکل دور کر دیا ہے - مگر میں اپنے محبوب کے ساتھ خوش رہتا ہوں - عاشق کو اسی بے آرامی میں ہی آرام ہوتا ہے اور یہی بیقراری عاشق اس کے لئے قرار دل ہوتی ہے -
ع
عشق اگر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا
(۸) ترجمہ - پھر باغ میں سرو کو نہیں دیکھیگا - جس نے اس سرو سیم اندام کو دیکھ لیا -
سرو کو قد یار سے تشبیہ دیتے ہیں - خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ جس آدمی نے اس سیم اندام و سہی قد معشوق کو ایک دفعہ دیکھ لیا - اسکی نظر میں قد سرو کی کچھ قدر و منزلت باقی نہیں رہتی - اور فی الحقیقت سرو کو قد یار سے نسبت ہی کیا ہے -

سرو را قد یار نے تو بپسند	سرو بو پیستہ تا ترا تشبیہ

(۹) ترجمہ - دنیا سے تو [illegible] سے [illegible] - اور زمانہ تو ہی سے [illegible]
خواجہ صاحب فرماتے ہیں - کہ جب تو (جام مے کی برکت سے) آلام دنیا سے آزاد ہو گیا

تو پھر پلیجہ ہم شکر - یاد و خوشی کے زمانہ وقت کو بھی شرت خوشی سے گذار دے -

(۱۰) ترجمہ - اے حافظ دن رات کی سختی میں صبر کر - آخر کار تو ایک روز مقصود حاصل کریگا

اس شعر میں شاعر نے یہ ظاہر کیا ہے - کہ عاشق کو رات دن کی تکالیف سے اور ہجر عشق کی طغیانیوں سے بیدل نہیں ہونا چاہیئے - کیونکہ آخر کار کسی روز گوہر مقصود ضرور ہاتھ آئیگا -

اس شعر میں بھی عاشقانہ اور اخلاقی ہر دو پہلو موجود ہیں - مؤلف نے کہا ہے -

درازی شب ہجر است جان گداز ضرور
ولیک مے گذرد در امید صبح وصال

غزل (۱۴)

ما برفتیم و تو دانی و دل غمخور ما	۱	بخت بد تا بکجا مے برد آبشخور ما
از شمار مژہ چون زلف تو در گیرم دم	۲	تا صبا [illegible] تو سلامے برساند بر ما
بدعا آمدہ ایم ہم بدعا دست برآر	۳	کہ وفا با تو قرین باد و خدا یاور ما
گر ہمہ خلق جہان بر من و تو حیف خورند	۴	بکشد از ہمہ انصاف ستم داور ما
بسرت گر ہمہ عالم بسرم بخروشند	۵	نتوان برد ہوائے تو برون از سر ما
خاک آن شاہ [illegible] ہم دانی	۶	[illegible] رما
دردمندیم [illegible] از سوز درون	۷	[illegible] لب تشنہ چشم تر ما
ما ز وصف رخ زیبائے تو تا دم زدہ ایم	۸	ورق گل خجل است از ورق دفتر ما
زود باشد کہ بیاید بسلامت یارم	۹	اے خوش آن روز کہ آید بسلامت بر ما

(۱۰) ہر کہ گوید کہ کجا رفت خدا را حافظ
گو بزاری سفرے کرد و برفت از بر ما (۱۰)

(۱) ترجمہ - ہم چلے گئے تو جانتا ہے - اور ہمارا غمگین دل - بخت بد کہاں تک ہمارے آب ودانہ کو لے جائیگا -

لوگ کہتے ہیں کہ یہ غزل خواجہ صاحب نے شاہ شجاع کے فراق میں کہی ہے۔ کیونکہ وہ شیراز سے بغداد کو چلا گیا تھا۔ مترجم صرف لطریق [illegible] ہے۔ ورنہ خواجہ صاحب شیراز ہی میں تھے مگر مطلب صرف یہ ہے۔ کہ ہم اپنے معشوق سے جدا ہو گئے۔ [illegible] ہمارے دل پر اس صدمہ سے گذرتی ہے۔ وہ ہمارا دل جانتا ہے۔ یا ہمارا معشوق۔ خدا جانے ہمارے بُرے نصیبوں کی وجہ سے ہمارا آب ودانہ کہاں کا ہے۔

(۲) ترجمہ۔ پلکوں سے آنسوؤں کے قطرے گرا کر تیری ذات کیطرح موتیوں سے بھر دونگا۔ اس قاصد کو جو تمہارا سلام ہم تک پہنچائے۔

قاعدہ ہے۔ کہ جب کسی آدمی کی غیر معمولی طور پر خاطر منظور ہوتی ہو۔ تو اس پر زر و گوہر نثار کیا جاتا ہے خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی قاصد تیری طرف سے آکر مجھے تیرا سلام پہنچائے۔ تو میں آنکھوں سے گوہر اشک اسپر اسقدر نثار کرونگا جسقدر تیری زلفوں میں موتی پروئے ہوئے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ مراد ہے۔ کہ اسپر موتی نثار کرکے اسکو موتیوں سے بھر دونگا۔ شعرا آنسوؤں کو عموماً موتیوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ قاعدہ ہے۔ کہ خوشی کے وقت بھی انسان کے آنسو نکل پڑتے ہیں۔

(۳) ترجمہ۔ میں دعا کرنے لگا ہوں تو بھی دعا کیلئے ہاتھ اُٹھا کہ وفا تیرا یار [illegible] مددگار ہو خواجہ صاحب معشوق کو کہتے ہیں کہ آؤ مل کر دعا کریں۔ کہ خدا تمہیں وفا شعار کرے۔ اور میرا مددگار ہو خواجہ صاحب اس قسم کی دعاؤں میں عموماً معشوق کو شریک ہونے کیلئے کہتے ہیں۔ وکیہ [illegible] مدعا صرف یہ ہے۔ کہ تم دارا لیے وفا مت ہو۔

(۴) ترجمہ۔ اگر تمام خلق جہان تجھ پر اور مجھ پر حیف کریں۔ تو ہمارا خدا ان سے ظلم کا بدلہ لیگا۔

حیف۔ بالفتح۔ ظلم۔ ستم۔ جور۔ (از غیاث)

اگر اہل جہان تجھ پر اور مجھ پر بوجہ ہمارے عشق کے حسد کریں تو اس کا بدلہ خدا تعالیٰ ان سے خود لیگا۔

اس شعر کا ترجمہ کرتے ہوئے صاحب گلبن معرفت نے یہ گل کھلایا ہے۔ کہ اگرچہ جہان کی تمام خلق مجھ پر اور تجھ پر افسوس کرتی ہے۔ لیکن ہمارا خدا اس افسوس کو انصاف سے قتل کر دیتا ہے۔

(۵) ترجمہ۔ تیرے سر کی قسم اگر تمام جہان میرے سر پر شور کرے۔ ہمارے [illegible] نہیں ہٹا سکتی

بسرت۔ میں قسمیہ ہے۔ تیرے سر کی قسم۔

اس شعر میں اور پچھلے شعر میں تسلسل مضمون قائم ہو گیا ہے مطلب یہ ہے کہ تیرے سر کی قسم کہ اگر تمام جہان ہی میرے سر پر ترکِ عشق کیلئے جوش و خروش ظاہر کرے۔ تو بھی میرے دل سے تیری محبت اور تیرا عشق کم نہ ہوگا۔ اور خدا ان لوگوں کے جور و ستم کا بدلہ خود لیگا۔

(۶) ترجمہ۔ آسمان مجھ پر ہر طرف وارد کرتا ہے۔ تو جانتا ہے۔ اسکو ہماری جان پرور صحبت پر رشک آتا ہے۔

آسمان کو ہماری جان پرور اور روح افزا صحبت پر رشک آتا ہے۔ اور عاشق و معشوق کا مل بیٹھنا اسے نہیں بھاتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آسمان مجھ کو ایک جگہ قرار نہیں دیتا۔

(۷) ترجمہ۔ ہم دردمند ہیں اور ہمارے اندرونی سوز کی خبر دیتے ہیں ہماری پیاسے لب خشک و چشم تر۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ ہم دردمند ہیں اور ہمارے سوز سینہ کا ثبوت ہمارا دہن خشک و چشم تر ہے۔ دردِ دل سے ہمارے لب ہی خشک ہو گئے اور یہی اندرونی تپ بذریعہ تبخیر آنکھوں میں آ کر آنسو بن گئی۔

(۸) ترجمہ۔ ہم نے جب سے تیرے خوبصورت چہرہ کی تعریف کا دم مارا ہے۔ پھول کی پتیاں ہی ہماری کتاب کے ورق سے شرمندہ ہیں۔

جب سے ہم نے تیرے پھول جیسے چہرہ کی توصیف شروع کی ہے۔ ہماری کتاب کو ورق تیرے گلِ رخسار کی تعریف کی وجہ سے رشکِ گلزار ہو گئے ہیں۔

یعنی تیرے رخسار کی نزاکت اور رنگینی کی تعریف جب کاغذ پر لکھی گئی تو کاغذ میں بھی اتنی نزاکت اور رنگینی پیدا ہو گئی۔ جتنی برگِ گل میں بھی نہیں ہوتی۔

(۹) ترجمہ۔ جلدی ہو کہ ہمارا معشوق سلامتی سے واپس آئے۔ وہ دن بہت اچھا ہوگا۔ کہ سلامتی سے ہمارے پاس آئیگا۔

پہلے مصرع میں عاشق اپنے مشتاق دل کو تسکین دیتا ہے۔ کہ معشوق جلدی واپس آئیگا۔ یا دعا ہے۔ کہ اے خدا میرے محبوب کو جلدی سلامت واپس لا۔ دوسرے مصرع کا مضمون صاف ہے

ع اے خوشا آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی

(۱۰) ترجمہ۔ اگر کوئی پوچھے کہ کہاں گیا ہمارا حافظ کھوزاری سے سفر کیا اور ہمارے پاس سے چلا گیا۔

اس شعر کی ترکیب نحوی قدرے پیچیدہ ہے۔ دو طرح شعر پڑھا جا سکتا ہے اور دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ شاعر اپنے آپ کو مخاطب بنا کر کہے کہ اگر کوئی تجھ سے پوچھے کہ معشوق کہاں گیا۔

تو اے حافظ خدا را اسے یاد کر کہو - کہ وہ ہمارے پاس سے چلا گیا - اس صورت میں ابرہا سے مراد از کنارہا ہو گی - دوسری صورت یہ ہے - کہ معشوق کو مخاطب کر کے شاعر کہتا ہے - کہ ہمارے بعد اگر کوئی پوچھے - کہ خدارا بتاؤ حافظ کہاں گیا - تو کہو کہ روتا ہوا ہمارے پاس سے چلا گیا -

غزل (۱۵)

لطف باشد گر نپوشی از گدایاں روت را	۱	تا بکام دل ببیند دیدۂ ما روت را
ہمچو ہاروتیم دائم در بلائے عشق زار	۲	کاشکے ہرگز ندیدے دیدۂ ما روت را
کے شدے ہاروت فی رجیات [illegible]	۳	گر نگفتے شمۂ از حسن و ما روت را
بوئے گل برخاست گوئی از چمن بارت و بود	۴	بلبلاں مستند گوئی دیدہ چوں ماروت را

(۵) میکشم جور و جفا ہائیت ز ہجراں اے صنم / روئے بنما تا ببید حافظ ما روت را (۵)

یہ غزل کے متعلق بعض بزرگوں کا خیال ہے - کہ خواجہ حافظ کی [illegible] ہے [illegible]

اکثر نسخوں میں موجود نہیں دوسرے ان کا خیال ہے - کہ تکرار قافیہ باوجود صنعت ایہام کے خواجہ صاحب کی شایان شان نہیں ہے - واللہ اعلم بالصواب - چونکہ آج کل عموماً یہ غزل دیوان حافظ کے نسخوں میں موجود دیکھی جاتی ہے اس لئے اس کی تخفیف موزوں نہیں - اگرچہ مؤلف کی ناقص رائے میں یہ غزل ایسی معمولی طرز کی ہے - کہ حافظ کی زبان سے نکلی ہوئی معلوم نہیں ہوتی - شعروں میں بندش الفاظ بلاغت اور خیال کی آمد خواجہ صاحب کی معلوم نہیں ہوتی -

(۱) ترجمہ - مہربانی ہو گی - اگر تو سائلوں سے اپنے چہرہ کو نہ چھپائے - تاکہ حسب خواہش ہماری آنکھ تیرے چہرے کو دیکھ لے -

گدایاں - یعنی گدایاں - روت را - یعنی روئی خود را - دوسرے مصرع میں روت را بمعنی روئی ترا - مطلب صاف ہے -

(۲) ترجمہ - ہاروت کی طرح ہم ہمیشہ بلائے عشق میں خستہ حال رہتے ہیں کاش کہ ہماری آنکھیں کبھی تیرے چہرہ کو نہ دیکھتیں -

[illegible] ماروت ان دونوں فرشتوں نے [illegible] فرشتے [illegible]

کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان نفس میں گرفتار ہے اگر تمہاری بھی وہی حالت ہوتی جو انسانوں کی ہے تو تم ان سے بھی بدتر گناہوں کے مرتکب ہوتے۔ انہوں نے کہا نا۔ خدا تعالیٰ نے انسانی نفس انکو [illegible] دیکر انکی آزمائش کیلئے زمین پر بھیجدیا۔ جب یہ زمین پر آئے۔ تو ایک عورت زہرہ نام پر عاشق ہو گئے اور شراب پینے میں مصروف ہو گئے جسکی وجہ سے قتل ناحق اور بت پرستی کرنے لگے۔ خدا تعالیٰ نے انکو پھر آسمان پر جانے سے منع کر دیا۔ اور انکو اسی جہان میں عذاب دیا۔ کہ ان کو چاہ بابل میں سر کے بالوں سے لٹکا دیا۔ اور ابتک وہاں لٹک رہے ہیں۔
شعر کا مطلب صاف ہے۔ کہ ہم ماروت کیطرح بلائے عشق میں گرفتار ہیں کیا اچھا ہوتا کہ ہماری آنکھیں تمہارے منہ کو نہ دیکھتیں اور ہم اس بلا میں گرفتار نہ ہوتے۔

(۳) ترجمہ۔ ماروت اسکے چاہ زنخدان میں کب اسیر ہوتا۔ اگر اس کے حسن سے واقف ہوتا [illegible] ماروت [illegible] مطلب یہ ہے کہ اگر ہاروت ماروت اسکے حسن کے ایک شمہ سے واقف ہوتے تو اسکے چاہ زنخدان میں گرفتار ہوتے

(۴) ترجمہ۔ بوئے گل نے گویا باغوں میں تیرا چہرہ دیکھا بلبلیں مست ہیں گویا ہماری طرح تیرا چہرہ دیکھا ہے۔
بوئے گل باغ میں منتشر ہے۔ گویا تیرا چہرہ باغ میں مشک افشانی کر رہا ہے۔ اور بلبلیں بھی مست ہیں گویا انہوں نے ہماری طرح تیرے گل عارض کو دیکھ لیا۔

(۵) ترجمہ۔ اے معشوق تیرے ہجر میں دکھ اٹھا رہا ہوں۔ چہرہ دکھا تاکہ ہمارا حافظ تیرا چہرہ دیکھ سکے
اے معشوق میں تیرے ہجر میں ہر طرح کی مصائب اور تکالیف برداشت کر رہا ہوں کبھی تو تشریف لا تاکہ تیرا حافظ تیرے چہرہ کو دیکھ لے۔ یہ شعر بے مزہ معلوم ہوتا ہے۔ اور دوسرا مصرع خیال کے [illegible] ہے

غزل (۱۶)

تا جمالت عاشقان را زد بوصل خود صلا	۱	جان و دل افتادہ اند از زلف و خالت در بلا
آنچہ جان عاشقان از دست ہجرت میکشد	۲	کس ندیدہ در جہان جز کشتگان کربلا
ترک ما کردی کہ در رندی [illegible] جان من	۳	ترک مستوری [illegible] کردیم [illegible]
در غم عشق تو ہم شادی بہ ہنگام طرب	۴	صبح روز ایام عشرت را [illegible] لا

(۵)	حافظا گر پائے بوس شاہ دستت میدہد یافتی در ہر دو عالم زینت عز و عیش [illegible]	(۵)

(۱) ترجمہ - جب سے تیرے جمال نے عاشقوں کو اپنے وصل کی صلادی - جان و دل تیری زلف و خال سی بلا میں گرفتار ہو گئے۔

اس شعر میں صلا وہی صدائے الست بربکم ہے - جب حسن مطلق نے انسانوں کو خود بلا کر اپنا شیدا بنایا - اور پھر اس بلائے ہجران میں ڈالا -

[illegible] صحیح است		[illegible]

جان و دل اور زلف و خال میں لف و نشر مرتب ہے - عاشق کی جان معشوق کی زلف کی بلا میں پڑی - اور اس کا دل معشوق کے خال کی وجہ سے داغدار ہے - ع

اے داغ بر دل از غم خال تو لالہ را

(۲) ترجمہ - جو (مصائب) عاشقوں کی جان تیرے ہجر کے ہاتھ سے برداشت کر رہی ہے کسی نے جہان میں سوائے شہیدان کربلا کے نہیں دیکھے -

کشتگان کربلا سے مراد شہیدان کربلا ہے - لفظ کربلا مخفف کرب و بلا کا ہے -

(۳) ترجمہ - ہمارا معشوق اگر رندی اور مستی کرتا ہے - تو اے میری جان تجھے پہلے ہی مستوری اور زہد کا ترک کرنا چاہئے -

اگر ہمارا معشوق رندی و مستی کرتا ہے - تو ہمیں سب سے اول مستوری اور زہد کو ترک کرنا چاہئے اس شعر میں ترک اور ترک کا استعمال تجنیس محرف ہے - کیونکہ اختلاف حرکت ہے شعر کا مضمون قریباً وہی ہے - جو بے سجادہ رنگین کن والے شعر میں ہے -

(۴) ترجمہ - موسم عیش و موسم شادی اور وقت خوشی اور ایام عشرت کے پانچ دنوں کو اے دل غنیمت جان -

مطلب صاف ہے کہ یہ چار دن کی چاندنی ہے اس کو غنیمت جان - یہ موسم عیش ہمیشہ اسی طرح ہمیشہ نہیں رہیگا -

(۵) ترجمہ - اے حافظ اگر بادشاہ کی قدمبوسی تجھے حاصل ہو تو گویا تو نے دونوں جہان [illegible]

میں عزت اور عظمت کی زینت حاصل کر لی۔
شاہ سے مراد ممدوح یا معشوق۔ مگر غالباً ممدوح۔

ردیف (ب)

غزل (۱)

بدمید صبح کلہ بستہ سحاب	۱	الصبوح الصبوح یا اصحاب
مے چکد ژالہ بر رخ لالہ	۲	المدام المدام یا احباب
مے وزد از چمن نسیم بہشت	۳	خوش بنوشید دائماً مے ناب
تخت زرین زدست گل بچمن	۴	راح چون لعل آتشین دریاب
لب و دندان تو حقوق نمک	۵	داشت بر جان سینہ ہا کباب
در میخانہ بستہ اند دگر	۶	افتتح یا مفتح الابواب
در چنین موسمے عجب باشد	۷	کہ ببندند میکدہ بشتاب
زاہدا مے بنوش رندانہ	۸	فاتقوا اللہ یا اولی الالباب
گر نشان ز آب زندگی جوئی	۹	مے نوشین بجو بیانگ رباب
چون سکندر حیات اگر طلبی	۱۰	لعل نگار را دریاب
بر رخ ساقی پری پیکر	۱۱	موسم گل بنوش بادہ ناب

(۱۲) حافظا غم مخور کہ شاہد بخت
عاقبت برکشد ز چہرہ نقاب (۱۲)

(۱) ترجمہ - صبح پھوٹ رہی ہے اور بادلوں نے خیمے لگائے ہیں اے دوستو شراب صبح

(۱۲) شراب صبح (پیو)

کلہ - بالکسر و تشدید لام - (۱) باریک جالی کا پردہ جو مچھروں کو دور رکھنے کیلئے لگایا جاتا ہے (برہان) (۲) صاحب کشف و موید نے بمعنی خیمہ و سائبان لکھا ہے اور یہاں یہی دوسرے معنی ہیں شاعر کہتا ہے کہ صبح پھوٹ رہی ہے بادلوں نے سائبان لگائے ہیں - چاہیے کہ بزم اصحاب سجے اور دور صبوحی شروع ہو - بادلوں کو اکثر شعرا سائبان اور خیمہ سے تشبیہ دیتے ہیں چنانچہ چودھری خوشی محمد ناظر فرماتے ہیں ع - ہیں خیمے ڈیرے بادل کے کوہ نے قنات لگائی ہے

اس غزل میں خواجہ صاحب نے جو نقشہ موسم کا کھینچا ہے - وہ مےخواروں کے عین حسب منشا ہے

(۲) ترجمہ - قطرے لالہ کے رخسار پر گر رہے ہیں اے دوستو شراب! شراب! حاشیہ ناسمہ

ژالہ - (۱) اولا - ان معنوں میں اکثر ژالہ منجمدا کہتے ہیں تاکہ دوسرے معنوں کا شک نہ رہے چنانچہ قاآنی کہتا ہے

[illegible]　　　　[illegible]

(۲) اوس یا شبنم - نظم میں کئی دفعہ یہ لفظ بمعنی شبنم استعمال ہوتا ہے مثلاً شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا شعر

ژالہ بر لالہ فرود آمدہ ہنگام سحر　　　　راست چون عارض گلبوئے عرق کردہ یار

(۳) غالباً یہ لفظ مطلق بارش کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے -

لب غنچہ رخ لالہ بروں آورد ژالہ　　　　ز ابر بہاران [illegible] سحر

صبح کا وقت ہے - ابر چھا گیا ہے - گل لالہ پر شبنم کے قطرے پڑے ہیں - یا بارش کے قطرے پڑ رہے ہیں - موسم یوں بھی تو پُرشکن ہے - اور خواجہ صاحب کو غالباً شیخ سعدی کی طرح یہ نظارہ دیکھکر عارض گلبوئے عرق کردہ یار یاد آ گیا ہوگا - اور اس یاد میں احباب کو تاکید کرتے ہیں کہ ساغر کے دور کو علی التواتر جاری رکھو -

(۳) ترجمہ - باغ میں بہشت کی ہوا چل رہی ہے - خوشی سے ہمیشہ سے خالص پیئو -

شمیم - بادِ نرم - یا کوئی چیز جس میں خوشبو ہو -

اس شعر میں تو خواجہ صاحب نے چمن کو فردوس بریں کا ہم پلہ بنا دیا ہے - پھر مےناب بھی شراباً طہورا ہے -

(۴) ترجمہ - پھول نے باغ میں تخت زرین بچھایا ہے - اور شراب جو لعل آتشیں کی

طرح ہے - پیو - حاصل کرو -
راح - خوش ہونا - خوشی - شراب - یہاں بمعنی شراب آیا ہے -
رنگدار پھولوں کی کثرت سے گویا چمن میں فرش زریں بچھا ہوا ہے -

[illegible]	[illegible]

(۵) ترجمہ - تیرے لب و دندان کے حقوق نمک کباب شدہ سینوں کی جان پر ہیں -
لب و دندان - (مراد معشوق) کو نمکدان سے تشبیہہ دیتے ہیں اور تبسم کو نمک پاشی کہتے ہیں -

ع　تبسم سے وہاں خالی نمکدان ہوتے جاتے ہیں

لب و دندان سے یہاں تبسم مراد لے سکتے ہیں - کیونکہ تبسم کے وقت لب و دندان نظر آتے ہیں -
مطلب صاف ہے - کہ عاشقوں کے سینہ ہائے کباب پر تو نے تبسم سے نمک پاشی کی ہے یہ
عاشقوں کیلئے باعث مشکوری ہے - اور حق نمک کا اعتراف -

(۶) ترجمہ - شاید شراب خانہ کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے - اے دروازوں کے کھولنے
والے مشکل کو حل کرنے والے کھول دے -

(۷) ترجمہ - ایسے موسم میں عجب ہے - کہ شراب خانہ [illegible] [illegible]
ان دونوں شعروں کا مضمون ایک ہے - جب [illegible] الدین [illegible] شیراز و فارس کا
حکمران ہوا تو اس نے تخت نشین ہوتے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]
اور [illegible] شراب خانے [illegible] بند کر دیئے کا حکم صادر فرمایا - خواجہ صاحب
نے اور دیگر شعراء نے وقت نے اس واقعہ پر نظمیں لکھیں - خواجہ صاحب نے یہ غزل بھی
اسی وقت لکھی ہوگی - خواجہ صاحب کے دیوان میں دو اور غزلیں بھی اسی واقعہ پر ہیں -
خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ حکام وقت نے میخانے کا دروازہ بند کرا دیا ہے - اے
خدا تو تمام دروازوں کو کھولنے والا ہے - تمام مشکلات کو حل کرنیوالا ہے - اس دروازہ کو
بھی کھول - کیونکہ ان دنوں میں جب کہ موسم بہار شباب پر ہے اور جان ابر آلود ہے تختہ ہائے
گل رشک [illegible] بنے ہوئے ہیں میخانوں کا بند کرنا عجیب بدعت ہے - دیکھو غزل ۸ ردیف
ت اور غزل ۱۰ ردیف دال -

(۸) ترجمہ ۔ [illegible] ہر شب [illegible] شرح [illegible] زبان [illegible] خدا سے ڈرو

خواجہ صاحب یہاں زاہد کو بھی رندوں میں شریک ہونے کے لئے کہتے ہیں اس شعر کے دو طرح معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ زاہد اگر شراب پیتا ہے ۔ تو رندوں کی طرح پی ۔ یہ نہیں کہ تسبیح ہاتھ میں ہو اور تو بغل میں ہو ۔ ریاکاری نہ کر اور خدا سے ڈر دوسرے معنی یہ ہونگے کہ اے زاہد تو بھی رندوں کی طرح شراب پینا شروع کر تاکہ تو بھی مست اور بیخود ہو جائے ۔ اور زہد کے اس بارِ گراں سے سبکدوش ہو جائے ۔ کیونکہ تقوی اللہ صرف اولی الباب کے واسطے آیا ہے ۔ مست معذور ہیں ۔

(۹) ترجمہ ۔ اگر تو آب حیات کا پتہ لینا چاہتا ہے ۔ تو شرابِ خالص اور بانگِ رباب کی طلب کر ۔ آبِ زندگی ۔ چشمۂ حیوان ۔ آبِ حیات ۔ نوشین ۔ شیرین منسوب بہ نوش یعنی شہد (برہان قاطع)

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ آب حیات کا متلاشی ہے تو شراب اور نغمہ رباب کو تلاش کر کیونکہ نغمہ رباب اور شراب انسان کو زندگی بخشتے ہیں یعنی جان پرور و روح افزا ہیں

(۱۰) ترجمہ ۔ اگر سکندر کی طرح تو حیات ابدی چاہتا ہے تو معشوق کے لب لعل کی طلب کر (اسے حاصل کر ۔)

سکندر اور خواجہ خضر علیہ السلام کا قصہ مشہور ہے ۔ آب حیات کی تلاش میں نکلے تھے ۔ خضر نے تو پی لیا ۔ اور سکندر رہ گیا ۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر تو بھی سکندر کی طرح آب بقا کا پیاسا ہے ۔ اور حیات جاوداں کا طلب گار ہے ۔ تو معشوق کے لب لعل تک رسائی حاصل کر ۔ کیونکہ وہ عاشق کا آبحیات ہے ۔ امیر خسرو نے کہا ہے ۔

جان بودہ اند و چشمۂ حیات　　　　از لبِ [illegible] لعلت سرشتہ اند

ظہیر فاریابی نے بھی لب لعل کو آب بقا کہا ہے ۔

[illegible] سیاہ　　　　تو [illegible] شستہ ہند

اصطلاحات تصوف میں چشم و لب کے متعلق گلشن راز میں لکھا ہے ۔

ز چشمش خواست بیماری و مستی　　　　ز لعلش گشت پیدا عین ہستی

زچشم دوست دلہا ست مخمور	ز لعل اوست جانہا جملہ مستور
زچشم او ہمہ دلہا جگرخوار	لب لعلش شفائے جان بیمار
زغمزہ مے دہد ہستی بغارت	ببوسہ میکند بازش عمارت
زغمزہ عالمے را کار سازد	ببوسہ ہر زمان دل مے نوازد

(۱۱) ترجمہ ۔ ساقی پری پیکر کے سامنے موسم بہار میں شراب خالص پی۔

موسم گل ۔ موسم بہار ۔ در محذوف ہے ۔

(۱۲) ترجمہ ۔ اے حافظ غمگین نہ ہو ۔ کہ معشوق بخت آخرکار چہرہ سے پردہ اٹھائے گا ۔

وہی مضمون ہے ۔ جو شعر الف ۱۲ میں ہے ۔

غزل (۲)

گفتم اے سلطان خوباں رحم کن برایں غریب	۱	گفت در دنبال دل رہ گم کند مسکیں غریب
گفتمش مگذر زمانے گفت معذورم بدار	۲	خانہ پروردہ چہ تاب آرد غم چندیں غریب
خفتہ بر سنجاب شاہی نازنینی را چہ غم	۳	گر ز خار و خارہ سازد بستر و بالیں غریب
اے کہ در زنجیر زلفت جای چندیں آشناست	۴	خوش فتاد آں خال مشکیں بر رخ رنگیں غریب
بس غریب افتادہ است آں مور خط گرد رخت	۵	گرچہ نبود در نگارستان خط مشکیں غریب
مے نماید عکس مے در رنگ روئے مہوشت	۶	ہمچو برگ ارغوان بر صفحہ نسریں غریب
گفتم اے شام غریباں طرہ شبرنگ تو	۷	در سحرگاہاں حذر کن چوں بنالد ایں غریب
باز گفتم ماہ من آں عارض گلگون مہوش	۸	ورنہ تو خواہی ساخت را خستہ مسکیں غریب

(۹)	گفت حافظ آشنایاں در مقام حیرتند دور نبود گر نشیند خستہ و مسکیں غریب	(۹)

(۱) ترجمہ ۔ میں نے کہا کہ اے خوبصورتوں کے بادشاہ اس غریب پر رحم کر ۔ تو اس نے کہا کہ اپنے دل

کے پیچھے مسکین غریب گمراہ ہوا ہے۔

معشوق کا جواب بس یہی ہے۔ کہ ہمارا کیا قصور ہے تم اپنے دل کے پیچھے اس نوبت تک پہنچے۔ اب ہمیں کیا کہتے ہو۔ مرزا غالب نے شاید معشوق ہی یہی جواب سنکر اپنے آپکو طعن و ملامت کی تھی۔

دل دیا جان کے کیوں اسکو وفادار اسد
غلطی کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھا

[illegible]

زاں سمجھم کہ بدنبال دل ریش ۔ ا م
در تشبیب زلف پریشان تنم

(۳) ترجمہ [illegible]

کی تاب کس طرح لاسکتا ہے۔

بگذر کے ساتھ برما۔ محذوف ہے۔ خانہ پرور اور غریب بالمقابل آئے ہیں۔ غریب بمعنی مسافر ہوتا ہے۔ اس سے لطافت ظاہر ہے۔

(۳) ترجمہ۔ نازنین جو سنجاب شاہی پر سویا جاوے کیا غم۔ اگر کوئی غریب کانٹوں اور سخت پتھر سے بستر بالین بنائے

سنجاب۔ بالکسر ایک جانور کا نام ہے۔ جس کے پوست سے پوستین بناتے ہیں۔ رنگ خاکستری ہوتا ہے۔ اس جانور کے پوست کو بھی سنجاب کہتے ہیں۔ بالفتح بھی درست ہے۔

خواجہ صاحب معشوق کا جواب سن کر دل میں کہتے ہیں کہ فی الواقعہ تم تو آرام میں ہو۔ اسے دوسرے کا کیا فکر ہے۔ کہ کس حال میں ہے۔

(۴) ترجمہ۔ اے کہ تیری زلف کی زنجیر میں لاکھ آشناؤں کی جان ہے تیرے رخسار پر خالِ مشکین کیا اچھا مسکین مسافر ہے۔

مسکین غریب صرف رخ کے ساتھ نہیں بلکہ خال مشکین کے ساتھ ہے۔ کیونکہ خال رخ یار پر ایسا ہی اسی طرح ہے۔ جس طرح کوئی ننگا ترکستان میں۔

خالے کہ بعارض تو افتادہ
زنگی بحبشہ رو بچین نہادہ (حسن)

اشارہ بخال در اصطلاح تصوف۔

برآں نقطہ خالش بسیط است
کہ آں مرکز دور محیط است

از و شد خط دور ہر دو عالم
وز و شد خط نفس قلب آدم

ازاں خال لبِ چوں تنہا ست	زعکس نقطہ خال سیاہ است
چو خالش خال دل جز خون شدن نیست	وزاں منزل رہ بیروں شدن نیست
ندانم خال او عکس دل ما ست	و یا دل عکس خال روئے زیبا ست
زعکس خال او دل گشت پیدا	و یا عکس دل آں جا شد ہویدا
دل اندر روئے او یا او ست در دل	ہزاراں شید تا گشت پیدا مشکل

(۵) ترجمہ۔ تیرے رخسار کے گرد مورِ خط عجیب واقع ہوا ہے۔ اگرچہ نقش و نگار میں بہ خطِ مشکین عجیب نہیں ہوتا۔

مورِ خط۔ خط کو عموماً مورچہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ اگرچہ نگارستان میں خطِ مشکین کوئی عجیب بات نہیں ایک معمولی چیز ہے۔ مگر تیرے رخسار پر خطِ مشکین نہائیت خوبصورت اور نہائیت عجیب واقع ہوا ہے۔

رخ اینجا مظہر حسن خدا نیست	ہر او از خدا جدا بے کبریا نیست
زخش خط کشیدہ از نکوئے	کہ از ما نیست بیروں خوبروئے
خط آمد سبزہ زار عالم جان	ازاں کردند نامش آب حیوان
ز تاریکی زلفش روز شب کن	ز خطش چشمۂ حیوان طلب کن
خضر وار از مقام بے نشانی	بخور آبی خطش آب زندگانی
نہفتہ زیر ہر موئے از و ناز	ہزاراں بحر علم از پردہ راز

(۶) ترجمہ۔ تیرے چاند جیسے چہرہ کے رنگ میں عکس سے نظر آتا ہے۔ جیسے صاف ورق گل ارغوان صفحہ نسرین پر عجیب معلوم ہوتا ہے۔

ارغوان۔ ایک درخت ہے جس کی ٹہنیاں باریک ہوتی ہیں اور موسم بہار میں سارا درخت پھولوں سے لد جاتا ہے۔ اور پتے بالکل نہیں ہوتے دوسرے موسم میں سبز پتے لگتے ہیں اسکے پھول کو ارغوان کہتے ہیں۔

نسرین۔ بالکسر۔ ایک سفید خوشبو دار پھول۔ عربی لفظ ہے۔ فارسی میں نسترن کہتے ہیں۔ ہندوستان میں سیوتی کہتے ہیں۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ تیرے چاند جیسے چہرے پر شراب کا رنگ ایسا تعجب خیز رقت افزا

عجیب معلوم ہوتا ہے جیسا تختہ نسترین پر ارغوان کا پتہ ہو۔

(۷) ترجمہ - میں نے کہا کہ تیری لٹ سیاہ (نسبت کنت لف) مسافروں کی شام ہی سحر کے وقت جب یہ غریب روتا ہے تو وہ

طرہ شبرنگ سیاہ زلفیں پہلے کئی بار آچکا ہے کہ معشوق کی زلفیں عاشق کے دل پر کیا اثر

کرتی ہیں - عاشقوں کے لئے وہ بیقراری کا موجب ہوتی ہیں - اسلئے تمام غریبان کہا یوں ہی معشوق کی زلفوں

کو بوجہ لمبائی کے شب فراق سے تشبیہ دیتے ہیں اور بوجہ سیاہی شب دیجور کہتے ہیں -

نالہ سحر کے اثر کے متعلق نمبر شعر الف ... دیکھو

(۸) ترجمہ - پھر میں نے کہا کہ اے میرے چاند وہ پھول جیسا چہرہ نہ چھپا ورنہ تو ہم کو خستہ

حال و مسکین اور غریب بنا ویگا -

عارض معنی رخسار - ان معنوں میں یہ لفظ عارض ہوگا - عارضہ نہیں -

پچھلے شعر میں خواجہ صاحب نے زلف کی شب تار کا ذکر کرکے اب وہ عارض کی جلوہ نمائی

کی درخواست کی ہے مسافر یعنی سالک کیلئے چاندنی رات غنیمت ہوتی ہے -

(۹) ترجمہ - کہا کہ اے حافظ جب تیرا مقام حیرت ہی ہے تو عجب نہیں کہ غریب (مسافر)

خستہ و مسکین ہو کر بیٹھے -

اس شعر میں خواجہ صاحب نے گفتم اور یار گفتم کا جواب یہ دیا ہے کہ جب تمہارا ہی

مقام حیرت میں ہے تو پھر ایک مسافر جو ابھی درمیانی منازل کو ہی طے کر رہا ہے - وہ

کیونکر خستہ و مسکین نہ ہو -

غزل (۳)

آفتاب از روئے او شد در حجاب	۱	سایہ پروردا شد حجاب از آفتاب	
دست ماہ و مہر بربند د حسن	۲	ماہ بے مہرم چو بربندد نقاب	
از حیا لعلم یار استاد کہے	۳	گر روا دارند عشق نیم شب بخواب	

	خیانتہ مخمور و ز مستان خراب	۴	شاہدان مخمور و مستان یک بیک	
	آبرو یہ باد و دادم از شراب	۵	خون دل را جام دیدم از شرنگ	
	محتسب را حد بے حد و حساب	۶	از برائے بادہ مے باید زدن	
	در دم از مے شان زند بر آتش آب	۷	سوز مستان گر بداند محتسب	

(۸)	حافظا وعظ و نصیحت گو مکن ترک ترکان خطا بود و صواب	(۸)

(۱) ترجمہ - آفتاب اس کے چہرہ کی وجہ سے پردہ میں ہو گیا سایہ کو آفتاب سے حجاب ہوتا ہے - گویا آفتاب جو تمام روشنی کا منبع ہے - وہ بھی اس کے روئے روشن کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتا اور اس کے آفتاب رخ کے مقابل سایہ کے برابر ہے اور جس طرح سایہ آفتاب کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا آفتاب اس کے رخ کے سامنے نہیں آ سکتا۔ صوفیائے کرام کے نزدیک کائنات خدا کے نور کا عکس ہے - اور اسکی ذات کے مقابل کائنات فی الحقیقت سایہ کی حیثیت رکھتی ہے - ع

ہمہ ہستند آنچہ ہستی توئی

(نظامی)	چیست تا سایہ ای سایہ بائیم	آفتاب ہست تحت نشیں آنچہ ہستی

نیز مشہور ہے - کہ رسول کریم ؐ کا سایہ نہ تھا - پس یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کے روئے مبارک کے سامنے آفتاب بھی کچھ حقیقت نہ رکھتا تھا - اور ان کی ذات بابرکات خود ایک نور کا آفتاب تھا - جس کا سایہ ہونا ممکن نہ تھا -

(۲) ترجمہ - حسن سے ماہ و مہر کے ہاتھ باندھ دیتا ہے جب میرا نامہربان چاند نقاب ہٹاتا ہے ماہ و مہر اور ماہ بے مہر کا استعمال خیالات کی لطافت میں تجنیس تام ہے - بے مہر یعنی نامہربان -

(۳) ترجمہ - خیال ہو کوئی مجھے پھر نہیں پہچان سکیگا - اگر اسکو میں راز نہ بتاؤں - میں ہم خوش رہوں - خیالیہ وہی مضمون ہے - جو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے بیان فرمایا ہے -

آن را کہ خبر شد خبرش باز نیامد	این مدعیاں در طلبش بے خبرانند

تو ترجمہ جس حسب فرماتے ہیں کہ جو میرا اسکو تو اب میں ہی اہل ہوں تو میری یہ حفاظت بھی گئی

کہ پھر کوئی آدمی میرے خیالات کی وسعت اور رفعت کو نہیں پا سکیگا - یا یہ کہ کسی کا خیال بھی مجھ تک نہ پہنچ سکیگا -

(۴) ترجمہ - معشوق مستور اور مست بے صبر خانقہ آباد اور درویش خراب حال -
خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ادھر معشوق حیا چشم اور با تمکنت ہیں اور ادھر عاشق بے صبر ہو رہے ہیں - وہی مثال ہے - کہ خانقہ تو خوب با رونق اور آباد ہو - مگر درویش خستہ حال ہوں -
معمور اور خراب ضدین عموماً عمارت کی صفت ہو کر آتے ہیں مستوری اور مستی بھی ایکدوسری کی ضد ہیں

(۵) ترجمہ - آنسوؤں سے جام میں میں نے خون دل ڈال دیا - آبرو شراب سے برباد کر دی -
سرشک - بحر تین - قطرۂ آب چشم اشک - آنسو -
مطلب یہ ہے کہ میں نے جام شراب میں اپنا خون دل ڈالدیا - کیونکہ میری آنکھوں میں آنسو تھے -
ان کا عکس جام مے میں پڑا - اور بوجہ رنگ شراب کے وہی سرخ نظر آئے -

(۶) ترجمہ - شراب کے لئے مارنا چاہئے - محتسب کو مارنا بے حد و حساب -
محتسب - وہ اہلکار جسکے سپرد ممنوعات شرعی کا تدارک ہو - حد - شرعی سزا -
اس شعر کے دو طرح معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ محتسب شہر کو بے حد و حساب سزا دینی چاہئے کیونکہ وہ محتسب ہو کر شراب پیتا ہے - یا یہ کہ چونکہ وہ شراب ہمیں منع کرتا ہے - اس لئے سزا کا مستوجب ہے -

(۷) ترجمہ - اگر محتسب متوں کے سوز کو جانے - تو فوراً شراب سے اسکی آگ پہ پانی ڈالے
محتسب پر اظہار غضب کر کے خواجہ صاحب پھر خود کہتے ہیں کہ محتسب جو ہمیں مے خواری سے منع کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے - کہ وہ ہمارے سوز دروں سے ناآشنا ہے - اگر اس کو ہمارا سوز دل معلوم ہو جائے تو وہ اس آگ کو بجھانے کیلئے خود اس پر شراب چھڑکے -

(۸) ترجمہ - اے حافظ وعظ نصیحت کہو کہ نہ کرے - معشوقان خطا کو چھوڑنا اچھا نہیں -
خطا یا ختا - نام شہر مابین ترکستان و چین - و توران - ترکان خطا یعنی معشوقان -
صواب - ضد خطا یعنی درست و راست -
مطلب یہ ہے - کہ اے حافظ واعظ کو کہو کہ وعظ و نصیحت نہ کرے - اور ہمیں عشق

سے منع نہ کرے - کیونکہ عشق چھوڑنا اچھا کام نہیں -

ایک شارح صاحب کہتے ہیں کہ پہلے مصرع کا مکن دوسرے مصرع کے ترک ہی متعلق ہے یعنی ترک مکن معلوم نہیں کہ وہ تو د صواب کو پھر کیا کرینگے گو مکن عام محاورہ میں استعمال ہوتا ہے - خواہ ایک فعل کا مخاطب خود متکلم اور دوسرے کا مخاطب اغیار ہو - یا دونو کا مخاطب متکلم ہی ہو - مدعا ایک ہی ہے -

غزل (۴)

	تعالی اللہ چہ دولت دارم امشب	1	کہ آمد ناگہان دلدارم امشب	
	چو دیدم روئے خویش سجدہ کردم	2	بحمد اللہ نکو کردارم امشب	
	ہمال عشیم ازو صلش برآورد	3	زبخت خویش برخوردارم امشب	
	کشند نقش انا الحق بر زمین خون	4	چو منصور ار کشی بردارم امشب	
	برات لیلۃ القدرے بدستم	5	رسید از طالع بیدارم امشب	
	برآں عزمم کہ گر خود میرود سر	6	کہ سرپوش از تعلق بردارم امشب	
	تو صاحب گنجی من مستحقم	7	زکوٰۃ حسن دہ حق دارم امشب	
(۸)	ہمے ترسم کہ حافظ محو گردد ازیں شورے کہ سر دارم امشب			(۸)

اس غزل میں بھی تسلسل مضمون موجود ہے - عاشق کو وصال محبوب نصیب ہوا ہے - اور اسی خوشی میں وہ نغمہ سرائی کرتا ہے - اپنے مذاق کے مطابق اسے شاہد حسن مطلق خیال کریں یا وصال معشوق مجازی دونو صورتوں پر اس غزل کا اطلاق ہو سکتا ہے -

(۱) ترجمہ - سبحان اللہ آج رات کیا دولت پاتا ہوں کہ میرا معشوق ناگہاں آج رات آگیا -

(۲) ترجمہ - جب میں نے اسکا خوبصورت چہرہ دیکھا - تو سجدہ کیا - خدا کا شکر ہے کہ میں آج رات

خوش بخت (نیکو کار) ہوں۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر آج میں کیسا خوش نصیب ہوں کہ میرا معشوق ناگہاں تشریف آور ہوگیا۔ میں اس کے خوبصورت چہرہ کو دیکھکر شکر و تعظیم کا سجدہ بجالایا۔

دوسرے شعر میں نکوکردار کے معنی نیکوکار ہیں گویا سجدہ کرنے سے میں نکوکار ہوگیا۔ یا نکوکردار سے مراد نیک بخت لے لی جائے۔

(۳) ترجمہ۔ اسکے وصال سے میرے عیش کا درخت بارآور ہوا۔ اپنی بخت سے میں آج برخوردار ہوا۔ لفظ برخوردار مرکب ہے۔ اور اسکی ترکیب کے متعلق کئی رائیں ہیں (۱) پہلی اور اصح رائے یہی کہ یہ لفظ برخوردہ اور آر کا مرکب ہے آر کلمہ نسبت۔ برخور اور دار کا مرکب نہیں (۲) صاحب کشف نے یہاں ایک لطیفہ پیدا کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ لفظ مرکب ہے۔ بر اور خور اور دار سے یعنی بیرو بخور و بدار۔ (۳) تیسری رائے یہ کہ برخوردار بمعنی درست برخوردن کے ہے۔ دار بمعنی درست اس لفظ کے معنی ہر صورت میں ایک ہی ہیں یعنی کامیاب۔ برومند۔

(۴)۔ خون نقش اناالحق زمین پر بنائیگا منصور کی طرح اگر تو مجھے آج رات سولی پر لٹکائے۔

اس شعر میں حضرت منصور حلاج کے قصہ کیطرف اشارہ ہے۔ انہوں نے مغلوب الحال ہونے کی حالت میں اناالحق (میں خدا ہوں) کہدیا۔ جس پر بموجب فتویٰ شریعت ان کو سولی دی گئی مشہور ہے۔ کہ اُن کے خون کے قطروں سے بھی آواز اناالحق آتی تھی۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ آج وصال حاصل ہونے سے میں اسقدر فنا فی المعشوق ہوگیا ہوں۔ کہ اگر مجھے بھی آج معشوق سولی دے تو میرا خون زمین پر جب گریگا۔ تو نقش اناالحق پیدا کریگا۔ یعنی زمین پر خون سے اناالحق لکھا جائیگا۔ اہلِ تصوف کے نزدیک منصور کا اناالحق کلمۂ حق تھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک ذاتِ خدا کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں۔ اس لئے مطابق اصول ہمہ اوست۔ سب کچھ وہی ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ توحید آن نیست کہ او را یگانہ دانی۔ توحید آن است کہ او را یگانہ باشی۔ یعنی توحید یہ نہیں کہ تو خدا کو ایک جانے۔ بلکہ یہ ہے۔ کہ خود اس کے ساتھ ایک ہو۔ خواجہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ آج مجھے بھی مشاہدہ ذات سے رتبہ یگانگی حاصل ہوگیا ہے۔ اور میں بھی فنا فی اللہ ہو کر اناالحق کہنے کا مستحق ہوگیا ہوں۔

اس شعر کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اگر آج مجھے میرا معشوق قتل بھی کر دے۔ تو میں دعویدار نہونگا۔ چنانچہ اسکی تائید میں میرا خون بھی جب زمین پر گریگا۔ تو نقش انا الحق پیدا کریگا۔ یعنی وہ بھی شہادت دیگا۔ کہ خون حق ہے۔ یعنی خون جائز ہے۔ خون ناحق نہیں۔

(۵) ترجمہ۔ لیلۃ القدر کی برات میرے ہاتھ لگی بخت بیدار کیوجہ سے آج رات۔

برات۔ فارسی لفظ ہے۔ اس پروانہ کو کہتے ہیں جس کی بموجب خزانہ سرکاری روپیہ ملے یعنی چالان یا چک۔ مجازاً معنی دینا۔ عطا کرنا۔

لیلۃ القدر۔ یہ ایک رات ہے جو سال میں ایک بار آتی ہے۔ اس کے تعین کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ اور کوئی رائے قطعی نہیں۔ مگر کثرت رائے اس پر ہے۔ کہ یہ رات ماہ رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔ اس کی فضیلت کے متعلق قرآن شریف میں لکھا ہے۔ کہ "ہم نے قرآن شریف کو شب قدر میں بھیجا۔ اور تو کیا جانتا ہے۔ کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے فرشتے اور جبرائیل اس رات کو اترتے ہیں۔ ہر کام میں اس رات کو سلامتی ہے۔ اور یہ طلوع فجر تک ہوتی ہے"۔

مشہور ہے۔ کہ اگر آدمی اس تمام رات کو جاگتا رہے۔ تو ضرور مشاہدۂ الٰہی سے سرفراز ہوگا۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھ کو تیرے جمال سے آج ہی رات کو لیلۃ القدر کے فوائد حاصل ہوگئے۔

(۶) ترجمہ۔ یہ ارادہ ہے کہ اگر سر بھی چلا جاوے۔ خلق سے سرپوش آج رات اٹھا دونگا۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے آج اسقدر فرحت اور انبساط حاصل ہے اور اسقدر مستی پیدا ہوئی ہے۔ کہ ارادہ ہے۔ کہ آج ضرور ہی راز ہائے سربستہ کو فاش کردوں یعنی میں بھی وصال حق میں اس قدر محو ہو جاوٴں کہ منصور کی طرح انا الحق کہوں اور اگر سر بھی جاتا رہے۔ تو بھی اظہار حق اور افشائے راز سے باز نہ آوٴں۔ شعر کے مجازی معنی آپ خود نکالیں

گر تو خواہی زانکہ دوں عذر بخواں	از سیم کوتاہ کردم من زبان

(۷) ترجمہ۔ تو صاحب دولت ہے میں مستحق ہوں حسن کی زکوٰۃ دے میں آج گدا رہوں۔

اس مضمون پر خواجہ صاحب دوسری جگہ کہتے ہیں۔

زکوٰۃ ام دہ کہ مسکین فقیرم	نصاب حسن تو حد کمال است

یعنی تو متاعِ حسن بہت رکھتا ہے - اور صاحبِ نصاب ہے - تجھ پر زکوٰۃ فرض ہے [illegible]
اور مجھ پر زکوٰۃ جائز طور پر صرف ہو سکتی ہے -

(۸) ترجمہ - مجھے ڈر ہے کہ حافظ محو ہو جائیگا - اس شور سے جو آج رات میرے سر میں ہے

محو - بفتح میم - کاغذ یا تختی وغیرہ سے حروف یا نقوش کا مٹانا پاک کرنا - اصطلاحِ صوفیا میں عادات و اوصاف بشری کا کم ہونا زائل و معدوم ہونا (غیاث)

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں وصالِ محبوب میں اس قدر از خود رفتہ ہو گیا ہوں اور میرے سر میں اس قدر تصورات و تخیلات کا زور ہے - کہ مجھے ڈر ہے کہ میں بالکل بیخودی نہ ہو جاؤں -

غزل (۵)

صبح دولت میدمد کو جام ہمچو آفتاب	۱	فرصتے زین بہ کجا باشد بدہ جام شراب
خانہ بے تشویش و ساقی یار و مطرب بذلہ گو	۲	موسم عیش ست و دور ساغر و عہد شباب
شاہد و ساقی بدست افشان و مطرب پای کوب	۳	غمزہ ساقی ز چشم می پرستان بردہ خواب
خلوت خاص ست و جائے امن و نزہتگاہ انس	۴	اینکہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب
از خیال لطف مے مشاطہ چالاک طبع	۵	در ضمیر برگ گل خوش میکند پنہان گلاب
از پے تفریح طبع و زیور حسن طرب	۶	خوش بود ترکیب زرین جام با لعل مذاب

تا شد آن ماہ مشتری دُرہائے حافظ را بگوش
میرسد ہردم بگوش زہرہ گلبانگ رباب

(۱) ترجمہ - صبح اقبال کا طلوع ہے - جام شراب مثل آفتاب کے کہاں ہے اس سے اچھا وقت کب ہوگا - جام شراب دے -

صبح دولت سے مراد خوش نصیبی کا آغاز - صبح کی رعایت سے آفتاب لایا گیا ہے - جس طرح

صبح کے لیے آفتاب ضروری ہے - اسی طرح خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ صبح وصال ہے - جام شراب ضروری ہونا چاہیئے - اس سے بہتر پھر کون سا وقت ہوگا

(۲) ترجمہ - گھر باآرام - ساقی مہربان اور مطرب لطیفہ گو ہے - عیش کا موسم ہے - دور ساغر چلتا ہے اور جوانی کا زمانہ ہے -

اس شعر میں اور اگلے دو شعروں میں خواجہ صاحب نے بزم وصال کا نقشہ کھینچا ہے - خانہ بے تشویش سے یہ مطلب ہے - کہ وہاں کوئی مخل نہیں -

[illegible]		[illegible]

(۳) ترجمہ - معشوق اور ساقی رقص کرتے ہیں مطرب ناچ رہا ہے - ساقی کے غمزہ نے مے پرستوں کی آنکھ سے نیند دور کردی -

دست افشاں اور پاکوب - رقص کرنیوالا - ناچنے والا -

غمزہ - معشوق کا چشم و ابرو سے اشارہ کرنا -

(۴) ترجمہ - خلوت خاص ہے جائے امن ہے اور آرام کی پاکیزہ جگہ - الٰہی جو کچھ میں دیکھتا ہوں خواب میں ہے یا بیداری میں -

نزہت گاہ - پاکیزہ جگہ - سرسبز اور تازہ مقام - انس بالضم - آرام - الغنت -

اگر بالکسر پڑھیں - تو معنی آدمیان - مگر یہاں بالضم معنی آرام ہے -

دوسرا مصرعہ عام محاورہ میں استعمال ہوتا ہے - جب کسی آدمی کو کوئی خاص نعمت یا کوئی غیر معمولی خوشی خلاف امید مگر حسب خواہش مل جائے - تو اس موقعہ پر یہ مصرع پڑھا جاتا ہے - یعنی آدمی حیران ہوتا ہے کہ کیا یہ سچ ہے یہ نعمت ملگئی - غالباً یہ مصرع خواجہ صاحب کا اپنا نہیں -

خواجہ صاحب نے پچھلے تین شعروں میں فی الواقع ایسا سین کھینچا ہے - جو عاشقوں کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے - اور اگر کسی عاشق کو یہ موقع ہاتھ آجاوے تو بے شک وہ شک کرے گا کہ میں جاگتا ہوا - یا خواب دیکھ رہا ہوں -

(۵) ترجمہ - لطف مے کے خیال سے قدرت کے چالاک ہاتھ نے پھول کے پتوں کے اندر گلاب کو خوب پوشیدہ کیا ہے -

مشاطہ۔ بمعنی تشدید مین۔ وہ عورت جو عورتوں کے بالوں کو کنگھی کرے اور ان کو آرائش عروسانہ میں مدد کرے۔ ضمیر۔ اندرون دل۔ خاطر۔ ضمیر کی جگہ اگر خمیر پڑھیں تو بھی معنی وہی ہونگے۔

مشاطہ چالاک طبع دو طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ چالاک طبع صفت ہو۔ اور مشاطہ موصوف ہو یعنی مشاطۂ چالاک طبع بمعنی باد صبا یا یہ کہ مشاطۂ چالاک طبع پڑھا جائے۔ یعنی طبیعت یا قدرت کی چالاک مشاطہ یعنی قدرت مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہو کہ باد صبا یا قدرت اس خیال سے کہ گلاب لطف مے کو دوبالا کر دیتا ہے پھول کی پنکھڑیوں میں گلاب پیدا کرتی ہے۔

(۶) ترجمہ۔ طبیعت کی تفریح کیلئے اور حسن و خوشی کے زیب کیلئے جام زرین اور شراب ناب کی ترکیب بہت اچھی ہے۔

لعل مذاب۔ لعل مشہور قیمتی پتھر۔ مذاب بمعنی گداختہ شدہ۔ گلا ہوا۔ پگھلا ہوا۔ پگھلا ہوا لعل یعنی شراب سرخ۔ خواجہ صاحب نے عرق مفرح قلب کا اچھا نسخہ تجویز فرمایا ہے۔

(۷) ترجمہ۔ جب سے وہ ماہوش حافظ کے موتیوں کا کانوں کیلئے خریدار ہوا ہے۔ زہرہ کے کانوں میں ہر وقت رباب کی آواز جاری ہے۔

غلغلہ تنگ۔ آواز قلندران و شاطران۔ شادی کے موقعہ پر لوگ جو شور کرتے ہیں۔ آوازِ بلبل۔ آواز خوش۔ خوشخبری۔

ماہ و مشتری کے استعمال میں صفت ایہام ہے مشتری ایک ستارہ کا نام بھی ہے۔ اور یہاں بمعنی خریدار۔

مطلب یہ ہے۔ کہ جب سے وہ ماہوش دُرہائے حافظ یعنی کلام حافظ کو کانوں کے لئے خریدنے لگا ہے یعنی سننے لگا ہے۔ تب سے حافظ کی غزل اس بلند آہنگی سے رباب کے ساتھ گائی جانے لگی ہے۔ کہ زہرہ کے کانوں تک پہنچتی ہے۔ زہرہ ایک ستارہ ہے۔

غزل (۶)

ز باغ وصل تو یابد ریاض رضوان آب	۱	ز تاب ہجر تو دارد شرار دوزخ تاب
چو چشم من ہمہ شب جویبار باغ بہشت	۲	خیال نرگس مست تو بیند اندر خواب
بہ حسن عارض و قد تو بردہ اند پناہ	۳	بہشت و طوبیٰ طوبیٰ لہم و حسن مآب
بہار شرح جمال تو دادہ در ہر فصل	۴	بہشت ذکر جمیل تو کردہ در ہر باب
لب و دہان ترا اے بسا حقوق نمک	۵	کہ ہست بر جگر ریش و سینہائے کباب
بسوخت خستہ بیمار ما و بکام دل نرسید	۶	مدام اگر برسیدی ز لحجی خوشاب
گمان مبر کہ بدور تو عاشقان مستند	۷	خبر نداری از احوال زاہدان خراب
ہر ابد و ز لبت شد یقین کہ جوہر لعل	۸	پدید مے شود از آفتاب عالمتاب

(۹) بہل کہ عمر بیہودہ بگذرد حافظ
بکوش و حاصل عمر عزیز را دریاب (۹)

(۱) ترجمہ - تیرے وصل کے باغ سے باغ بہشت تازگی حاصل کرتا ہے - تیرے ہجر کی آگ سے دوزخ کی آگ گرمی لیتی ہے -

ریاض - جمع روضہ بمعنی مرغزارہا - باغات - رضوان - بالکسر یعنی خوشنودی و نام فرشتہ جو موکل دربان بہشت ہے - ریاض رضوان - رضوان کا باغ یعنی باغ بہشت -
شاعر کہتا ہے - کہ تیری بزم وصال ایسا روح پرور اور پرفضا مقام ہے - کہ باغ بہشت کو بھی جو رونق حاصل ہے - اسی سے ملی ہے - اور دوزخ کی آگ میں جسقدر جانسوزی ہے وہ بھی تیری ہجر کی جانگدازی کا ایک حصہ ہے - مطلب یہ ہے - کہ باغ بہشت میں جسقدر بھی کہ فرحت و راحت ہوگی وہ اس واسطے ہوگی - کہ وہاں محبوب کا مشاہدہ ممکن ہوگا -

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست	لیکن خدا کرے وہ تیری جلوہ گاہ ہو

اور اہل دوزخ کو صرف یہ عذاب ہوگا۔ وہ اسی درجہ ہو گا۔ کہ وہ مشاہدہ حق سے محروم ہونگے۔
وریہی تمام صوفیائے کرام کا خیال ہے۔

(۲) ترجمہ۔ میری آنکھوں کی طرح تمام رات باغ بہشت کی نہریں تیری مست آنکھ کی صورت خواب میں دیکھتی ہیں۔

جوئبار ۔ وہ جگہ جہاں بہت نہریں ہوں مطلق بہت نہر۔ **خیال** ۔ بالفتح پندار وصورت جو خواب میں دیکھی جاتے۔ یا بیداری میں تصور کیجائے۔ وہ صورت جو پانی میں یا آئینہ میں نظر آئے۔
مطلب یہ ہے۔ کہ میری آنکھوں کی طرح باغ بہشت کی نہریں بھی تمام رات خواب میں تیری مست آنکھوں کی صورت دیکھتی رہتی ہیں۔ یعنی صرف انسان ہی نہیں۔ بلکہ باغ بہشت خود تیرے دیدار کا مشتاق ہے۔
اس شعر کا دوسرا نسخہ بجائے **چو چشم** کے **در چشم** ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہونگے۔ کہ میری دونوں آنکھیں جو اشک افشانی کی وجہ سے جوئبار کی طرح بنی ہوئی ہیں۔ تمام رات خواب میں تیری نرگس مست کا تصور باندھے رہتی ہیں اس صورت میں یہ اعتراض کہ جوئبار کو خواب نہیں۔ وارد نہیں ہوتا۔

(۳) ترجمہ۔ تیرے حسن عارض اور قد کی پناہ مانگی ہے۔ بہشت اور طوبیٰ نے یہ اچھا ہے۔ ان کے لئے اور اچھی جائے پناہ ہے۔

طوبیٰ ۔ مونث طیب۔ (۱) بمعنی خوشبودار وتر و پاکتر۔ عیش۔ خوشی۔ بشارت فرحت۔ (۲) ایک درخت کا نام ہے۔ جو بہشت میں ہے۔ اور ہر اہل جنت کے مکان پر اس کی ایک شاخ ہے۔ ہر قسم کے میوے اور خوشبوئیں اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ **مآب** ۔ جائے پناہ

مطلب یہ ہے۔ کہ بہشت نے باوجود تمام خوبصورتیوں کے تیرے خوبصورت چہرہ کی پناہ مانگی ہے۔ اور طوبےٰ نے باوجود اس قدر راست قد ہونے کے تیرے قد کی پناہ مانگی ہے۔ اور ان دونوں کیلئے یہ بہت اچھا ہے۔ اور بہت اچھی جائے پناہ ہے۔ غزل ہذا کے شعر اول کی طرح یہاں بھی یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ باغ بہشت اور درخت طوبیٰ کو جس قدر حسن و برکت حاصل ہے وہ سب اس محبوب کے حسن کی برکت سے ہے۔ طوبیٰ لہم وحسن مآب۔ قرآنی الفاظ ہیں۔ عارف جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

طوبی کہ بہشت روضہ ایست از شاخ او برگ ایست	ہست از ریاض حسن تو یک دستہ گیاہ

صاحب گلبدن معرفت سے اس شعر کے معنی اس طرح کئے ہیں کہ "تیرے آدمی نے تیرے حسن و شمار اور قد کی پناہ مانگی - باغ بہشت اور طوبی اس کا ٹھکانہ ہے" اچھی گل افشانی کی ہے۔

(۴) ترجمہ - بہار نے ہر موسم میں تیرے جمال کی شرح کی بہشت کا ہر دروازہ تیرا ذکر جمیل کر رہا ہے مطلب یہ ہے کہ موسم بہار اور باغ بہشت کی رونق اور جمال صرف تیرے جمال کا عکس ہے ورنہ ان میں کیا دھرا ہے - شرح و فصل بہشت و باب اور جمال و جمیل کی لطافت ظاہر - کتاب شرح کے فصل و باب اور باغ بہشت کے دروازے ہوتے ہیں -

هر نقش که بر تخته هستی پیدا است | این صورت آن کس است کان نقش آراست

(۵) ترجمہ - تیرے لب و نمکدان کی بہت سی حقوق نمک زخمی جگروں اور کباب شدہ سینوں پر ہیں۔ دہن کو نمکدان کہتے ہیں - وہی مضمون ہے - جو شعر بالا میں ہے مطلب یہ ہے - کہ تیرے لب و دندان نے زخمی جگروں اور جلے ہوئے سینوں پر کئی دفعہ نمک چھڑکا ہے - اور عاشقوں کیلئے یہ باعث فرحت ہوا ہے عاشق ہمیشہ اپنے زخموں پر نمک ہی چھڑکا کرتے ہیں اور اسے مرہم سمجھتے ہیں لہذا حقوق نمک

شور ابہ سر شک سے دھوتا ہوں زخم دل | تیزاب میرے حق میں یہ مرہم سے کم نہیں | (ذوق)

اسی مضمون پر ہے -

مزا اس میں ہی تا ہی نمک چھڑکو مرے زخم کو | قسم لیلو نہیں عادت میری زخموں کو مرہم کی

(۶) ترجمہ - ہمارا دل جل گیا - اور مدعا کو نہ پہنچے - شراب اگر [illegible] جگر [illegible] آنسو نہ بہاتا

عارم - بقصد شراب - خوناب - خون اور آب - خون پانی ایک کرنا - نہایت رنج و غم کرنا - خون آنسوؤں سے بہانا - ششقت - خونابہ - شراب کو کہتے ہیں -

مطلب یہ ہے - کہ شراب عشق کافی نہ مل سکی - اسلئے ہم دل کو ہی خون کرتے رہے - مگر مدعا تک نہ پہنچے - ایک صاحب اس طرح فرماتے ہیں "ہمارا دل جل گیا - اور مقصد تک نہ پہنچا - پہنچ جاتا اگر آنسو نہ گرتا -

(۷) ترجمہ - یہ خیال نہ کر کہ تیرے عہد میں صرف عاشق ہی مست ہیں کیا تجھے زاہدوں کی خبر حال سے آگہی نہیں عاشق تو خیر تیری شراب عشق سے مست ہی ہیں - مگر ادھر زاہدوں کو دیکھو کہ وہ کسی اور نشہ میں ہی مخمور ہیں - ہم تیرے مست ہیں - اور وہ دنیا کی خرابات کے خراباتی - خواجہ کو ریاکار زاہدوں سے بہت ہی نفرت ہے - اور تمام دیوان اسی سے بھرا پڑا ہے -

(۸) ترجمہ — جیسے تیرے لب کو [illegible] لعل [illegible] آفتاب سے پیدا ہوتا ہے — مشہور ہے — کہ تمام خوبصورت اور قیمتی پتھر اور جواہرات اصل میں صرف معمولی پتھر ہوتے ہیں۔ سورج کی شعاعیں کسی کیمیائی ترکیب سے ان پر اپنا عمل سالہا سال تک کرتی ہیں اور انکو موجودہ آب و تاب دیتی ہیں —

خواجہ صاحب کہتے ہیں — کہ پہلے تو سنا ہی تھا — مگر اب یقین ہو گیا — کہ بیشک لعل آفتاب سے ہی بنتا ہے کیونکہ تیرے لب لعل تیرے آفتاب رخسار کے نور کے زیر اثر پرورش پاتے ہیں —

(۹) ترجمہ — حافظ نہ چھوڑ کہ عمر بیہودہ گزر جائے — کوشش کر اور عمر عزیز سے فائدہ اٹھا —

عمر عزیز — ارجمند — مرغوب — کمیاب —

ردیف — (ت)

غزل (۱)

بیا کہ قصر امل سخت سست بنیاد است — ۱ — بیار بادہ کہ بنیاد عمر بر باد است

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود — ۲ — ز ہر چہ رنگ تعلق پذیرد آزاد است

نصیحتے کنمت یاد گیر و در عمل آر — ۳ — کہ این حدیث ز پیر طریقتم یاد است

مجو درستی عہد از جہان سست نہاد — ۴ — کہ این عجوزہ عروس ہزار داماد است

چہ گویمت کہ بہ میخانہ دوش مست و خراب — ۵ — سروش عالم غیبم چہ مژدہا داد است

کہ اے بلند نظر شاہباز سدرہ نشین — ۶ — نشیمن تو نہ این کنج محنت آباد است

ترا ز کنگرہ عرش می زنند صفیر — ۷ — ندانمت کہ درین دامگاہ چہ افتاد است

غم جہان مخور و پند من مبر از یاد — ۸ — کہ این لطیفہ نغزم ز رہروے یاد است

رضا بدادہ بدہ وز جبین گرہ بکشا — ۹ — کہ بر من و تو در اختیار نکشاد است

نشان مہر و وفا نیست در تبسم گل — ۱۰ — بنال بلبل مسکین کہ جائے فریاد است

(۱۱)	حسد چہ میبری اے سست نظم بر حافظ قبول خاطر و لطف سخن خداداد است	(۱۱)

یہ غزل بندش الفاظ اور معانی کے لحاظ سے خواجہ صاحب کی مقبول ترین غزلوں میں سے ہے۔ دنیا کی ناثباتی اور بیوفائی بیان کی گئی۔ اور موتی پروے گئے ہیں۔ غزل میں تسلسل مضمون موجود ہے اور مقطع میں خواجہ صاحب کے حاسدانِ ماضی و حال کے بیہودہ اعتراضات کا مختصر جواب ہے۔

(۱) ترجمہ۔ آ کہ امیدوں کا محل نہایت ہی کمزور اور بنیاد والا ہے۔ جام لا کہ عمر کی بنیاد ہوا پر ہے۔

قصر امل ۔ امیدوں اور آرزوں کا مقام یعنی دنیا مشہور ہے۔ کہ دنیا بر امید قائم۔ سخت و سست کی بندش میں خواجہ صاحب نے کمال کیا ہے مطلب یہ ہے۔ کہ دنیا جو امید پر قائم ہے۔ نہایت کمزور بنیاد کا مکان ہے۔ کیونکہ امید خود محض ایک موہوم شے ہے امید و نکا سلسلہ انسان کیلئے موجب یاس ہے۔ اور باعث تکلیف۔ خواجہ صاحب جام کی طلب کرتے ہیں تاکہ اس سلسلہ بیم و امید سے نجات پائیں اور اس چندروزہ زندگی کو آرام سے گزاریں۔

[illegible]	اگر امید نہ ہمسایہ ہو تو خانۂ یاس

دوسرے مصرع میں ایک لطافت ہے جو قابل لحاظ ہے۔ مجازاً سست بنیاد چیز کو کہتے ہیں کہ اس کی بنیاد ہوا پر ہے۔ مگر یہاں عمر کی صورت میں تو فی الواقع انسانی زندگی کی بنیاد ہوا پر ہے۔ نفس ہمارا مایۂ حیات ہے۔

(۲) ترجمہ۔ میں اس شخص کی ہمت کا غلام ہوں۔ جو نیلے آسمان کے نیچے ہر ایک چیز سے جو رنگ تعلق قبول کرتی ہو۔ آزاد ہو۔

دنیا میں چونکہ ہر ایک چیز کو دوسری چیز سے ایک تعلق ہے۔ حیوانات۔ نباتات اور جمادات میں کوئی چیز کوئی فرد ایسا نہیں جو کسی دوسری شے سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ اسی لئے دنیا کا ایک نام نشاء تعلق بھی ہے۔ انگریزی فلاسفی میں بھی لکھا گیا ہے کہ کائنات تعلقات کا ایک جال ہے یعنی ہر ایک چیز کو مختلف دوسری اشیا سے مختلف تعلقات ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ آدمی جو کائنات میں سب سے زیادہ تمدن رکھتا ہے۔ زیادہ پابند تعلقات ہو۔ اور فی الحقیقت ہے بھی ایسا مگر خواجہ

صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میں اس شخص کی بلند ہمتی کا قائل ہوں گا۔ جو اس آسمان کے نیچے ہر ایک ایسی چیز سے جو رنگ تعلق اختیار کرے۔ آزاد ہو۔ خلاصۂ کلام یہ ہے۔ کہ وہ آدمی بے شک نہایت عالی ہمت ہے۔ جو دنیا کے تعلقات سے پاک ہو۔ صوفیائے کرام کے نزدیک انسان سچی خوشی صرف اسی صورت میں حاصل کر سکتا ہے کہ تعلقات دنیا سے آزاد ہو۔

تکلف گر نباشد خوش تواں زیست	تعلق گر نباشد خوش تواں مرد

اور سچ ہے کہ دنیا میں انسان کو جس قدر تکلیفات ہوتی ہیں۔ اور تمام اسباب جو دم بدم انسان کو مضمحل اور مضطرب کرتے ہیں۔ وہ تعلقات کی وجہ سے ہیں۔ [illegible]

بدنامیٔ حیات دو روزے نبود بیش	آں ہم کلیم با تو بگویم چساں گزشت
یک روز صرف بستن دل شد بایں و آں	روز دگر بکندن دل زیں و آں گزشت

ایک شارح نے اس شعر کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے۔ "کہ جتنی چیزیں آسمان کے نیچے ہیں سب میں اسی کا رنگ ہے۔ مگر پھر دیکھو تو وہ کسی میں نہیں۔ یعنی سب کچھ فانی ہے۔ اس اعتبار سے اگر وہ ان چیزوں میں ہوتا۔ تو فنا ہوتا۔ لیکن وہ باقی ہے۔ اس سے ظاہر کہ وہ سب میں ہے اور پھر کسی میں نہیں۔" شاید ناظرین اس شرح کی شرح فرما سکیں میں تو نہیں سمجھا۔

(۳) ترجمہ۔ میں تجھے ایک نصیحت کرتا ہوں۔ یاد رکھ اور اس پر عمل کر کیونکہ یہ بات میں نے پیر طریقت سے سنی ہے۔

(۴) ترجمہ۔ کمزور بنیاد اے جہان سے عہد و پیمان کی درستی نہ ڈھونڈھ۔ کیونکہ یہ بڑھیا ہزار ہا خاوندوں کی بیوی ہے۔

یہ دونو شعر قطعہ بند ہیں۔ عجوزہ بوڑھی عورت۔ داماد۔ مرد کو کہتے ہیں جس کی نئی شادی ہوئی ہو۔ بالمقابل عروس وہ عورت جس کی تازہ شادی ہوئی ہو۔ لفظ داماد ہمارے وطن میں بھی شوہر دختر استعمال ہوتا ہے۔ مگر یہ مجازی معنی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ دائم آباد کا مخفف ہے۔ یعنی دعائیہ لفظ ہے۔ جس کے معنی ہمیشہ آباد رہو۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ دنیا سے یہ امید نہ رکھ کہ یہ ہمیشہ کی پکی بنی رہے گی اور وفادار ہوگی کیونکہ یہ بڑھیا ہزارہا خاوندوں کی بیوی رہ چکی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں

یا عاشق الدنیا لتغیرک و تحبہا ہر طرف آراستہ روئے دگر	بنشستہ ہمی از ارتکب [illegible] ہر نفسش میل بشوئے دگر (امیر خسرو)

خواجو کا شعر ہے۔

دل در پیرزن عشوہ گر دہر مبند	کیں عروسے ست کہ در عقد بسے داماد است

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ

[illegible] میں دیکھا۔ پوچھا کہ تیرے کتنے شوہر ہیں۔ جواب دیا کہ حد شمار سے باہر ہیں۔ پوچھا کہ مر گئے یا طلاق دی جواب دیا کہ سب کو میں نے مار ڈالا۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا تعجب ہے کہ احمق دوسروں کے ساتھ تیرا یہ سلوک دیکھتے ہیں اور عبرت حاصل نہیں کرتے۔ تجھ سے محبت کرتے ہیں۔

اللّٰھم اعصمنا من سحرھا (خدایا ہم کو اسکی جادوگری سے بچا) کیمیائے سعادت۔

امیر خسرو دہلوی کہتے ہیں۔

ہست و خدایش ہمہ شوہ ساز ہر طرف آراستہ روئے دگر	شب عروسے اندرو برنا نواز ہر نفسش میل بشوئے دگر

(۵) ترجمہ۔ میں تجھے کیا کہوں کہ کل میخانہ میں جب میں مست و خراب تھا۔ عالم غیب کے مژدہ سنانے والے نے مجھے کیا کیا خوشخبریاں سنائیں۔

(۶) ترجمہ۔ (کہا) کہ اے بلند نظر والے اور سدرہ پر بیٹھنے والے شہباز تیرا آشیانہ یہ تکلیفوں کا گوشہ نہیں ہے۔

(۷) ترجمہ۔ تجھکو کنگرہ عرش سے بلا رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ اس جال میں تو کیا پڑا [illegible]

سروش۔ بفتحتین۔ نام جبرائیل علیہ السلام اور ہر فرشتہ کا نام جو پیغام خیر لائے۔ سدرہ۔ بالکسر۔ درخت کنار جو ساتویں آسمان پر ہے۔ اور اسے سدرۃ المنتہیٰ بھی کہتے ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام وہاں تک ہی پہنچ سکتے ہیں۔ صرف حضرت رسول کریم صلعم معراج کے وقت اس درخت سے آگے گئے اور کوئی فرشتہ وغیرہ نہیں گیا۔

نشیمن۔ پرندوں کا گھونسلہ۔ صفیر۔ پرندوں کی آواز جس سے پرندوں کو بلاتے ہیں۔ معرب سیٹی

ان تینوں شعروں میں خواجہ صاحب نے یہ بتایا ہے کہ انسان اگرچہ اس دنیا میں پیدا کیا گیا ہے اور اسی میں رہتا ہے - پھر بھی وہ دراصل عالم بالا سے تعلق رکھتا ہے - اور اس کا اصلی وطن بھی وہی ہے - جہاں سے وہ ابتدائے آفرینش میں آیا - اگرچہ اسے یہاں ضرور رہنا ہے مگر اس کو یہاں دل بستگی پیدا نہ کرنی چاہیئے - اور اس محنت آباد اور جال کو اپنا نشیمن نہیں جاننا چاہیئے - یہ صرف ایک عارضی قیام گاہ ہے - اس کو اپنا مستقل مسکن خیال کر کے تعلقات پیدا نہیں کرنے چاہئیں - اور ہمیشہ اپنی نظر کو بلند رکھنا چاہیئے - بلند نظر - سدرہ نشین - نشیمن - کنگرہ - صفیر - دام گاہ یہ سب الفاظ شاہباز کی رعایت سے آئے ہیں صنعت مراعات النظیر ہے

(۸) ترجمہ - دنیا کا غم نہ کھا اور میری نصیحت کو نہ بھول - کیونکہ یہ نادر نکتہ میں نے ایک سالک سے سنا ہے -

(۹) ترجمہ - قسمت پر راضی رہ اور پیشانی سے بل دور کر - کیونکہ مجھ پر اور تجھ پر اختیار کا دروازہ کھلا ہوا نہیں ہے -

یہ شعر قطعہ بند ہیں داده دیا ہوا - قسمت یعنی جو کچھ خدا نے تجھے دیا ہے -

خواجہ صاحب نے تسلیم و رضا اور جبر و اختیار کے متعلق لطیفہ کہا ہے - مطلب یہ ہے کہ جو خدا تعالیٰ نے تیری قسمت میں لکھا ہے - اس پر راضی ہو - اور شاکر رہو کیونکہ سوائے صبر و شکر کے چارہ نہیں انگریزی مثل ہے - کہ جس درد کا علاج نہ ہو - اسے برداشت کرنا ضروری ہے -

تسلیم و رضا پیشہ کن و شاد بزی	چوں نیک و بد جہاں بتدبیر تو نیست (خیام)

منشی سعدی نے یہ ارشاد فرمایا ہے　　نیز دیکھو شعر ت ۲۳۴

چو نتوان بر افلاک دست آختن	ضروری ست با گردش ساختن

(۱۰) ترجمہ - خندۂ گل میں مہر و وفا کا نشان نہیں ہے - اے مسکین بلبل رو کہ رونے کا مقام ہے - ظاہر ہے - کہ تبسم گل بالکل ناپائیدار ہے - پھول دو روز میں مرجھا جائے گا -

ریاض دہر میں پایا یوں تو رنگ نگہ گل	وفا کی جس میں ہو بو وہ گلی نہیں ملتی

اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر ت ۲۳

(۱۱) ترجمہ - اے خام مشق شاعر حافظ پر تو کیا حسد کرتا ہے - قبولیت اور لطف کلام خداداد ہے - مقطع میں خواجہ صاحب نے شعر کے حصول کے متعلق فخریہ کہا ہے کہ اے خام مشق شاعر

حافظ اپر کیوں رشک کرتا ہے۔ خوش نصیبی زور طاقت سے نہیں خدا داد ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست		تا نہ بخشد خدائے بخشندہ ۔

غزل (۲)

برو بکار خود اے واعظ این چہ فریادست	۱	مرا فتاد دل از کف ترا چہ افتادست
بکام تا نرساند مرا لبش چوں نائے	۲	نصیحت ہمہ عالم بگوش من بادست
میان او کہ خدا آفریدہ است از ہیچ	۳	دقیقہ ایست کہ ہیچ آفریدہ نکشادست
گدائے کوئے تو از ہشت خلد مستغنیست	۴	اسیر بند تو از ہر دو عالم آزادست
اگرچہ مستی عشقم خراب کرد ولے	۵	اساس ہستی من زیں خراب آبادست
دلا منال ز بیداد و جور یار کہ یار	۶	ترا نصیب ہمیں کردہ است و این دادست

(۷)	برو فسانہ مخوان و فسوں مدم حافظ کزیں فسانہ و فسوں مرا بسے یادست	(۷)

(۱) ترجمہ۔ اے واعظ جا اپنا کام کر یہ شور کیسا ہے۔ میرا تو دل ہاتھ سے گیا ہے۔ تجھ کو کیا ہوا ہے
ترا چہ افتادہ است ۔ افتادہ بمعنی مصیبت۔ اتفاق۔ حادثہ کے استعمال ہوتا ہے

دید خراب حال کو زاہد نے جب بڑا تو		تجھ کو پڑی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

(۲) ترجمہ۔ جب تک اس کے لب میرا مقصد پورا نہ کریں گے نے کی طرح تمام جہان کی
نصیحت میرے کان میں ہوا کی طرح ہے۔

اس شعر کا مضمون پچھلے شعر کے سلسلہ میں ہے۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ جب تک
معشوق کے لب مجھے اپنے مقصد پر نہ پہنچا دیں یعنی جب تک مجھے بوسہ نہ ملیگا۔
اس وقت تک میری خراب حالت میں رہوں گا۔ اور تمام جہان کی نصیحت مجھ پر قطعاً
کوئی اثر نہ کریگا۔ ظاہر ہے کہ نے کے پاس اگر کوئی منہ رکھ کر سرائی کرے تو وہ تمام

[illegible] دوسرے سرے سے نکل جائیگی
البتہ جب بنے کے اپنے لب سے متصل کرکے کوئی آواز کی جاوے - تو نتیجہ ظاہر ہے -
مولانا روم فرماتے ہیں -

با لب دمساز خود گر جفتمے	ہمچو نے من گفتنیہا گفتمے
ہر کہ او از ہم زبانے شد جدا	بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا

(۲۳) ترجمہ - اس کی کمر کو خدا نے نیستی سے پیدا کیا ہے - ایسا نکتہ ہے کہ کسی نے حل نہیں کیا -

شاعر ہمیشہ معشوق کی کمر اور دہان کو اتنا باریک اور تنگ بیان کرتے ہیں - کہ ان کے وجود و عدم میں شک ہو جاتا ہے - خواجہ صاحب فرماتے ہیں - کہ معشوق کی کمر کو خدا نے نیستی سے پیدا کیا ہے - گویا وہ ہے ہی نہیں - یا زیادہ سے زیادہ کہ ہے بھی اور نہیں بھی - مظہر جان جاناں نے دہن کی تنگی پر لکھا ہے -

کارسازان ازل نیستی ہستی نما	باہم آمیخت او را دہنے ساختہ اند

علی نقی کشمیری نے ایک ہی شعر میں میان و دہن کے عدم و وجود کا اس طرح فیصلہ کیا ہے -

دیدم میان یار و ندیدم دہان یار	نتوان بہ ہیچ دید چو در دیدہ موشد

جرأت بیچارے کو تو یوں ہی بہ نظر نہ آتا تھا - کہتا ہے -

جس سے کہتے ہیں تیری ہی کمر ہے	کہاں ہے کس طرف کو ہے کدھر ہے

پہلے مصرع میں ہی الفاظ ہیچ اور آفریدہ موجود ہے - انہی الفاظ کا دوسرے مصرع میں دوسرے معنوں میں استعمال ہونا خالی از لطف نہیں صنعت تجنیس ہے -

اگر میاں سے وہ تعلقات مراد لئے جائیں - جو عالم بالا کو عالم اسفل سے ہیں - یا جو انسان کے قوائے روحانی کو قوائے حیوانی سے ہیں - تو دوسرے معانی ظاہر -

(۲۴) ترجمہ - تیرے کوچہ کا گدا آٹھ بہشتوں سے بے پرواہ ہے - تیرا قیدی دونوں جہاں کی قیود سے آزاد ہے -

عاشقان حق کا بہشت یہی ہے - کہ وہ مشاہدۂ ذات مسبب الاسباب حاصل کریں

ان کے لئے بے شک بہشت نقد ہے تے ہیں۔

[illegible]	[illegible] (عرفی)

اسی طرح جو آدمی عشق الٰہی کے زنجیر میں اسیر ہو جاتے ہیں۔ وہ باقی تمام قیود سے آزاد ہو جاتا ہے۔ تعلقات ماسوائے اللہ کو وہ قطع کر دیتا ہے۔ اور تمام افکار و آلام سے پاک ہو جاتا ہے۔

[illegible]	[illegible] (انوری)

(۵) ترجمہ۔ اگرچہ عشق کی مستی نے مجھے خراب کر دیا ہے۔ لیکن میری ہستی کی بنیاد اس خرابی سے محکم ہو گئی ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ مستی عشق نے مجھے بظاہر خراب کر دیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ میری زندگی کی بنیاد اس خرابی سے آباد یعنی محکم ہو گئی ہے۔

[illegible]	[illegible]

دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ اگرچہ مستی عشق نے مجھے خراب کر دیا ہے۔ مگر چونکہ میری ہستی کی بنیاد ہی خراب آباد یعنی عالم فنا پر ہے۔ اس لئے اس کا خراب ہونا ہی بہتر ہے۔

(۶) ترجمہ۔ اے دل معشوق کے جور سے نہ رو۔ کیونکہ اس نے تیرے نصیب میں یہی کیا ہے اور یہ انصاف ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ تو ہجر یار میں بددل نہ ہو۔ تیری قسمت میں یہی تھا۔ اور یہ انصاف اور حکمت پر مبنی ہے۔ محبوب کی رضا پر سر تسلیم خم کر۔

(۷) ترجمہ۔ اے حافظ جا قصے نہ سنا اور جادو نہ پھونک۔ کیونکہ یہ کہانیاں اور افسوں مجھے بہت یاد ہیں۔

خواجہ صاحب کا یہ شعر اکثر ایسے موقعوں پر جہاں کوئی کسی کو بہکائے۔ یا اپنی رائے پر لانا چاہے یا خواہ مخواہ کسی آدمی پر نصیحت گوئی کی مشق کرے۔ استعمال ہوتا ہے۔ اور زبان زد شعروں میں سے ہے۔

غزل (۳)

روزہ یکسو شد و عید آمد و دلہا برخاست	۱	مے بمیخانہ بجوش آمد و مے باید خواست
نوبت زہد فروشان گران جان بگذشت	۲	وقت شادی و طرب کردن رندان پیداست
چہ ملامت بود آن را کہ چو ما بادہ خورد	۳	این چہ عیب است بر عاشق رند و چہ خطاست
بادہ نوشی کہ در و ہیچ ریائے نبود	۴	بہتر از زہد فروشی کہ در و روی و ریاست
ما نہ مردان ریائیم و حریفان نفاق	۵	آنکہ او عالم سر است بدین حال گواست
فرض ایزد بگذاریم و بکس بد نکنیم	۶	وانچہ گویند روا نیست نگوئیم رواست
چہ بود گر من و تو چند قدح بادہ خوریم	۷	بادہ از خون رزان است نہ از خون شماست
این نہ عیبیست کزین عیب خلل خواہد بود	۸	ور بود عیب چہ شد مردم بی عیب کجاست

(۹) حافظ از عشق خط و خال تو سرگردان است
ہمچو پرگار ولے نقطہ دل پابرجاست (۹)

اس غزل میں ایک حد تک مسلسل مضمون موجود ہے۔ خواجہ صاحب یہاں بھی زاہدان ریاکار اور رندانِ بادہ خوار کا مقابلہ کرتے ہیں۔ خواجہ صاحب کے مذہب میں ریا بدترین گناہ ہے۔

(۱) ترجمہ۔ رمضان گزر گیا۔ عید آگئی۔ اور دل جوش پر آئے۔ شراب مے خانہ میں جوش پر آئی۔ مانگنی چاہیئے۔

شعر کا مطلب صاف ہے۔ اس مضمون کو [illegible]

(۱)	ہلال عید بر اوج فلک ہویدا شد	کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد	
(۲)	عید آمد و کارہا نکو خواہد کرد	ساقی مے ناب در سبو خواہد کرد	(خیام)
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

ملا محمد سعید اشرف نے تو پورا رمضان کا مہینہ سہو اُسے خانہ میں گزار دیا۔ عید کے روز شاید معلوم ہوا کہ رمضان گزر گیا۔ ملا صاحب خواجہ صاحب سے بڑھ گئے۔

فریبا یک ماہ بمے خانہ اقامت کردم	اتفاقاً آں رمضان بود و ندانستم

(۲) ترجمہ۔ ریاکار اور سخت جان زاہدوں کی باری گذر گئی۔ رندوں کی شادی اور طرب کرنے کا وقت ہوا۔

گراں جاں۔ سخت جاں سست۔ کاہل (برہان قاطع)

خواجہ صاحب یہاں زاہدوں کو زہد فروش کہتے ہیں۔ کیونکہ ریاکار آدمی کا زہد اخلاص سے نہیں ہوتا۔ وہ گویا اپنے زہد کا خدا سے نہیں بلکہ لوگوں سے اجر حاصل کرتا ہے زاہدوں کو گراں جاں کہنے کے دو سبب ہوتے ہیں۔ ایک ان کی کاہلی اور دوسرے ان کی محبت دنیا کی وجہ سے سخت جانی۔ ظاہر ہے۔ کہ ماہ رمضان زاہدانِ ریاکار کی آمدنی کا مہینہ ہے

(۳) ترجمہ۔ اس آدمی کو کیا ملامت ہے۔ جو ہماری طرح شراب پیئے۔ (کیونکہ) یہ عاشق رند کے لئے نہ عیب ہے نہ خطا۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ عاشقانِ رند مشرب کے مذہب میں بادہ نوشی کوئی عیب نہیں

(۴) ترجمہ۔ شراب پینا جس میں کہ کوئی ریا نہ ہو۔ اس زہد فروشی سے اچھا ہے جس میں ریا ہے۔ اس شعر میں خواجہ صاحب نے صاف لفظوں میں زہد فروشی اور بادہ پرستی کا مقابلہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ ریاکاری سے بادہ نوشی اچھی ہے۔ اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر الف ۲۲ و الف ۷ ف

تو فخر با یں کنی کہ من مے نخورم	صد کار کنی کہ مے غلام است آں را

(۵) ترجمہ۔ ہم ریاکار نہیں اور نہ منافق ہیں۔ خدا جو بھیدوں کا جاننے والا ہے اس بات پر گواہ ہے

عالم سر۔ بھیدوں کا جاننے والا۔ عالم الغیب۔ خدا۔

(۶) ترجمہ۔ خدا کا فرض ادا کرتے ہیں اور کسی سے برائی نہیں کرتے۔ اور جس چیز کو کہتے ہیں کہ روا نہیں ہم کہتے ہیں روا ہے۔ (یا نگوئیم رواست۔ ہم نہیں کہتے کہ روا ہے)

بالفاظ مولانا شبلی خواجہ صاحب کی اخلاقی تعلیم اعلیٰ درجہ کی فلسفہ انسانیت کی

[illegible] تو وہ ان کی زبان سے یہ ہے -

مباش در پئے آزار و ہر چہ خواہی کن	کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

شعر مذا میں بھی خواجہ صاحب نے اسی اخلاق کی تعلیم کی ہے - اور تمام مذاہب کی تعلیم کا لب لباب اور خلاصہ یہی ہے - کہ آدمی کسی کے ساتھ برائی نہ کرے - کسی کا دل نہ دکھائے - دل آزاری سے بڑا گناہ کوئی نہیں - دیکھو شعرات ۳۳ و شعرات ۳۴)

شکست شیشۂ یک دل چناں است	کہ چندیں کعبہ ویران کردہ باشی

(۷) ترجمہ - کیا ہوا اگر میں اور تو چند پیالے شراب کے پی لیں - شراب انگور کا خون ہے تمہارا خون نہیں -

اس شعر میں پھر خواجہ صاحب نے بادہ نوشی کا دوسرے گناہوں سے مقابلہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں - کیا ہوا - کہ ہم نے شراب پی - وہ زیادہ سے زیادہ انگور کا لہو ہے - آدمی کا لہو نہیں - وہ لوگ جن کی آمدنی میں مال حرام کا حصہ ہو - وہ گویا دوسرے انسانوں کا خون پیتے ہیں - جو پیسہ ایک غریب آدمی نے خون پانی ایک کرکے کمایا ہو - اگر دوسرا آدمی بغیر حق وہ پیسہ اس سے حاصل کرلے - تو گویا اس آدمی نے اس غریب کا خون پیا - زاہدانِ ریاکار جو کسب معاش سے بےفکر ہوتے ہیں - اور زہد فروشی کرکے سیم و زر اکٹھی کرتے ہیں وہ گویا انسانوں کا لہو پیتے ہیں - ع سود بے سرمایہ ہے سرتا بہ پا ان کی معاش
اور حرام کھاتے ہیں - خواجہ صاحب کہتے ہیں - کہ انسانوں کے خون سے انگور کا خون برا نہیں

تو خون کساں خوری و ما خونِ رزان	(خیام)	انصاف بدہ کدام خونخوار تریم

(۸) ترجمہ - یہ ایسا عیب نہیں - جس سے خلل واقع ہو اور اگر عیب ہے تو کیا ہوا بے عیب آدمی کہاں ہے -

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اول تو شراب پینا کوئی ایسا عیب نہیں - جس سے خلل واقع ہوگا - اور اگر ہے ہی تو بتایئے بے عیب کون ہے -

ناکردہ گناہ در جہاں کیست بگو		واں کس کہ گنہ نکرد چوں زیست بگو

تو گویا زاہد بھی گناہ گار اور رند بھی گناہ گار مگر - ع - کہاں وہ برائی کہاں یہ برائی -

(۹) ترجمہ ۔ حافظ تیرے خط و خال کے عشق میں سرگردان ہے ۔ مانند پرکار کے لیکن دل کا نقطہ ایک جگہ قائم ہے ۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ہم تیرے خط و خال کے عشق میں سرگردان ہو گئے ۔ مگر ہمارا دل اپنے مرکز پر قائم ہے ۔ یعنی ہم تعلقات دنیا سے سرگردان ہونے کے باوجود اپنے ایمان پر قائم ہیں ۔

[illegible]

غزل (۴)

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست	۱	سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست
سرم بدنیا و عقبے فرو نمے آید	۲	تبارک اللہ ازین فتنہا کہ در سر ماست
در اندرون من خستہ دل ندانم کیست	۳	کہ من خموشم و او در فغان و در غوغاست
دلم ز پردہ برون شد کجای اے مطرب	۴	بنال ہاں کہ ازین پردہ کار ما بنواست
مرا بکار جہاں ہرگز التفات نبود	۵	رخ تو در نظر من چنین خوشش آراست
نخفتہ ام بخیالے کہ مے پزم شبہا	۶	خمار صد شبہ دارم شراب خانہ کجاست
چنین کہ صومعہ آلودہ شد بخون دلم	۷	گرم بباده بشوئید حق بدست شماست
ازاں بدیر مغانم عزیز مے دارند	۸	کہ آتشے کہ نمیرد ہمیشہ در دل ماست
چہ ساز بود کہ بنواخت مطرب عشاق	۹	کہ رفت عمر و ہنوزم دماغ پر ز صداست
خمار عشق تو دی شب در اندرونم بود	۱۰	کجاست [illegible]

(۱۱) ندائے عشق تو دوشم در اندرون دادند (۱۱)
فضائے سینہ حافظ ہنوز پر ز صداست

(۱) ترجمہ ۔ جب تو اہل دل کی بات سنے تو یہ نہ کہو کہ غلط ہے اے دلبر تو سخن فہم نہیں غلطی یہیں ہے

سخن - یہ لفظ تین طرح پڑھا جا سکتا ہے (۱) سُخُن (۲) سُخَن (۳) سَخُن۔ شعر کا مطلب صاف ہے - دوسرا مصرع بطور مثل عام استعمال ہوتا ہے -

(۲) **ترجمہ** - میرا سر دنیا اور عقبےٰ کے لئے نہیں جھکتا - ان فتنوں کی وجہ سے جو میری سر میں ہیں - برکت اللہ کو ہے

تبارک اللہ - بابرکت ہے خداوند تعالیٰ تعجب اور مدح کے مقام پر بولا جاتا ہے - سبحان اللہ بھی ایسے موقعوں پر کہتے ہیں -

اس شعر میں فتنہا سے مراد وہ خیالات ہیں - جو عاشق کے دماغ میں ہوتے ہیں اور جنکی وجہ سے عاشق سوائے اپنے محبوب کے اور کسی کی پرواہ نہیں کرتا - دنیا اور عقبیٰ کو ہیچ سمجھتا ہے - نیز دیکھو شعر ت ۶ -

(۳) **ترجمہ** - مجھ خستہ دل کے اندر میں نہیں جانتا کون ہے - کہ میں چپ ہوں - اور وہ شور و فغان میں ہے -

عاشقان الٰہی گرچہ بظاہر چپ ہوتے ہیں - مگر ان کے دل میں اس قدر شور و غوغا ہوتا ہے کہ الامان - حتی المقدور عاشق اس کو ضبط رکھنے کی کوشش کرتے ہیں مگر جب تاب ضبط نہیں رہتی تو پھر زبان پر بھی وہ نالہ و فریاد آنے لگ جاتے ہیں - ایسے ہی موقعہ پر خواجہ صاحب نے کہا ہے

ع - دل می‌رود ز دستم صاحبدلاں خدارا

(۴) **ترجمہ** - میرا دل پردہ سے باہر ہو گیا اے مطرب تو کہاں ہے - ہاں نغمہ سرائی کر کہ اس پردہ سے میرا کام اچھا رہتا ہے -

پردہ (۱) حجاب (۲) دستہ طنبور و ستار پر پردہ - بم و زیر و نقرہ کی تار جو لگائی جاتی ہے - کثرت استعمال کی وجہ سے بمعنی آہنگ و مقامات موسیقی -

نوا - بفتح (۱) مطلق بمعنی آواز (۲) بارہ مقامات موسیقی سے ایک مقام کا نام (۳) سامان اسباب -

اس شعر کے دو طرح معنی ہو سکتے ہیں (۱) میرا دل حجاب سے باہر ہو رہا ہے یعنی اب اخفائے راز کی طاقت نہیں رہی - ہاں اے مطرب نغمہ سرائی کر کہ اس حجاب سے ہمارا کام درست رہتا ہے - دیکھو شعر الف ۳ (۲) میرا دل بے آہنگ ہو رہا ہے - یعنی

تاں اور سر چھوڑ چکا ہے - اے مطرب تمہ سرائی گرنہ ہمارے دل کے موازنہ کے قائم رہنے سے ہمارا کام اچھا رہتا ہے - لفظ پردہ کے دو مختلف معنوں کو علی الترتیب استعمال کرنے سے مختلف معنی نکل سکتے ہیں - مطلب قریباً ایک ہے - پردہ کا لفظ مطرب کی رعائیت سے خالی از لطف نہیں -

(۵) ترجمہ - مجھے جہاں کے کاموں سے بالکل دلبستگی نہ تھی - تیرے چہرے نے اس کو میری نظر میں خوش نما بنا دیا -

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے خود دنیا سے چنداں التفات نہ تھا مگر تیرے رخِ روشن نے دنیا کو بھی میری نظروں میں آراستہ کر کے دکھایا - جس سے دنیا کی طرف بھی میری توجہ ہو گئی - فلسفہ تصوف میں دنیا خداوند کریم کے جمال کا مظہر ہے مؤلف نے کہا ہے

دلی بہ نظر تعمق بذرۂ بنگر		کہ ہست مظہر انوار آفتاب جمال

شیخ فخر الدین عراقی قدس سرہٗ فرماتے ہیں [illegible]

بغیر او محتاج نہ شود - لاجرم خود را عین ہمہ اشیا کرد تا ہر چہ را کہ دوست دارد یا ہر چہ محتاج شود - او بود

غیرتش غیر در جہاں نگذاشت		لاجرم عین جملہ اشیا شد"

(۶) ترجمہ - اس خیال [illegible] خمار ہے - شراب خانہ کہاں ہے -

شبانہ (۱) دا ہائے آبگینہ مطلق یعنی آبگینہ شیشہ جس میں شراب رکھی جاتی ہے - (غیاث اللغات) (۲) شب یعنی رات -

خیال مے پزم - خیال پختن سے معنی طمع و توقع رکھنا - خیال میں مستغرق رہنا -

خمار (۱) اعضا شکنی اور درد سر جو نشۂ شراب کے زائل ہونے کے بعد ہوتے ہیں (۲) بقیہ مستی جو سر میں رہتی ہے -

اس شعر کے بھی دو طرح معنی ہو سکتے ہیں - مگر پہلے معنی اصح ہیں اور اس شعر کا شعر ما بعد سے جو تعلق ہے وہ انہیں معنوں سے ہو سکتا ہے -

(۱) خیالِ محبوب میں یا امیدِ وصالِ محبوب میں میں کئی راتیں نہیں سویا اور ان تمام راتوں کا

خمار مجھ میں موجود ہے۔ شراب خانہ کہاں ہے۔ کہ میں شراب پیوں اور اس خمار کی تکلیف سے رہائی پاؤں۔ ناظرین خواجہ صاحب کے خمار اور نشہ کی معانی سے اب خوب واقف ہوگئے ہونگے

(۶) خیال محبوب میں میں کئی راتیں نہیں سویا۔ اور اس خیال میں مستغرق ہونے کی وجہ سے میرے اندر صدہا آب گینوں کا نشہ موجود ہے شراب خانہ کیا شئے ہے اسی مضمون پر مرزا بیدل کا شعر

بخیال چشم کہ مے زند قدح جنون دل تنگ ما
کہ ہزار میکدہ مے دود بر کاب گردش رنگ ما

(۷) ترجمہ۔ یہاں تک کہ معبد ہی میرے خون دل سے آلودہ ہوگیا۔ اگر تم مجھے شراب سے دھو تو حق بجانب ہوگے۔

یہ شعر پچھلے شعر سے قطعہ بند ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس خمار صد شبہ کی وجہ سے مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ صومعہ ہی میرے خون دل سے آلودہ ہوگیا۔ اس لئے آپ اگر مجھے شراب سے دھوویں تو آپ حق بجانب ہونگے۔

(۸) ترجمہ۔ اس لئے مجھے دیر مغاں میں عزیز جانتے ہیں کہ میرے دل میں ایسی آگ ہے۔ جو کبھی نہیں بجھتی۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ دیر مغان والے مجھے اسواسطے عزیز رکھتے ہیں کہ میرے دل میں ایک ایسی آگ ہے جو کبھی نہیں بجھتی۔ دیر مغان یعنی آتش پرستوں کے معبد میں ہمیشہ آگ جلتی رہتی ہے۔ اور وہ صدیوں سے اسی طرح جل رہی ہے۔ درمیان میں کبھی نہیں بجھی۔ خواجہ صاحب کے دل میں آتش عشق ہمیشہ شعلہ زن رہتی ہے۔ اس لئے آتش پرست ان کو بھی اپنا ہم مشرب سمجھتے ہیں۔

اس شعر سے ناظرین پر روشن ہوجائیگا۔ کہ خواجہ صاحب کن معنوں میں دیر مغاں سے تعلق رکھتے ہیں اسی طرح گذشتہ دو شعروں سے یہ واضح ہوچکا ہے کہ خواجہ صاحب کا خمار اور نشہ کیا ہے

(۹) ترجمہ۔ وہ کیا ساز تھا۔ جو مطرب عشاق نے بجایا کہ مدتیں گذر گئیں۔ اور آواز ابھی میرے دماغ میں گونج رہی ہے۔

خواجہ صاحب نے یہاں صبح میثاق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور وہ آواز جس کی گونج ابتک حافظ صاحب کے کانوں میں ہے۔ الست بربکم ہے۔ مقطع میں بھی یہی مضمون ہے۔

الست از ازل ہمچنانش بگوش	(سعدی)	بفریاد قالوا بلیٰ در خروش

(۱۰) ترجمہ۔ تیرے عشق کا خمار کل رات تیرے ... [illegible] ... کہاں ... اور ... کیا موقعہ

یہاں خمار یعنی نشہ آیا ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ کل رات تیرے عشق کا نشہ ابھی میرے دل میں موجود تھا۔ اس لئے عبادت کا کیا موقعہ تھا۔ اس شعر میں ارشاد ربانی لا تقربوا الصلواۃ وانتم سکاریٰ کی طرف اشارہ ہے۔ آدمی پر جب تک نشہ کی حالت طاری ہو نماز جائز نہیں۔ خواجہ صاحب بھی عشق الٰہی میں بیخود تھے۔ عبادت کی کس کو فکر تھی۔

(۱۱) ترجمہ۔ تیری عشق کی ندا کل میرے دل کو دے گئی۔ حافظ کے سینہ کا میدان تاحال اس آواز سے بھرا ہے۔

اس شعر میں بھی دوش ہی مراد صبح الست سے ہے مطلب وہی ہے۔ جو شعر نمبر (۹) کا ہے۔ خالق ومخلوق کے درمیان سلسلہ عشق کا آغاز روز میثاق سے ہے جب خداوند کریم نے ارواح سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔

خواجہ صاحب نے یہاں لفظ دوش استعمال کیا ہے جیسا کہ شعر (۹) میں لکھا جا چکا ہے۔ وہ آواز چونکہ اب تک عاشق کے کانوں میں گونج رہی ہے۔ اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ روز الست ابھی کل گذرا ہے۔

نفحات الانس میں ہے کہ علی سہل اصفہانی قدس سرہٗ سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ کو روز بلیٰ یاد ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ کیوں نہ ہو۔ ابھی کل کی بات ہے۔ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری نے فرمایا کہ یہ جواب بھی ناقص ہے۔ صوفی کے لئے کل اور آج کیا شے ہے۔ روز الست کی تو ابھی رات آئی ہی نہیں۔ وہی روز جا رہا ہے۔ نیز دیکھو شعر ست ... شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

الست از ازل ہمچنانش بگوش		بفریاد قالوا بلیٰ در خروش

غزل (۵)

روضهٔ خلد برین خلوت درویشان است (۱) مایهٔ محتشمی خدمت درویشان است

گنج عزلت که طلسمات عجائب دارد (۲) فتح آن در نظر همت درویشان است

قصر فردوس که رضوانش بدربانی رفت (۳) منظرے از چمن نزهت درویشان است

آنچه زر مے شود از پرتو آن قلب سیاه (۴) کیمیائیست که در صحبت درویشان است

وانکه پیشش بنهد تاج تکبر خورشید (۵) کبریائیست که در حشمت درویشان است

دولتے را که نباشد غم از آسیب زوال (۶) بے تکلف بشنو دولت درویشان است

خسروان قبلهٔ حاجات جهانند ولے (۷) از ازل تا بابد فرصت درویشان است

روئے مقصود که شاهان جهان مے طلبند (۸) مظهرش آئینهٔ طلعت درویشان است

اے توانگر مفروش این همه نخوت که ترا (۹) سر و زر در کنف همت درویشان است

گنج قارون که فرو مے رود از قهر هنوز (۱۰) خوانده باشی که هم از غیرت درویشان است

بندهٔ آصف عهدیم که در سلطنتش (۱۱) صورت خواجگی و سیرت درویشان است

(۱۲) حافظ اینجا بادب باش که سلطان و ملک
همه از بندگی حضرت درویشان است (۱۲)

اس غزل میں مضمون مسلسل ہے۔ اور تمام غزل درویشوں کی برکت و عظمت پر لکھی گئی ہے محض عاشقانہ اور شاعرانہ مبالغہ نہیں۔ صرف امر واقع کا اظہار ہے۔ اس غزل کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ خواجہ صاحب کو درویشوں سے کس قدر عقیدت تھی۔ اور وہ خود کس مشرب کے آدمی تھے۔ خواجہ صاحب کے تمام کلام کا ماحصل یہی ہے۔ کہ وہ زاہدان ریاکار کو نہایت نفرت سے دیکھتے تھے۔ اور بزرگان با اخلاص کی نہایت سچے دل سے عزت کرتے

تھے۔ نقیر درویش کی تحقیق تقوی تعمر الفت پیچیدہ ہے۔ [illegible] بزرگان صاحب
معرفت اور خدا رسیدگانِ باکرامت کو کہتے ہیں جو دنیاوی جاہ و حشم کو حقیر سمجھتے ہیں۔

(۱) ترجمہ۔ درویشوں کی خلوت بہشت کا باغ ہے اور ان کی خدمت کرنا حیات و حشمت کا سرمایہ ہے۔

خلد۔ بقائے دائم ہمیشگی۔ نام بہشت۔ **خلوت** بالفتح۔ بالکل تنہائی مکان کا خالی ہونا غیر سے۔ باصطلاح صوفیاں اڑھائی روز جو وہ گوشہ میں بیٹھ کر عبادت کرتے ہیں۔ درویشوں کا گوشہ عزلت فی الواقع بہشت ہے۔ کیونکہ اس کے ساکنوں کو اطمینان [illegible] حاصل ہے

(۲) ترجمہ۔ گوشۂ تنہائی [illegible] میں عجیب طلسمات ہیں۔ اسکو کھولنا [illegible] درویشوں کی نظر ہمت [illegible]

طلسمات جمع **طلسم**۔ موہوم خیالات [illegible] شکلوں میں نظر آتے ہیں۔ وہ مہیب شکلیں جو خزانہ کے منہ پر بنائی جاتی ہیں۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ گوشۂ تنہائی میں عجیب قسم کے طلسمات اور راز ہیں۔ جن کی ماہیت کو جاننا اور ان سے فائدہ اٹھانا درویشوں کی نظر ہمت کا کام ہے۔

(۳) ترجمہ۔ قصر فردوس جس کا دربان رضوان ہے۔ وہ درویشوں کی پاکیزگی اور خوشحالی کے باغ کا ایک نظارہ ہے۔

فردوس۔ نام ایک بہشت کا۔ بعضوں کے نزدیک بہشت کے سب سے [illegible] ہے۔ اس باغ کو بھی کہتے ہیں جس میں ہر ایک ایسی شے موجود ہو جو دوسرے باغوں میں ہو۔ برہان قاطع میں لکھا ہے۔ کہ باغ انگور کو کہتے ہیں۔

رضوان۔ فرشتہ موکل بہشت۔

(۴) ترجمہ۔ وہ چیز جس کی چمک سے سیاہ دل بھی روشن ہو جائے کیمیا ہے۔ جو درویشوں کی صحبت میں ہے۔

قلب۔ بالفتح (۱) واژگوں۔ الٹا۔ (۲) دل۔ دل کو قلب اس واسطے کہتے ہیں۔ کہ وہ سینہ میں الٹا لٹکا ہوا ہے۔ (۳) غیر خالص چاندی اور سونا۔

کیمیا۔ وہ ترکیب جس سے اجساد ناقصہ کو کمال کے درجہ پر پہنچایا جاتا ہے۔ جس ترکیب

سے رانگ اور تانبے کو چاندی سونا بنایا جاتا ہے۔
خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ درویشوں کی صحبت سے سیاہ دل آدمی بھی فیض حاصل کر لیتا ہے
جس طرح کیمیا سے ناقص دھاتیں سونا چاندی بن جاتی ہیں۔ لفظ قلب یہاں دونو معنی دے
رہا ہے۔ انتخاب الفاظ بہت اچھا ہے۔

سگِ اصحابِ کہف روزے چند		پئے نیکاں گرفت و مردم شد

(۵) ترجمہ۔ وہ چیز جسکے سامنے سورج اپنا تاجِ تکبر اتار دیتا ہے عظمت ہے جو درویشوں کی حشمت میں ہے۔
یعنی درویشوں کی حشمت کی کبریائی اتنی ہے کہ سورج بھی اپنے تاجِ تکبر کو اسکے آگے اتار کر رکھتا ہے۔
(۶) ترجمہ۔ وہ دولت جسکو زوال کے نقصان کا غم نہ ہو بیشک سن لو کہ وہ درویشوں کی دولت ہے
درویشوں کی دولت کو زوال نہیں۔ کیونکہ زوال صرف دولتِ دنیا کو ہے۔ دولت دین کو زوال
نہیں۔ ابدالاباد تک وہ ترقی پر ہے۔
(۷) ترجمہ۔ بادشاہ جہان کی حاجتوں کو پورا کرتے ہیں۔ مگر ازل سے ابد تک سچا آرام صرف
درویشوں کو ملا ہے۔
فرصت۔ نوبت کسی چیز کی۔ آرام پانا۔ مہلت دینا۔ موافقت روزگار۔ مطلب یہ ہے
کہ گرچہ بادشاہ اہل جہاں کی حاجتوں کو پورا کرتے ہیں۔ اور ان کی داد و فریاد کی جگہ ہیں۔ مگر
ازل سے لیکر ابد تک آرام اور موافقتِ روزگار صرف درویشوں کو حاصل ہوا ہے۔ بادشاہوں کو نہیں
(۸) ترجمہ۔ مقصود کا منہ جو جہاں کے بادشاہ طلب کرتے ہیں۔ اس کے ظاہر ہونے کی
جگہ درویشوں کا آئینہ رو ہے۔
طلعت۔ دیدار۔ منہ دیکھنا۔
خواجہ حافظ فرماتے ہیں کہ مقصود کا منہ دیکھنے کے لئے دنیا کے بادشاہ بڑی جد و جہد کرتے ہیں
اور اقبال و نصرت کے مدعا اور مطلوب کے لئے وہ ہر طرح کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر فی الحقیقت
شاہدِ مقصود کے ظاہر ہونے کی جگہ درویشوں کا آئینہ رو ہے۔ یعنی تمام سعادت اور اقبال
مندی درویشوں کے حصے میں ہے۔ اور بادشاہوں کو بھی اگر مل سکتی ہے تو وہاں ہی ہے۔
(۹) ترجمہ۔ اے امیر اتنا غرور نہ کر کہ تیری امیری درویشوں کی دعا کے ہاتھ میں ہے۔

اس شعر میں خواجہ صاحب نے خداوندانِ نعمت کو نصیحت کی ہے کہ اتنے مغرور نہ ہو۔ اور
نخوت ظاہر نہ کرو کیونکہ تمہاری سرداری درویشوں کے ہاتھ میں ہے جن کو تم حقیر سمجھتے ہو۔ تم
اس عارضی اور ناپائدار دولت پر کبر نہ کرو۔ کیونکہ اصلی دولت تمہارے ہاتھ میں نہیں۔ بلکہ درویشوں
کے ہاتھ میں ہے۔

(۱۰) ترجمہ۔ قارون کا خزانہ کہ اب تک قہرِ الٰہی سے نیچے جا رہا ہے۔ تو نے پڑھا ہوگا
کہ یہ درویشوں کی غیرت کا نتیجہ ہے۔

گذشتہ شعر میں خواجہ صاحب نے جو نصیحت فرمائی ہے اس کی تائید میں اس شعر
میں ایک قرآنی قصہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ دونو شعر قطعہ بند ہیں قارون کا قصہ سورہ
القصص میں آیا ہے۔

"ان قارون کان من قوم موسیٰ" قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا۔ ثعلبی نے کہا ہے
کہ حضرت موسیٰؑ کا چچا زاد تھا۔ قارون کا باپ یصہر بن قاہث اور حضرت موسیٰؑ کے والد عمران
بن قاہث تھے۔ قارون پہلے غریب تھا۔ اور اس حالت میں بہت متواضع اور متخلق تھا۔
امیر ہو کر اس کا حال دگرگوں ہو گیا "فبغیٰ علیہم" چاہا کہ قوم موسیٰؑ پر حکمران ہو جائے۔ "وآتیناہ من
الکنوز" خدا تعالیٰ نے اس کو مال فراواں دیا۔ اور اس کے خزانے کی چابیاں ساٹھ اونٹ
اٹھاتے تھے۔ "واذ قال لہ لا تفرح" اور جب اس کی قوم نے اس کو مغرور اور متکبر ہوتے ہوئے
دیکھ کر اس کو کہا۔ کہ اس مال پر غرور نہ کر۔ اور خدا کے بندوں کے ساتھ نیکی کر۔ اس نے ازراہ
کبر جواب دیا۔ کہ مجھے خدا نے دولت اس واسطے دی کہ میں دانشمند ہوں۔ اور خدا کی مہربانیوں کا
شکر گزار نہ ہوا۔ اور روز بروز اس کی نخوت بڑھتی گئی۔ اور حضرت موسیٰؑ کے درپے آزار ہوا۔
آخر کار جب زکوٰۃ کا حکم آیا۔ تو حضرت موسیٰؑ نے اسے زکوٰۃ کے لئے کہا۔ کہ ایک ہزار دینار سے
ایک دینار خدا کی راہ میں دو۔ اس نے حساب کیا۔ تو بہت بھاری رقم بنتی تھی۔ حیلہ و حجت
ڈھونڈنے لگا۔ اور حضرت موسیٰؑ کو رسوا کرنے کی تجاویز سوچنے لگا۔ کہ لوگ اسکے احکام کی پرواہ
نہ کریں۔ ایک بدکار عورت بنام سبزا کو روپیہ دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ سر اجلاس کہہ
دے کہ موسیٰؑ نے میرے ساتھ زنا کیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا مگر وہ عورت آخر پشیمان ہوئی

قارون باز نہ آیا۔ اور حضرت موسیٰ کو اسی طرح تکلیف دیتا رہا۔ جس کی سزا میں "فخسفنا بہ وبدارہ الارض" خدا تعالیٰ نے اس کو معہ اپنے خزائن کے زمین میں گاڑ دیا۔ اور صاحب لباب لکھتا ہے کہ ہر روز قارون ملعون اپنے قد کے برابر اپنے مال اور مکان کے سمیت زمین میں گڑتا چلا جاتا ہے۔ اور نفخ صور تک وہ ارض اسفل تک پہنچ جاویگا۔

اس شعر میں درویش سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہے۔

پہلے مصرع میں مروجہ نسخوں میں لفظ "قعر" لکھا ہے۔ مگر یہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ "قہر" چاہیئے۔ مولانا مولوی حسین الواعظ کاشفی نے اپنی تفسیر میں قصہ ہذا کے ضمن میں جہاں خواجہ صاحب کا یہ شعر درج کیا ہے۔ وہاں لفظ "قہر" لکھا ہے۔

(۱۱) ترجمہ۔ ہم اس آصف وقت کے غلام ہیں۔ کہ سلطنت کی حالت میں اس کی صورت امیرانہ ہے اور سیرت درویشانہ۔

آصف بفتح صاد۔ نام وزیر سلیمان علیہ السلام۔ آصف عہد یعنی خواجہ صاحب کے زمانے میں جو بادشاہ کا وزیر تھا۔ چونکہ خواجہ صاحب نے اپنی عمر میں متعدد بادشاہ شیراز پر حکمران دیکھے اسلئے یقیناً معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ کس بادشاہ کے کس وزیر کی طرف اشارہ ہو۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ یہاں بھی انکا ممدوح وہی وزیر ہے جسکی مدح میں خواجہ صاحب نے شعر ۸ لکھا ہے۔

(۱۲) ترجمہ۔ اے حافظ با ادب رہ کہ سلطان و بادشاہ تمام درویشوں کی درگاہ کے غلام ہیں

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ درویشوں کی درگاہ میں بادشاہ بھی غلام ہیں۔ تو کیا تو ہے ادب سے گفتگو کر۔ شعرا عموماً جب بزرگوں کی مدح کرتے ہیں تو اپنی مدح سرائی میں بھی وہ لحاظ ادب کرتے ہیں۔ عرفی نے ایک نعتیہ قصیدہ کو اس طرح ختم کیا ہے۔

عرفی مشتاب این رہ نعت است نہ صحراست	آہستہ! قدم بر لب تیغ است قلم را

غزل (۶)

مطلب طاعت و پیمان درست از من مست	۱	کہ بہ پیمانہ کشی شہرہ شدم روز الست

من ہماندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق	۲	چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست
مے بدہ تا دہمت آگہی از سر قضا	۳	کہ بروئے کہ شدم عاشق و از بوئے کہ مست
کمر کوہ کم است از کمر مور اینجا	۴	ناامید از در رحمت مشو اے بادہ پرست
جان فدائے دہنش باد کہ در باغ نظر	۵	چمن آرائے جہان خوشتر ازیں غنچہ نبست
بجز آن نرگس مستانہ کہ چشمش مرساد	۶	زیر ایں طارم فیروزہ کسے خوش ننشست

(۷) حافظ از دولت عشق تو سلیمانی یافت
یعنی از وصل تواش نیست بجز باد بدست (۷)

(۱) ترجمہ - مجھہ مست سے بندگی اور وعدہ کی درستی نہ ڈھونڈ کیونکہ میں روز الست سے میخوار مشہور ہوں
روزِ الست سے مراد روزِ میثاق - جب خدا تعالیٰ نے روحوں سے وعدۂ بندگی لیا تشریح شعر الست میں آچکی ہے
خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں تو اسی روز سے مست مشہور ہوں مستوں سے بندگی اور ایفائے عہد کی
طلب چہ معنی دارد - عہد شرعاً بھی معذور ہیں - انسان ظالم اور جاہل روز اول ہی سے مشہور ہے -
پھر اس سے کیا توقع - پیمانِ اطاعت تو بیشک تھا - مگر پیمانۂ عشق اس پر غالب آگیا -

یک عمرے داشتم پیمان توڑی	شرابِ باد بیک پیمانہ سردی

استعمال لفظ پیمان و پیمانہ ظاہر ہے -

(۲) ترجمہ - میں نے جب چشمۂ عشق سے وضو کیا - اسی وقت ہر شے کو یکدم ترک کر دیا -
چار تکبیر کسی چیز پر ترک کرنا - اصل میں چار تکبیر سے مراد نمازِ جنازہ ہے یعنی جس چیز کی نماز
جنازہ پڑھی گئی وہ گئی -
خواجہ صاحب فرماتے ہیں - کہ جب میں نے تیرے چشمۂ عشق سے وضو کیا - تو دنیا و مافیہا پر نمازِ جنازہ
پڑھ دی یعنی سب کو ترک کر دیا - اس شعر میں بھی ہماندم سے مراد روزِ میثاق ہے - کیونکہ یہ
وعدہ انسانوں سے خدا نے اسی واسطے لیا تھا - کہ وہ پھر یہ نہ کہیں کہ "انما اشرک آباؤنا
من قبل" اور خداوند تعالیٰ کی توحید پر کامل یقین رکھیں
(۳) ترجمہ - شراب دے تاکہ تجھے راز قضا سے واقف کر دوں کہ میں کس رخ پر عاشق ہوا اور کس

کی خوشبو پرست

عاشق سے راز کی آگہی حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے۔ کہ پہلے اسے بیخود کیا جائے۔

(۴) ترجمہ۔ پیالہ کی کھوپڑی کی کمر سے ہمیاں کمر بند ہے۔ اے میخوار اسکی رحمت کے دروازے ناامید نہ ہو۔

عاشقانِ خدا کو چونکہ اس کی رحمت پر بھروسا ہے۔ اس لئے باوجود انسانی کمزوریوں کے انکے دل کو بڑی تقویت ہے۔ مولانا حالی فرماتے ہیں۔

ہے پور زال سے دل اس کا قوی زیادہ	رکھتی ہے آسرا یاں جو پیر زال تیرا

(۵) ترجمہ۔ میری جان تیرے دہن پر قربان ہو کیونکہ باغ نظر میں جہان کے چمن آرائے کوئی غنچہ اس سے اچھا نہیں بنایا۔

غنچہ۔ گل ناشگفتہ۔ دراصل یہ لفظ گنجہ ہے۔ مصدر گنجیدن سے۔ کیونکہ اس کی ذات میں گنجیدگی پائی جاتی ہے۔ بہت سی پتیاں باہم گنجان اور مجتمع ہوتی ہیں۔ فصاحت کے لئے گنجہ سے گنچہ اور پھر غنچہ بنالیا گیا۔ غنچہ بھی کہتے ہیں۔ معشوق کے دہن کو بوجہ نزاکت وخوبی کو تنگی کے غنچہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ لفظ لبست برعائت تنگی غنچہ وغیرہ

باغ نظر یعنی عالم اور چمن آرائے۔ یعنی خداوند تعالیٰ

(۶) ترجمہ۔ اس چشم مست کے سوا کہ چشم بد اس سے دور ہو اس نیلگون آسمان کے نیچے کوئی خوش نہ بیٹھا۔

یعنی اس مست آنکھ کے سوا چشم بد دور اس نیلگون چرخ کے نیچے کوئی خوش ہو کر نہیں بیٹھا۔
یا یہ کہ معشوق کی اس آنکھ کے برابر کوئی چیز خوش نشین نہیں یعنی موزوں اور خوبصورت نہیں۔

(۷) ترجمہ۔ حافظ تیرے عشق کی دولت سے سلیمان ہو گیا یعنی طلب وصل نے اس کے ہاتھ میں سوائے ہوا کے کچھ نہ آیا۔

بہت خوب خواجہ صاحب معشوق سے بھی نوک جھوک کر گئے۔ فرماتے ہیں۔ کہ تیرے عشق میں میں بھی سلیمان ہو گیا کیونکہ تیرے وصال کی آرزو میں۔ سے ہاتھ ہی ہوا آگئی۔ (یعنی وصال نہ ہوا) حضرت سلیمان علیہ السلام کے زیر فرمان ہوا ہی تھی۔ مولانا شبلی مرحوم

کی تنگ ... تب کوئی لگی - اور وہ لنگڑے ہو گئے - تو انہوں نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا۔

غزل (۷)

سر ارادت ما و آستان حضرت دوست	۱	کہ ہر چہ بر سر ما میرود ارادت اوست
نظیر دوست ندیدم اگرچہ از مہ و مہر	۲	نہادم آینہ ہا در مقابل رخ دوست
نثار روئے تو ہر برگ گل کہ در چمن است	۳	فدائے قد تو ہر سروبن کہ بر لب جوست
گر تو شانہ زدی زلف عنبر افشان را	۴	کہ باد غالیہ سا گشت و خاک عنبر بوست
رخ تو در نظر آمد مراد خواہم یافت	۵	چرا کہ حال نکو در قفائے فال نکوست
صبا ز حال دل تنگ ما چہ شرح دہد	۶	کہ چون شکنج ورقہائے غنچہ تو بر توست
نہ من سبوکش این دیر رند سوزم و بس	۷	بسا سرے کہ درین کارخانہ سنگ و سبوست
زبان ناطقہ در وصف حسن او لال است	۸	چہ جائے کلک بریدہ زبان بیہدہ گوست

(۹) ... دل حافظ در آتش طلب ست
کہ داغدار ازل ہمچو لالہ خود روست (۹)

(۱) ترجمہ - ہمارا سر تسلیم دوست کی درگاہ کی آستان پر ہے - جو کچھ ہمارے سر پر گزرے وہ اس کے ارادہ سے ہے۔

ارادت - مرید ہونا کسی کے ارادہ پر سر تسلیم خم کرنا - ارادت - ارادہ کرنا۔

اس شعر میں بھی تسلیم و رضا کی تلقین ہے - خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ محبوب کی رضا پر ہمارا سر تسلیم خم ہے

ع ہر چہ از دوست میرسد نیکوست

(۲) ترجمہ - دوست کی نظیر نہ دیکھی اگرچہ چاند اور سورج ہم دوست کے رخ کے مقابل میں آئینے رکھے

صوفیائے کرام کے نزدیک تمام کائنات تجلیات رب الارباب کا عکس ہے اور چاند ستارے وغیرہ سب اس کے نور کی تجلی ہیں ... کائنات کا ہر ذرہ اس طرح ... آئینہ رکھا

جائے تو عکس بھی آئینہ میں پڑیگا۔ وہ کوئی علیحدہ وجود نہیں۔ بلکہ صرف عکس ہے۔ اسی طرح تمام کائنات خدا تعالیٰ کی ذات اور وجود کا عکس ہے۔

ہر نقش کہ بر تختۂ ہستی پیدا است		این صورت آن کس است کان نقش آرا است

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ آئینہ مہر و ماہ میں تجلیات ذات باری موجود ہیں اور عکس ذات رب العزت کائنات کی صورت میں پیدا ہے۔ تاہم اسکی نظیر موجود نہیں۔ یہ سب عکس ہے گویا مشاہدۂ عین ذات حاصل ہوا۔ صرف مرآت کے ذریعے عکس دیکھو۔ مگر وہ اس کی نظیر نہ ہو۔

(۳) ترجمہ۔ تیرے رخسار پر باغ میں ہر ایک پھول کا پتہ قربان ہے اور تیرے قد پر باغ کا سرو جو نہر کے کنارہ پر ہے فدا ہے۔

سرو چمن۔ سرو باغ یا سرو جو کنارہ باغ یا کنارہ جوئبار ہو۔ چمن بمعنی درخت بھی ہوتا ہے۔

(۴) ترجمہ۔ شاید تو نے زلف عنبرین کو کنگھی کی ہے کہ ہوا بھی معطر اور خاک بھی خوشبودار ہوگئی۔ عنبر۔ تحقیق شعر الف ۳ میں گذر چکی ہے۔ غالیہ۔ مشہور خوشبو ہے۔ جو مشک عنبر۔ کافور و دہن البان وغیرہ سے بنتی ہے۔

یعنی تمام دنیا کی ہوا اور خاک میں جس قدر خوشبو ہے۔ وہ زلف یار کی خوشبو سے ہے معنی ظاہر و حقیقی ظاہر۔

(۵) ترجمہ۔ تیرا رخ مجھے نظر آیا۔ اب میں مراد حاصل کرونگا۔ کیونکہ نیا فال کے بعد ہمیشہ خوشحالی ہوتی ہے مشہور ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی کام یا مہم پہ جارہا ہو۔ اور اسکو سامنے سے کوئی اچھی اور یا میمن چیز نظر آئے تو یہ فال نیک ہوتا ہے۔ اور وہ آدمی جس مقصد کی تلاش میں جارہا ہو۔ وہ اسے حاصل ہوتا ہے خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے تیرا چہرہ دیکھ لیا اب امید ہے کہ میں خوشحال ہونگا۔

پیشانی او خجستہ فال است	(ص)	دیباچۂ مصحف جمال است

(۶) ترجمہ۔ صبا ہمارے دل تنگ کے حال کی کیا شرح کرے کہ غنچہ کی پتیوں کی سلح کی طرح تہ برتہ ہے۔ یعنی ہمارے دل تنگ کا ماجرا اس قدر پیچیدہ اور تو برتو ہے کہ اسکی تفصیل ناممکن یا ہمارے دل تنگ کی کشائش مشکل۔ صبا غنچوں کو تو شگفتہ کرتی ہے خواجہ صاحب کے غنچۂ دل کو وہ بھی شگفتہ نہ کرسکی۔

(۷) ترجمہ۔ صرف میں ہی اس دشمن تہذیب کا مخمور نہیں ہوں۔ بلکہ بہت سے [illegible]
[illegible] اور سبو ہیں۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ صرف میں ہی اس دشمن اتقا کا شرابی نہیں ہوں۔
ہزاروں اور سر بھی اسی آستان کے چھڑے رہتے ہیں اور اسی میخانہ کے سبو [illegible] ہیں۔ اور
کے خم پیتے رہتے ہیں۔ خواجہ صاحب ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ [illegible] شعر [illegible]

[illegible] که عندلیب تو از هر طرف هزارانند	ن برآں گل عارض غزل سرائیم و بس

(۸) ترجمہ۔ زبان گویا سوسن کی تعریف میں [illegible] ہے۔ زبان بریدہ [illegible] قلم [illegible]
قلم ہمیشہ بریدہ زبان ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ بیان باتوں سے [illegible] گنگ ہیں۔ زبان بریدہ
قلم کی کیا مجال ہے۔ کہ تیرے اوصاف تحریر کر سکے۔

(۹) ترجمہ۔ حافظ کا دل کوئی اب سے طلب کی آگ میں نہیں [illegible] لالہ خود رو [illegible]
[illegible] کی طرح داغدار ہے۔

لالہ خودرو۔ لالہ کی ایک قسم ہے۔ گل لالہ میں ہمیشہ ایک داغ ہوتا ہے جسے عاشق کے داغ دل
سے تشبیہ دیتے ہیں۔

[illegible]		[illegible]
حور ساقی چشمہ کوثر مرا پیمانہ تھا	[illegible]	[illegible] پیرانہ مست ہوں جنت مرا کاشانہ تھا
[illegible]		[illegible]
در گوشہ خلوت [illegible] یار شود		معشوقہ عشق ما بہم سے بود ہم

غزل (۹)

[illegible]			
دیدہ آئینہ دار طلعت اوست	۱	دل سراپردۂ محبت اوست
گردنم زیر بار منت اوست	۲	من کہ سر در نیاورم بدو کون
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست	۳	تو و طوبی و ما و قامت یار

دور مجنون گذشت نوبت ماست	۴	ہر کسے پنج روزہ نوبت اوست
من کہ باشم دراں حرم کہ صبا	۵	پردہ دار حریم حرمت اوست
ملک عاشقی و گنج طرب	۶	ہر چہ دارم ز یمن ہمت اوست
من و دل گر فنا شویم چہ باک	۷	غرض اندر میاں سلامت اوست
بے خیالش مباد منظر چشم	۸	زانکہ ایں گوشہ خاص دولت اوست
گر من آلودہ دامنم چہ عجب	۹	ہمہ عالم گواہ عصمت اوست
ہر گل نو کہ شد چمن آرا	۱۰	اثر رنگ و بوئے صحبت اوست

(۱۱) فقر ظاہر مبیں کہ حافظ را
سینہ گنجینہ محبت اوست (۱۱)

(۱) ترجمہ۔ دل اس کی محبت کا سراپردہ ہے۔ آنکھ اسکے چہرہ کی آئینہ دار ہے۔ یعنی دل میں ہمیشہ اس کا خیال ہے۔ اور آنکھوں میں ہمیشہ اس کی شکل ہے۔ عاشق کا دل معشوق کی منزل ہے۔ ملا محمد سعید اشرف کہتا ہے۔

یار در سینہ نہاں بود ندانستم	دل ببویش نگراں بود ندانستم

مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں۔

اے خانہ پرستاں چہ پرستید گل و سنگ	آں خانہ پرستید کہ خاصاں طلبیدند
آں خانہ دل خانہ حق واحد مطلق	خوش وقت کسانیکہ دراں خانہ خزیدند

ع دل گذرگاہ جلیل اکبر است

اسی طرح عاشق کی آنکھیں بھی روئے یار کی آئینہ دار ہیں۔ ان میں بھی سوائے روئے یار کے عکس کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ ع۔ ہر چہ آمد در نظر از دور پندارم توئی

(۲) ترجمہ۔ میں جو دونو جہان کیلئے سر نہیں جھکاتا میری گردن اس کے احسان کے زیر بار ہے۔ یہی خیال ہے جو شعر ۲ میں ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں دنیا اور عاقبت کیواسطے سر نیچا نہیں کرتا۔ البتہ میری گردن اسکے بار منت سے خم ہے۔

(۳) ترجمہ - تجھکو طوبیٰ کا ہمکو قد یار کا خیال ہے - ہر کسی کا فکر اسکی ہمت کے مطابق ہوتا ہے -
خواجہ صاحب نعیم بہشت کے طالب زاہد کو مخاطب کر کے کہتے ہیں - کہ آپ کے لئے تو بہشت کی نعمتیں ہی غائت الآمال ہیں - مگر ہم مشاہدہ یار کے طالب ہیں -

از باغ نعیمش مدہ انعام و میں بیز آسائش ہمسائگی حق ز تو خواہد	با مطلب او مطلب اصحاب ستم را او ہیچہ دوزخ نہ کند باغ ارم را

(۴) ترجمہ - مجنوں کا زمانہ گذر گیا - اب ہماری باری ہے - ہر کوئی پانچ دن کی نوبت گزار جاتا ہے -
اس شعر میں خواجہ صاحب نے دنیا کی ناپائیداری دکھائی ہے - اور لوگ سکندر و دارا کی مثالیں دیکر یہ مضمون ادا کرتے ہیں - عاشقوں کی سلطنت اور ہوتی ہے - انہوں نے فرہاد و مجنوں کی مثال پیش کردی -

(۵) ترجمہ - میں کون ہوں کہ اس حرم میں جاؤں - صبا اسکی حریم حرمت کی پردہ دار ہے -
حرم - احاطہ گرداگرد خانہ کعبہ - اندرون سرائے - حریم احاطہ گرداگرد - خانہ - حرمت - عزت
خواجہ صاحب فرماتے ہیں - کہ میں کیا چیز ہوں کہ رب العزت کے حریم میں یعنی اسرار میں مجھے دخل ہو وہاں تو صبا ہی باہر دروازہ پر پردہ داری کر رہی ہے - اور اندر نہیں جا سکتی - حالانکہ ہوا کو طبعاً کوئی رکاوٹ نہیں - یا یہ کہ میری رسائی وہاں تک ناممکن ہے - کیونکہ صبا وہاں پردہ دار ہے - جس سے آنکھ بچا کر جانا ہی ممکن نہیں - ظاہر ہے - کہ ہوا ہر جگہ موجود ہوگی -

(۶) ترجمہ - عشق کا ملک اور خوشی کا خزانہ جو ہمارے پاس ہے - اس کی یمن و ہمت کی وجہ ہی ہے -
سلطان عشق کا خزانہ بادی النظر میں نقد طرب سے خالی ہونا چاہئے - مگر حقیقت یہ ہے - کہ عاشقوں کو غم جاناں کے عوض غم جہاں سے قطعاً رہائی ہوتی ہے - اسلئے مقابلتاً وہ خوش ہیں - کیونکہ انہیں ایک غم تو بیشک ہے مگر ہزار غموں سے نجات ہی حاصل ہے اور غم عشق ہی خود ایک لذت ہے -

عشق سر تا پا غم آمد لیک اندر ہر غمے -	ذوق دیگر لذت دیگر سرور دیگر ست

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہمکو جو سلطنت عشق اور گنج طرب حاصل ہے - وہ سب اس کے یمن کی بدولت ہے -

(۷) ترجمہ - میں اور میرا دل اگر فنا ہی ہو جائیں تو کیا غم ہے مقصود ہمکو اسکی سلامتی سے ہے -

عاشق کے دل کو اس قدر تسکین ہے کہ اگر وہ فنا ہی ہو جائے - تو کچھ فکر نہیں - اس کے معشوق یار کی سلامتی ہے - اور وہ سلامت ہے -

(۸) ترجمہ - اس کے خیال سے خالی آنکھہ کا منظر نہ ہو - کیونکہ یہ گوشہ خاص اس کی منزل ہے
خواجہ صاحب فرماتے ہیں - کہ میری آنکھہ کا منظر کبھی معشوق کے نظارہ سے خالی نہ ہو - کیونکہ گوشہ چشم خاص اس کی جگہ ہے - اس کی منزل میں دوسرے کا کیا کام -

(۹) ترجمہ - اگر میں گنہگار ہوں تو کیا عجب - تمام جہان اس کی پاکی کا گواہ ہے -
مطلب یہ ہے - کہ اگر میں گنہگار ہوں تو کیا ہرج - محبوب کے عصمت کے اور بہت گواہ ہیں یعنی نہ ہماری نافرمانی سے اس کی ذات میں کچھہ نقص واقع ہوتا ہے - اور نہ ہماری تسبیح سے اس کو کچھ فائدہ حاصل - عصمت سے یہاں مراد مطلق پاکی ہے - گناہ سے بچنا نہیں - گویا خدا کی پاکی بیان کرنے والے اور بہت ہیں - ایک میں نہ سہی - ظاہری مطلب ظاہر -

(۱۰) ترجمہ - جو نیا پھول زیب چمن ہوتا ہے - اس میں رنگ و بو اسی کی صحبت سے ہے -
وہی خیال ہے جو شعر ت ۱۵ میں ہے -

(۱۱) ترجمہ - حافظ کی ظاہری ناداری پر نہ جا - کیونکہ اس کا سینہ یار کی محبت کا خزانہ ہے -
وہی خیال ہے جو اشعار ت ۱۵ - ۳ میں ہے -

غزل (۹)

آن سیہ چردہ کہ شیرینی عالم با اوست	۱	چشم میگون لب خندان دل خرم با اوست
گرچہ شیرین دہنان پادشہانند ولے	۲	آن سلیمان زمان است کہ خاتم با اوست
روئے خوب است و کمال ہنر و دامن پاک	۳	لاجرم ہمت پاکان دو عالم با اوست
خال مشکین کہ بر آن عارض گندم گون است	۴	سر آن دانہ کہ شد رہزن آدم با اوست
دلبرم عزم سفر کرد خدا را یاران	۵	چہ کنم با دل مجروح کہ مرہم با اوست
با کہ این نکتہ توان گفت کہ آن سنگین دل	۶	کشت ما را و دم عیسے مریم با اوست

(۷)	حافظ از معتقد نسبت گرامی دارش زانکہ بخشایش بس روح مکرم با اوست	(۷)

شارحین کا اتفاق ہے۔ کہ یہ غزل خواجہ صاحب نے حضرت رسالت مآب صلعم کی ثنا میں لکھی ہے۔ اور الفاظ جو اس غزل میں موجود ہیں۔ اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔ یوں تو ہر ایک غزل کو جدھر چاہو لے چلو۔ مگر یہ غزل صریحاً آں حضرت کی نعت ہی معلوم ہوتی ہے۔ شاعرانہ طرز ہے۔ عاشقانہ پہلو سے گریز نہیں ہو سکتا۔ خواجہ صاحب حمد ہو یا نعت عاشقانہ انداز سے باہر نہیں ہوتے۔ اور ظاہر ہے کہ چلیلشت اور اثر اس طرز میں ہے۔ اور کسی طرز میں نہیں ہو سکتا۔ اگر اس غزل کو لغتیہ نہ خیال کریں۔ تو حسب معمول عاشقانہ راز و نیاز کی گفتگو اور معشوق کے حسن سیرت و صورت کی تعریف متصور ہوگی۔

(۱) ترجمہ۔ وہ گندم رنگ کہ جہان کی شیرینی اس کے پاس ہے۔ اس کی آنکھیں میگون لب خندان اور دل خوش ہے۔

سیہ چردہ۔ یا سیہ چردہ یعنی سیاہ رنگ کیونکہ چردہ یعنی رنگ ہے (برہان) بعض جگہ سیہ چردہ سے شخص ملیح و سبز رنگ مراد ہوتی ہے۔ (صراح)۔ یہاں یہی دوسرے معنی ہیں۔

اس شعر میں حضرت رسالتمآب کے اوصاف حمیدہ کا ذکر ہے۔ شیرینی۔ سے یہاں حسن اخلاق مراد ہے چشم میگون یعنی سرخ آنکھ تہور کی نشانی ہے۔ لب خندان نے اس تہور کے ساتھ لطف و کرم بھی شامل کر دیا۔ اور دل خرم نے اطمینان قلب اور باطنی پاکیزگی کا ثبوت دیا۔ [illegible] رسول کریم میں جلالی اور جمالی دونوں صفات بوجہ احسن موجود تھے۔ آپ کا رنگ بھی ملیح تھا۔ اس لئے سیہ چردہ کہا گیا۔ حدیث ہے۔ انا ملیح و اخی یوسف صبیح۔

(۲) ترجمہ۔ اگرچہ حسین جہاں کے بادشاہ ہیں لیکن وہ سلیمان وقت ہے کہ اسکے پاس خاتم ہے

خاتم۔ فتح یا کسر تا (۱) انگشتری۔ مہر (۲) جس سے کوئی شے ختم ہو۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ اور بھی حسین ہیں۔ اور سلطنت حسن کے بادشاہ ہیں مگر وہ بمنزلہ شاہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے وہ سلیمان وقت ہے۔ کیونکہ اسکے پاس خاتم ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگشتری تھی۔ جو انکی حکومت کا راز تھی۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ مہر نبوت حضور کے پاس

بھی خاتم ہے یعنی آنحضرت [illegible] سے کہ جہاں ہر ایک [illegible] نبوت [illegible] خاتم الانبیاء ہیں

اس لیے ان کے مقابلہ میں دیگر انبیاء معمولی بادشاہوں کی طرح ہیں۔ اور آنحضرت صلعم [illegible]

ہیں جن کی سلطنت کی وسعت جن وانس اور عناصر تک ہے جنوں کا بھی ہمارے رسول کریم پر

ایمان لانا قرآن شریف سے ثابت ہے۔

واذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القرآن فلما حضروہ قالوا انصتوا فلما قضی ولوا

الی قومہم منذرین ﴿ (سورہ احقاف رکوع ۴)

آنحضرت صلعم میں خاتم الانبیاء ہونے کی حیثیت سے ضروری تھا کہ تمام اوصاف حمیدہ جو ایک بشر میں ہو سکتے ہیں اور جملہ لوازمات نبوت جو پہلے نبیوں کو یکے بعد دیگرے عطا ہوئے تھے یکجا بدرجہ کمال موجود ہوں۔ تاکہ کوئی بھی باقی نہ رہ جائے جس کا پھر تدارک ممکن نہ ہو۔ ان کے اخلاق نے دنیا کے لیے ایک نمونہ پیش کیا۔ جس کو رب العزت نے اسوہ حسنہ کہا۔ اور ان کی تکمیل [illegible] پر ارشاد اکملت لکم دینکم ہوا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تمام انبیاء کے اوصاف ان میں یکجا موجود تھے۔ اسی مضمون کے [illegible]

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری	آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
سید عربی [illegible] الانبیا [illegible]	آنچہ [illegible] کرامت [illegible]
ہر نبی [illegible] بہرہ رسیدہ اند	آنچہ [illegible] تو آنجا رسید

(۳) ترجمہ۔ تیرا خوبصورت چہرہ ہر مرتبہ کمال اور حسن [illegible] کی بہت [illegible] ان کی [illegible] ہے۔

جیسا کہ گذشتہ شعر میں لکھا جا چکا ہے آپ میں اوصاف حمیدہ کا مرتبہ کمال ہونا [illegible] منتہائے کمال ہنر۔ اور چونکہ تمام انبیا کی صفات جو ان میں فردا فردا تھیں آپ میں یکجا موجود ہیں۔ اسلیئے یہ کہنا بجا ہے کہ تمام انبیاء نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ اور ان کا مرتبہ ولایت و عظمت محض آپ ہی کی بدولت تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ انا من نور اللہ وکل خلق من نوری۔

(۴) ترجمہ۔ [illegible] خال جو ان [illegible] گندم گوں [illegible] ہے۔ [illegible] آدم کا [illegible]

[illegible] گندم [illegible]

[illegible] حضرت آدم کو بہشت سے نکلوایا تھا [illegible] پیدا ہوا تھا

آپ کے عشق میں حضرت آدم بھی بہشت چھوڑ آئے۔ گویا وہ دانہ گندم جو حضرت آدم کو بہشت سے نکلوانے کا باعث ہوا۔ وہ آپ کے عارض گندم گوں کا عشق تھا۔

[illegible] بہشتے	(الخ)	سر زگردم خاکی سرشتے

(۵) ترجمہ۔ میرے دلبر نے سفر کا ارادہ کیا [illegible] تو میں اپنے زخمی دل کو کیا کروں کہ مرہم اسکی پاس تھا
اس شعر میں آنحضرت صلعم کے وصال کی طرف اشارہ ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ میرے مجروح دل کی مرہم تو صرف آنحضرت صلعم کے پاس ہی ہے۔ اب میں لاچار ہوں۔ کیا کروں درد بیدرمان ہے۔
(۶) ترجمہ۔ یہ نکتہ کسکو کہوں کہ اس سنگین دل نے [illegible] عیسیٰ ابن مریم اس کے پاس ہے۔
بیشک نکتہ ہے۔ دم عیسیٰ ع سے مراد "قم باذن اللہ" ہے۔ یہ کہکر حضرت عیسیٰ ع مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں۔ کہ عیسیٰ ع نفس ہوکر اس [illegible] بڑا اعجوبہ ہے کسکو کہوں کون مانیگا۔
خواجہ صاحب نے شعر (۵) میں بعینہٖ یہی مضمون پھر ادا کیا ہے اور اس میں بھی پیچ پڑے ہیں۔
(۷) ترجمہ۔ حافظ کسی کے مریدوں سے ہے۔ اس کی عزت کرو۔ کیونکہ رسول صلعم کی روح اکرم کی کافی بخشائش اس کے ساتھ ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں کسی کے معتقدوں میں سے ہوں۔ میری عزت کرو۔ کیونکہ بہت کریم روحوں کی بخشائش میرے ساتھ ہے۔ یا روح اکرم آنحضرت صلعم میرے لئے وافی بخشائش ہے۔ لفظ اس کا استعمال وقت طلب ہے۔ مگر مطلب صاف ہے۔

مولانا جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے۔ کہ گرچہ معلوم نہیں ہوا۔ کہ خواجہ حافظ نے کسی بزرگ کی بیعت کی۔ مگر ان کے کلام میں اسقدر تصوف بھرا ہے۔ کہ اس کی نظیر نہیں۔ اس شعر میں خواجہ صاحب نے گویا اس امر کا جواب بھی دیا ہے۔ کہ حافظ کو یہ کہو۔ کہ وہ کسی کا مرید نہیں اور کسی سے بیعت نہیں کی۔ وہ روح آں حضرت سے فیضیاب ہوتا ہے اور اس کے لئے یہ فیض کافی ہے۔ اور اکثر خدا رسیدہ لوگوں کی بیعت ہی براہ راست رسول اللہ سے ہوتی ہے۔ [illegible] شعر الف [illegible]

غزل (۱۰)

دارم امید عاطفتے از جناب دوست	۱	کردم جنایتے و امیدم بعفو اوست
دانم کہ بگذرد ز سر جرم من کہ او	۲	گرچہ پری وش است و لیکن فرشتہ خوست
بے گفتگوئے زلف تو دل را ہمے برد	۳	با روئے دلکشت کہ مجال گفتگوست
عمر یست تا ز زلف تو بوئے شنیدہ ایم	۴	زاں بوئے در مشام دل ما ہنوز بوست
ہیچ است آں دہان کہ ندیدیم از و نشان	۵	مو یست آں میان و ندانم کہ آنچہ موست
دارم عجب ز نقش خیالش کہ چوں نرفت	۶	از دیدہ ام کہ دم بدمش کار شست و شوست
چنداں گریستم کہ ہر آنکس کہ برگذشت	۷	در دیدہ ام چو دید رواں گفت کیں چہ جوست
ما سر چو گوئے بر سر کوئے تو باختیم	۸	واقف نشد کسے کہ چہ گوئیست آنچہ گوست

(۹) حافظ بدست حال پریشانِ تو و لے / بر یاد زلف یار پریشانیت نکوست (۹)

(۱) ترجمہ ۔ مجھے دوست کے دربار سے مہربانی کی امید ہے ۔ گرچہ میں نے خیانت کی ۔ مگر اس کی عفو کی امید ہے ۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ میں گناہ گار ہوں مگر بخشش کا امیدوار لفظ خیانت میں "انا عرضنا الامانت" والی امانت کی طرف اشارہ ہے ۔ مزید تشریح کیلئے دیکھو شعر ۱ ۔

(۲) ترجمہ ۔ میں جانتا ہوں کہ میرے جرم سے درگزر کریگا ۔ اگرچہ وہ پری وش ہے ۔ مگر ساتھ ہی فرشتہ خصلت ہے خوبرو ہو کر خوش خو ہونا بیشک شاذ ہے پہلے تو خواجہ صاحب ہی شکایت کر چکے ہیں

ع ۔ رخ ہمچو ماہ تاباں دل ہمچو سنگ خارا — مگر اب کسی اور بحر میں ہیں

(۳) ترجمہ ۔ تیری زلف چپ چاپ دل کو لیجاتی ہے تیرے دلکش چہرہ کے ساتھ کس کو تاب گفتگو ہے ۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب تیری زلفیں چپ چاپ عاشق کا دل قابو کر لیتی ہیں تو پھر کسی کی کیا مجال ہے کہ تیرے نور صورت چہرہ کا حسن و دلکشی بدرجہ کمال موجود ہے۔ نظارہ کرے۔ اور بے قابو نہ ہو۔

ممکن ہے کہ اس شعر میں واقعہ طور کی طرف اشارہ ہو یعنی زلف سے عالم کثرت مراد لیجاوے اور یہ کہا جاوے کہ جب عالم کثرت ہی انسان کے دل کو قابو کرنے کیلئے کافی ہے۔ اور وہ پردۂ کثرت ہی میں بغیر گفتگو کے انسان کے دل کو اپنی طرف مائل کر سکتا ہے۔ تو پھر آدمی کی کیا مجال ہے کہ وہ اس پردۂ کثرت کو مٹا کر اس کے روئے دلکش یعنی عین ذات کا مشاہدہ کرے اور اس سے ہمکلام ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا کر کے ہی دیکھ لیا

(۴) ترجمہ۔ مدت ہوئی کہ تیری زلف کی خوشبو ہم نے سونگھی۔ ہمارے دماغ میں اسکی ابھی تک خوشبو باقی ہے۔

مشام میم مشدد۔ مگر فارسی استعمال میں مشدد نہیں پڑھا جاتا محل قوت شامہ جو ناک کی انتہا پر اور دماغ کے ابتدا میں واقع ہے۔ یہ لفظ اصل میں شم سے مشتق ہے بمعنی سونگھنا شم سے مشمم صیغہ ظرف ہے۔ اس کی جمع مشامم بعجل اور عام مشام۔ گویا لفظ مشام جمع ہے۔ مگر بمعنی واحد استعمال ہوتا ہے۔

اس شعر کا مطلب بعینہٖ وہی ہے جو شعرت ۱۱-۹ کا ہے تشریح کیلئے وہ اشعار دیکھو۔

(۵) ترجمہ۔ اسکا دہن معدوم ہے کیونکہ اسکا کوئی نشان نہ دیکھا۔ اسکی کمر بال کی طرح ہے مگر معلوم نہیں وہ بال کیسا ہے

خواجہ صاحب کی اس مشکل کو غنی کشمیری نے اس طرح حل کیا ہے۔

دیدم میان یار و ندیدم دہان یار	نتواں بہ ہیچ دید چو در دیدہ موئے ست

مظہر جان جاناں وہاں کے [illegible]

کارسازان ازل نیستی و ہستی را	باہم آمیختہ اورا و سے ساختہ اند

(۶) ترجمہ۔ حیران ہوں کہ تیری خیال کا نقش کسی طرح نہ دور ہوا۔ میری آنکھوں سے اسکا کام تو ہر وقت پانی سے دھونا ہے

مطلب یہ ہے کہ میری آنکھوں سے ہر وقت آنسو رواں ہیں۔ حیران ہوں کہ تیرا نقش خیال میری آنکھوں سے کیونکر دور نہ ہوا۔ حالانکہ پانی تمام نقشوں کو دھو ڈالتا ہے۔ خواجہ صاحب کو شاید معلوم نہ ہوگا کہ بعض پانی کچے نقشوں کو بھی پکا کر دیتے ہیں۔ فوٹو گرافر اس امر کی تصدیق کرینگے۔

(۷) ترجمہ۔ میں اتنا رویا کہ جو آدمی گزرا میری آنکھوں کو جب دیکھا۔ تو کہا کہ یہ کونسی نہر رواں ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ میں اتنا رویا کہ جب کوئی میرے پاس سے گزرا اور میری آنکھوں کو دیکھا۔ تو کہا۔ کہ یہ کونسی نہر جاری ہے۔ لفظ رواں جو کے ساتھ ہے۔

(۸) ترجمہ - ہم نے گیند کی طرح سر تیرے کوچہ میں ہار دیا کسی کو واقف نہ ہوا کہ یہ کیسی بات ہے کیا واقعہ ہے۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے سر گوئے کی طرح تیرے کوچے میں ہار دیا اور کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ کہ کیا ماجرا ہے۔

(۹) ترجمہ - اے حافظ تیرا حال پریشان برا ہے لیکن یار کی لٹ میں تیری پریشانی ہی اچھی ہے۔

خواجہ حافظ اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ بیشک تیرا حال پریشان ہے اور حالت اچھی نہیں۔ گرچونکہ یہ پریشانی زلف یار کی یاد میں ہے۔ اسلئے یہ پریشانی بری نہیں اچھی ہے۔ پہلے کئی دفعہ لکھا جا چکا ہے کہ عاشق پریشان حالی کو ہمیشہ معشوق کی زلفوں کی پریشانی سے منسوب کرتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ صاحب کے کئی شعر اس مضمون پر پہلے آچکے ہیں۔ چنانچہ دیکھو شعر الف ۔

ایک شارح نے پہلے مصرع کا اس طرح ترجمہ کیا ہے۔ "حافظ تو ...ال کے ہاتھ سے پریشان تو ہے لیکن"

غزل (۱۱)

۱ آن شب قدری کہ گویند اہل خلوت امشب است — یارب این تاثیر دولت از کدامی کوکبست

۲ تا بگیسوئے تو دست ناسزایان کم رسد — ہر دلے از حلقۂ در ذکر یارب یارب است

۳ تشنۂ چاہ زنخدان توام کز ہر طرف — صد ہزارش گردن جان زیر طوق غبغب است

۴ تا نخوئے بر عارضش بین کافتاب گرم رو — در ہوائے آن عرق تا ہست ہر روزش تب است

۵ اندران موکب کہ بر پشت صبا بندند زین — با سلیمان چون برانم من کہ مورم مرکب است

۶ شاہسوار من کہ ماہ آئینہ دار روی اوست — تاج خورشید بلندش خاک نعل مرکب است

۷ آب حیوانش ز منقار بلاغت میچکد — زاغ کلک من بنام ایزد چہ عالی مشرب است

۸ من نخواہم کرد ترک لعل یار و جام مے — زاہدان معذور داریدم کہ اینم مذہب است

(۹) آنکہ ناوک بر دلم از زیر چشمے میزند — قوت جان حافظش در خندہ زیر لب است (۹)

(۱) ترجمہ۔ شب قدر جس کا ذکر گوشہ نشین کرتے ہیں۔ آج کی رات ہے۔ یہ یا رب یہ خوش نصیبی کس ستارہ کی وجہ سے ہے

شب قدر تحقیق گذر چکی ہے دیکھو شعر ب ۱۲۔ **کوکب**۔ ستارہ روشن و تیز رنگ۔ خوشحالی و بدحالی عموماً لوگ ستاروں کی گردش سے منسوب کرتے ہیں۔

(۲) ترجمہ۔ تاکہ تیرے گیسو تک نا اہلوں کا ہاتھ نہ پہنچے ہر دل حلقۂ زلف میں ذکر یارب یارب کر رہا ہے

کم رسد۔ یعنی نہ رسد۔ کم ان معنوں میں اکثر استعمال ہوتا ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ تیری زلف کے حلقوں میں جتنے دل اسیر ہیں سب ذکر یارب یارب میں مشغول ہیں۔ تاکہ اس ذکر کی برکت سے کوئی ناسزا ادھر نہ جانے پائے۔

یارب یارب کرنا یا خدا خدا کرنا۔ یعنی خدا کی پناہ مانگنا۔ مثلاً (مصطلحات خان آرزو)

خدا خدا کنم از کثرت بتان شب روز	کہ در میان نشود گم رہ خدا دانی

یا دوسری معنی اسطرح بھی ہو سکتے ہیں کہ تیری زلفوں تک کوئی ناسزا نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ تیری زلف کی حلقوں میں جتنے دل اسیر ہیں وہ سب ذکر یارب یارب میں مصروف ہیں۔ یعنی ان میں سے کوئی نا اہل نہیں۔

(۳) ترجمہ۔ میں تیری چاہ زنخدان کا پیاسا ہوں جسکی ہر طرف لاکھوں جانوں کی گردنیں دائرہ غبغب میں اسیر ہیں۔

زنخداں اور **غبغب** کی لغوی تحقیق گزر چکی ہے۔ دیکھو الف ۲۸۔

یہاں طوق غبغب سے مراد دائرہ غبغب ہے جس کی رعایت سے لفظ گردن آیا۔ کیونکہ اسیر کرنے کیلئے گردن میں طوق ڈالا جاتا ہے۔ خواجہ صاحب اپنی مہم کی دشواری بیان کرتے ہیں کہ چاہ زنخداں کا پیاسا تو ہوں مگر دیکھتا ہوں۔ کہ پہلے ہزاروں دل جو ادھر مائل ہوئے اسیر پڑے ہیں۔ میرا بھی یہی حال ہوگا۔

(۴) ترجمہ۔ اسکے رخسار پر پسینہ کی چمک دیکھ کر تیز رو سورج اسی پسینہ کے شوق میں جب تک ہے۔ ہر روز چل رہا ہے

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ معشوق کے عارض پر پسینہ کا قطرہ اسقدر درخشندہ اور روشن ہے کہ آفتاب بھی اسکی تاب سے تاب میں ہے یعنی آفتاب بھی جب تک ہے اس کی درخشانی کے رشک میں جلتا رہے گا۔

ایک شارح صاحب ۔۔۔۔۔۔ اس شعر کے معنی اسطرح بیان فرماتے ہیں "اس کی عارض کی پسینہ کی تاب بمثل آفتاب تیز کے دیکھ کر اس پسینہ کی محبت جب تک کہ دنیا میں موجود ہے روز زیادہ ہے"۔

(۵) ترجمہ۔ جس لشکر میں چیونٹی کی پشت پر زین لگا دی گئی۔ سلیمان سے کیا مقابلہ کرونگا کہ میرا گھوڑا چھوٹا ہے۔

موکب - گروہ سواراں شاہی جلوس میں جولشکر ہو -

خواجہ صاحب نے اس شعر میں اپنی بے نیاز عشق کا اعتراف کیا ہے کہ جس لشکر میں باد صبا پر زین لگا کر لوگ سوار ہونگے - وہاں میں ان کا کیا مقابلہ کرونگا جسکا مرکب چیونٹی ہو - حضرت سلیمان کا تخت ہوا پر اڑتا تھا - اور ہوا وملخ ان کی تابع فرمان تھی - غالباً خواجہ صاحب کا اشارہ روز قیامت اور پل صراط کی طرف ہے - اور کلام پاک میں حضرت سلیمان کے قصہ میں چیونٹی کا ذکر بھی ہے -

(۶) **ترجمہ** - میرا شاہسوار جسکا آئینہ دار چاند ہے اسکے گھوڑے کی نعل کی خاک جمشید سورج کا تاج ہے -

مہ کی آئینہ داری کے متعلق دیکھو شعر ت ۲

(۷) **ترجمہ** - اسکی خوشگوئی چونچ سے آبحیات ٹپکتا ہے - میرے قلم کا کوا ماشاءاللہ کتنا بلند مشرب ہے -

قلم کو زاغ بوجہ سیاہی کہا گیا ہے لفظ منقار آب اور مشرب زاغ کی رعایت سے آئے ہیں - ماشاءاللہ یعنی ماشاءاللہ - یہ شعر بھی شاعرانہ فخر پہلو لئے ہوئے ہے قلم سے آبحیات کا ٹپکنا ظاہر کیونکہ قلم کا لکھا ہوا مقابلتاً ہمیشہ باقی رہتا ہے - اور خواجہ صاحب کی غزل تو بیشک پانچ چھ سو سال کی عمر پا چکی ہے اور ابھی اسی شباب میں ہے -

(۸) **ترجمہ** - میں لب یار اور جام شراب کو نہ چھوڑونگا اے زاہد مجھے معذور سمجھو کیونکہ میرا مذہب ہے

خواجہ صاحب واعظوں کی پند و نصائح سے تنگ آ کر اسے کہتے ہیں کہ مجھے معذور رکھو - میرا مذہب ہی یہی ہے - ظاہر ہے کہ جب کوئی آدمی ایک مذہب میں ہو کر خلاف مذہب عمل کرے - تو اس کو نصیحت کر سکتے ہیں - مگر جب وہ ایک طرز عمل کو اپنا مذہب بنا لے تو پھر دوسروں کا اس کے مذہب پر حملہ کرنیکا کوئی حق باقی نہیں رہتا -

(۹) **ترجمہ** - وہ جو میرے دل پر ترچھی نظروں سے تیر ارتا ہے حافظ کی جان کی غذا اس کے تبسم میں ہے -

زیر چشم - نیچی آنکھ یا ترچھی نظر سے دیکھنا - **خندہ زیر لب** تبسم جو حرکت لب سے تجاوز نہ کرے -

خواجہ صاحب کہتے ہیں - کہ معشوق کی ترچھی نظریں گو تیر کا کام کرتی ہیں - مگر ساتھ ہی اس کا تبسم ہمارے لئے آب حیات کا کام دیتا ہے اور ناوک نظر سے جو زخم دل پر ہوتا ہے اس کا علاج تبسم سے ہو جاتا ہے -

غزل (۱۲)

۱	سینہ ام ز آتش دل در غم جانانہ بسوخت	آتشے بود درین خانہ کہ کاشانہ بسوخت
۲	تنم از واسطہ دوری دلبر بگداخت	جانم از آتش مہر رخ جانانہ بسوخت
۳	ہر کہ زنجیر سر زلف پری روے تو دید	شد پریشان و دلش بر من دیوانہ بسوخت
۴	سوز دل بین کہ ز بس آتش اشکم دل شمع	دوش بر من ز سر مہر چو پروانہ بسوخت
۵	چوں پیالہ دلم از توبہ کہ کردم بشکست	چوں صراحی جگرم بے مے و پیمانہ بسوخت
۶	ماجرا کم کن و باز آ کہ مرا مردم چشم	خرقہ از سر بدر آورد و بشکرانہ بسوخت
۷	آشنائے نہ غریب است کہ دلسوز من است	چون من از خویش برفتم دل بیگانہ بسوخت
۸	خرقہ زہد مرا آب خرابات ببرد	خانہ عقل مرا آتش میخانہ بسوخت

(۹) ترک افسانہ بگو حافظ و مے نوش دمے
کہ نخفتیم شب و شمع بافسانہ بسوخت (۹)

(۱) ترجمہ - میرا سینہ دل کی آگ سے غم معشوق میں جل گیا - اس گھر میں آگ تھی - جس سے وہ گھر جل گیا
آتش دل تو سینہ جلتا ہوا دیکھا - اب سینہ کی آگ سے دل جلتا ہوا بھی دیکھو

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

(۲) ترجمہ - میرا وجود معشوق سے دور رہنے کی وجہ سے گل گیا - میری جان معشوق کے رخسار کے مہر کی آتش سے جل گئی -

(۳) ترجمہ - جس آدمی نے تیرے پری صفت چہرے کی زلف کی زنجیر کو دیکھا پریشان ہو گیا اور اسکا دل مجھ دیوانہ پر جلا -
مطلب یہ ہے کہ عاشق کی پریشانی کا سبب معشوق کی زلف کی پریشانی ہوتی ہے تو اچھے
[illegible] طعن کرتے ہونگے مگر [illegible] تیری زلف

حلقہ کو دیکھ لیا۔ تو خود پریشان خاطر ہو گیا۔ اور اسے یہ بھی سمجھ آگئی کہ میں کیوں پریشان خاطر رہتا ہوں۔ اور پھر وہ مجھ سے ہمدردی کرنے لگا۔ الفاظ زنجیر و دیوانہ اور زلف و پریشان کی لطافت ظاہر۔

(۴) ترجمہ۔ میرے دل کا سوز دیکھ کر میری آنسوؤں کی آگ سے شمع کا دل کل ہمدردی سے مجھ پر پروانہ کی طرح جل گیا۔

اشک کو آگ سوز دل کی وجہ سے کہا۔ شمع کا جلنا اور رونا مشہور۔ عاشق شب ہجر میں رو رہا ہے اور شمع کو سمجھتا ہے۔ کہ وہ بھی میرے سوز دل پر آنسو بہا رہی ہے اور جل رہی ہے۔

(۵) ترجمہ۔ میں نے توبہ کی اور میرا دل پیالہ کی طرح ٹوٹ گیا اور میرا جگر صراحی کی طرح شراب نہ ہونے سے خشک ہو گیا۔

میخوار کی توبہ سے شکست پیالہ تو لازم مگر خواجہ صاحب کا شیشۂ دل بھی اس توبہ سے ٹوٹ گیا۔ اور ان کا جگر بھی شراب کے نہ ہونے کی وجہ سے خشک ہو کر جل گیا صراحی نے تو شراب سے خالی ہو کر خشک ہونا ہی تھا۔ خواجہ صاحب یہاں یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہم میخواری پر مجبور ہیں۔ کیونکہ ہماری زندگی اسی پر منحصر ہے۔ اور اسی لئے ہم زہد خشک پر اسکو ترجیح دیتے ہیں۔ ہم نے ترک مے کر کے بھی دیکھ لیا۔ اس توبہ سے ہم باز آئے۔

(۶) ترجمہ۔ باتیں بنا اور باز آجا کہ میری مردم چشم نے خرقہ سر سے اتار پھینکا اور شکرانہ میں سے جلا دیا۔

ماجرا۔ مرکب ہے ما اور جرا سے۔ جو کچھ گذرا ہو۔ سرگذشت۔ احوال۔ بیان زمانہ گذشتہ۔

مردم چشم۔ سیاہی چشم جو محل بصیرت ہے۔ مردمک بھی بطریق تصغیر کہتے ہیں۔

خواجہ صاحب واعظ کو کہتے ہیں۔ کہ قصے کہانیاں بند کرو۔ کیونکہ میری مردم چشم نے خرقہ سر سے اتار کر عشق کے شکرانہ میں جلا دیا ہے یعنی میں نے عشق میں آنکھ کا پردہ حجاب یا حیا دور کر دیا ہے۔ اب مجھے پند و نصیحت کا فائدہ نہیں۔ خرقہ کہنہ و دریدہ کپڑے کو کہتے ہیں۔ درویشوں اور زاہدوں کا لباس ہے۔ خرقہ از سر بدر آوردن یعنی ترک زہد۔ رندی اختیار کرنا۔

(۷) ترجمہ۔ جو میرا ہمدرد تھا۔ وہ بیگانہ نہیں بلکہ دوست ہے جب میں بے خود ہو گیا۔ تو بیگانوں کا دل مجھ پر جلا

مطلب یہ ہے کہ جب میں اپنے آپ سے باہر ہوا یعنی بے خود ہوا تو بیگانے بھی میرے لئے افسوس کرنے

لگے - اور وہ بیگانے چونکہ میرے ہمدرد ہیں اسلئے انکو بیگانہ نہیں کہہ سکتا - بلکہ وہ میرے آشنا اور دوست ہیں -

الفاظ آشنا و غریب اور خویش و بیگانہ ایک دوسرے کی رعایت سے آئے ہیں -

(۸) ترجمہ - میری پارسائی کا خرقہ کو شراب لیگئی میرے خانۂ عقل کو آتش میخانہ نے جلادیا -

آب خرابات اور آتش خم خانہ دونو کے معنی شراب ہیں - شراب کو بوجہ رنگ اور اثر کے آتش سے تشبیہہ دیتے ہیں - خواجہ صاحب نے اس شعر میں آب و آتش کو خوب جمع کیا ہے مطلب یہ ہے کہ میرے خرقہ زہد کو شراب بہا کر لیگئی - اور خانۂ عقل کو آتش جام نے جلادیا یعنی شراب نے میری پارسائی اور عقل کو ضایع کردیا - ظاہری اور معنوی مطالب ظاہر عقل اور شراب کے متعلق دیکھو شعر العجم

(۹) ترجمہ - حافظ کہانیاں چھوڑ اور کچھ دیر شراب پی کیونکہ تمام رات ہم نہ سوئے اور شمع افسانہ میں جل گئی -

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ حافظ ان افسانوں کو چھوڑ اور شغل مے نوشی کرو - انہی افسانوں میں شمع جل بجھی اور تم نے رات بھر آرام نہیں کیا - اب ان قصوں کو چھوڑ - مطلب یہ ہے کہ تم نے اپنی عمر سے کچھ حاصل نہ کیا - اور انہی باتوں میں عمر گذار دی - اب تو کچھ فکر کرو -

شب بمستی قرب و گرد بدر حبیب سحر کیے		تو ہم چشم تغافل باز کن ای حبیب کیے

غزل (۱۳)

زاہد ظاہر پرست از حال ما آگاہ نیست	۱	در حق ما ہر چہ گوید جای ہیچ اکراہ نیست
در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست	۲	در صراط المستقیم ای دل کسی گمراہ نیست
تا چہ بازی رخ نماید بیدقی خواہیم راند	۳	عرصۂ شطرنج رندان را مجال شاہ نیست
این چہ استغناست یارب وین چہ قادر حکمتست	۴	کاین ہمہ زخم نہان ہست و مجال آہ نیست
چیست این سقف بلند سادہ بسیار نقش	۵	زین معما ہیچ دانا در جہان آگاہ نیست
صاحب دیوان ما گوئی نمیداند حساب	۶	کاندرین طغرا نشان حسبۃ للہ نیست

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو	۷	گیر و دار و حاجب و دربان درین درگاہ نیست
ہر چہ ہست از قامت ناساز و بے اندام ماست	۸	ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست
بر در میخانہ رفتن کار یکرنگان بود	۹	خودفروشاں را بکوی میفروشاں راہ نیست
بندہ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است	۱۰	ورنہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

(۱۱)	حافظ ار بر صدر ننشیند ز عالی ہمتی ست عاشقے دردی کش اندر بند مال و جاہ نیست	(۱۱)

(۱) ترجمہ۔ زاہد ظاہر پرست ہمارے حال سے واقف نہیں ہمارے حق میں جو کچھ کہے کچھ مضائقہ نہیں خواجہ صاحب نے بہاں صاف الفاظ میں جتا دیا ہے کہ ان کا رندانہ مشرب زاہدان ظاہر پرست کی فہم سے بالا ہے۔ اور وہ حافظ پر اگر طعنہ زنی وغیرہ کرتے ہیں۔ تو اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ ان کی حالت سے اور اسکی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ اس لئے وہ بھی معذور ہیں۔ اگر کچھ برا بھلا کہیں تو مضائقہ نہیں۔ اسی طرح خواجہ صاحب کے کلام کو نہ سمجھ کر یا دیدہ دانستہ اگر کوئی آدمی اقلیم سخن کے اس زبردست اور باقبال شاہنشاہ کو خراج تحسین ادا نہ کرے۔ تو اسکی کور بختی۔

(۳) ترجمہ۔ طریقت میں جو کچھ سالک کے پیش آئے اسکے لئے اچھا ہے۔ راہ راست پر اے دل کوئی گمراہ نہیں ہوتا۔

طریقت۔ منازل اربعہ میں سے ایک منزل ہے۔ جو شریعت کے بعد اور حقیقت و معرفت کے پہلے ہے اصطلاح سالکان میں طریقت تزکیہ باطن اور شریعت تزکیہ ظاہر کا نام ہے۔

سالک۔ مصطلح صوفیا میں وہ شخص ہے جو طالب تقرب حق تعالیٰ ہو اور فکر معاش بھی رکھتا ہو۔ یہاں مراد مطلق طالب حق۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ عشق الٰہی نجات کا سب سے زیادہ سیدھا راستہ ہے۔ اسلئے طالب حق کو اگر منازل عشق کے طے کرنے میں مشکلات اور تکالیف کا سامنا ہو۔ یا کوئی بظاہر خلاف عقل یا خلاف قیاس بات پیش آئے تو اسکو برا نہیں سمجھنا چاہیے۔ اور چون و چرا میں نہیں پڑنا چاہئے۔ کیونکہ راہ راست پر کوئی گمراہ نہیں ہو سکتا بقول سعدی رحمۃ اللہ علیہ

کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست

صوفیائے کرام کے نزدیک انسان کو دنیا میں جو کچھ پیش آتا ہے۔ اور جو افعال و اعمال اس سے سرزد ہوتے ہیں

ان سب میں حکمت آلہی موجود ہے۔ اور مصلحت پر مبنی ہیں۔ گویا اُن کے نزدیک تمام دنیا صراط المستقیم پر ہے۔ اور جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے حکیم مطلق کی حکمت کے مطابق ہو رہا ہے۔ اسلئے ہم کو ہمیشہ یہ یقین ہونا چاہیئے کہ جو کچھ ہو رہا ہے عین حکمت کے مطابق ہو رہا ہے۔ اور اس میں ہمارا آخر کار فائدہ ہے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فصوص الحکم میں لکھا ہے۔ کہ بفحوائے آیہ کریمہ۔ مامن دابة الا هو آخذ بناصیتها ان ربی علی صراط مستقیم۔ (سورہ ہود رکوع ۵) اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر ادنیٰ اور اعلیٰ چیزوں میں وسیع ہے۔ ہر چلنے والے کی پیشانی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اور میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔ پس ہر چلنے والا رب کی سیدھی راہ پر ہے۔ پس وہ مغضوب علیہم میں اس وجہ سے داخل نہ ہوا۔ اور نہ ضالین میں اور جب ضلالت اور غضب آلہی دو نو عارضی امور ہیں اور انکا مآل کار رحمت ہے۔ تو رحمت ہی ہر شئ پر وسیع ہے اور یہ رحمت غضب پر سابق ہے۔

(۳) ترجمہ۔ ہم پیادہ سے کھیلیں گے۔ دیکھیں کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ رندوں کی شطرنج کی بساط پر شاہ کی جگہ نہیں۔

بیذق۔ پیادہ شطرنج۔ یہ لفظ پیادہ کا معرب ہے۔ عام طور پر اس پیادہ کو کہتے ہیں جو خانہ ہائے شطرنج کی انتہا تک پہنچے۔ مگر محققین شطرنج ان دو پیادوں کو کہتے ہیں۔ جو شاہ اور فرزین کے مقابل رکھے جاتے ہیں۔ عرصہ شطرنج یعنی بساط جس پر شطرنج کھیلی جاتی ہے۔ شاہ شطرنج کا شاہ۔ مجال جائے جولان کردن۔ میدان۔ طاقت۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ہم پیادوں سے کھیلیں گے اور دیکھیں گے۔ کہ کھیل کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمارے شطرنج کی بساط پر شاہ کے چلنے کی جگہ ہی نہیں مطلب یہ ہے کہ مشرب رنداں میں دنیاوی جاہ و جلال کا کچھ کام نہیں۔ شطرنج کے متعلق۔ بازی۔ رخ۔ بیذق۔ عرصہ شطرنج۔ مجال۔ شاہ کتنے الفاظ اور کس خوبصورتی سے خواجہ صاحب نے اکٹھے ایک شعر میں جمع کر دیئے۔

(۴) ترجمہ۔ اے خدا یہ کیسی بے پرواہی ہے اور یہ کیسا انصاف ہے۔ کہ ہم کس قدر پوشیدہ زخم ہیں۔ اور آہ کرنیکا اختیار نہیں۔

اردو میں مثل مشہور ہے " کہ زبردست مارے اور رونے نہ دے "۔

(۵) ترجمہ۔ یہ بلند سادہ اور پر نقش چھت کیا چیز ہے اس معما سے کوئی دانا اسرار با خبر نہیں۔

آسمان کو خواجہ صاحب نے سادہ اور بسیار نقش کہا ہے۔ بظاہر اجتماع ضدین ہے مگر حقیقت میں اظہار حقیقت ہے۔ آسمان کی سادگی دیکھو تو وہ بھی لاجواب ہے۔ اور نقش و نگار بھی اتنے ہیں کہ کوئی

شمار نہیں۔ کروڑوں سیارے لاتعداد ستارے چاند اور سورج سب اسکے نقش ہیں۔ مگر کسی وقت دیکھو تو تمام چہرہ پر ایک آدھ خال نظر آئیگا۔ باقی مطلع صاف۔ اور باوجود نقش و نگار کے بھی اسکی سادگی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ کسی دانا نے ابتک یہ معما حل نہیں کیا کہ یہ ہے کیا خواجہ صاحب کو یہ غزل کہے ہوئے پانچ چھ سو سال ہو گئے۔ مگر اب تک بھی کسی نے یہ معما حل نہیں کیا۔ سائنس اور فلسفہ دونو عاجز ہیں۔ نیز دیکھو شعر الف ۲۔

(۶) ترجمہ۔ ہمارا محاسب گویا حساب نہیں جانتا کیونکہ اس فرمان میں نشان حسبۃً للہ نہیں ہے۔

دیوان۔ جائے جمع شدن۔ مجازاً بمعنی دفتر محاسبہ۔ کچہری۔ دار العدالت۔ بعض کی رائے ہے کہ دراصل یہ لفظ دواں تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس لفظ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ نوشیروان نے اپنے محاسبوں کو حکم دیا۔ کہ تین روز میں فلاں حساب مکمل تیار کر دو۔ دوسرے روز ان کے دفتر میں گیا۔ دیکھا کہ بہت سے لوگ اکٹھے ہو کر بڑی جلدی سے کام کر رہے ہیں۔ کہا کہ دیوان ہستند

طغرا۔ بالضم۔ ایک قسم کا پیچیدہ خط۔ بادشاہی فرمانوں پر القاب اسی خط میں لکھے جاتے تھے۔ مطلق فرمان شاہی۔

شاہی فرمانوں پر نشان حسبۃً للہ برائے عفو و معافی تحریر ہوتا تھا۔ غربا و مسکین رعایا چونکہ باج خراج سے معاف ہوتے ہیں۔ اور بعض قصور بوجوہات چند در چند قابل معافی ہوتے ہیں۔ اسلئے پروانوں میں ان کے استثنا کیلئے یہ نشان ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے۔ کہ شائد ہمارے محاسب کو حساب سے واقفیت نہیں۔ کیونکہ اس کے تحریر شدہ پروانہ میں یہ نشان موجود ہی نہیں خواجہ صاحب گویا محاسب یا محبوب کی سخت گیری کے شاکی ہیں اور الطاف و اکرام کے طالب۔

صاحب دیوان سے طنزاً وہ واعظ بھی مراد لے سکتے ہیں۔ جو ہمیشہ عذاب الٰہی کی تشریح کرتا رہتا ہے۔

(۷) ترجمہ۔ جو چاہے آئے۔ جو چاہے جائے۔ اس درگاہ میں کوئی گرفت کوئی پردہ دار اور کوئی پاسبان نہیں مولانا شبلی مرحوم نے خواجہ صاحب کے فلسفہ اخلاق پر بحث کرتے ہوئے اس شعر کو نقل کیا ہے۔ اور خواجہ صاحب کی زبانی لکھا ہے "ہماری مجلس عام ہے کسی کی تخصیص نہیں۔ جو چاہے آئے ہم سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے ہیں۔ واعظوں اور زاہدوں کی طرح ہمارا اخلاق دوست و دشمن عزیز و بیگانہ کافر و مسلمان کی تفریق کی وجہ سے بدلا نہیں کرتا۔

اس شعر میں درگاہ سے مراد درگاہ الٰہی بھی مراد ہو سکتی ہے - اگر کوئی [illegible] آوے تو الحمدللہ کی تمہید - اگر کوئی آوے - تو لنبھلیہ مٹھیم ہا سیلنا -

(۸) ترجمہ - جو کچھ ہے - ہمارے بے موزون اور بے ڈھنگے قد کی وجہ سے ہے - ورنہ تیری خلعت کسی کے قد پر چھوٹی نہیں -

لغت - تشریف - بزرگ کرنا - عزت دینا - استعمال فارسی میں بمعنی خلعت جو امرا و سلاطین کسی آدمی کی عزت افزائی کیلئے اسے عطا کرتے ہیں - یہاں بمعنی خلعت -

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ خدا کی مہربانیاں عام ہیں - اگر ہم ان کے فیض عام سے محروم ہیں تو یہ سارا اپنا قصور ہے - شور زمین پر اگر زراعت نہ ہو تو بارش کا قصور نہیں - ع -

سبزہ بر سنگ نمی روید چہ گناہ باران را

اس شعر کی مزید تشریح کیلئے دیکھو شعر الف ۱۵ جہاں استعداد اور فیض کے متعلق پوری بحث ہو چکی ہے -

حاصل کلام یہ ہے - کہ یہ ہماری اپنی کم ظرفی ہے - ورنہ [illegible] کا بحر بیکران ہے مولانا حالی مرحوم نے کہا ہے -

ہمارے ظرف ہی اکرام کے قابل نہیں ورنہ		الٰہی تم پہ تہمت [illegible] یہ کیوں تمسک ہو کر ساقی

حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں -

نیست از فضل کہ ندانند شناخت		بر دگرے تو ندانند گذشت

نظیری نیشاپوری کا یہ شعر بھی اسی مضمون پر ہے -

ہرگز [illegible]		[illegible] قد [illegible]

(۹) ترجمہ - [illegible] قابل نہیں -

یکرنگ سے مراد وہ آدمی ہے جسکا ظاہر و باطن ایک سا ہو - ریاکار نہ ہو - زہد فروشی نہ کرے اور منافق نہ ہو خود فروش وہ آدمی ہیں - جو اپنی ظاہر صورت کو دیکھا کر دوسروں کو اپنے زہد کا یقین دلا کر ان سے مفاد حاصل کریں - ظاہر ہے کہ ایسے لوگ مے فروشوں کے کوچہ میں نہیں جا سکتے -

(۱۰) ترجمہ - میں اس پیر خرابات کا غلام ہوں جسکا لطف دائمی ہے ورنہ شیخ و زاہد کا لطف کبھی ہے اور کبھی نہیں -

خواجہ صاحب شیخ و زاہد کی متلون مزاجی کی شکایت کرتے ہیں یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر بگڑ بیٹھتے ہیں اور خدانخواستہ اگر آدمی ان کی خلاف رائے کچھ کر گزرے - تو کبھی معاف ہی نہیں کرتے -

پیر خرابات سے خدا ہی مراد ہو سکتی ہے۔ اور شیخ و زاہد سے ما سوا حکام وغیرہ۔

تری مسجد میں واعظ خاص ہیں اوقات رحمت کے
ہمارے میکدہ میں رات دن رحمت برستی ہے

(۱۱) ترجمہ۔ حافظ اگر صدر میں نہیں بیٹھتا تو یہ اسکی بلند ہمتی ہے۔ درد کش عاشق کو مال و جاہ کی پرواہ نہیں ہوتی۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ اگر ہم لوگ دنیاوی جاہ و جلال نہیں رکھتے تو اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ ہم اسے حاصل ہی نہیں کر سکتے۔ بلکہ وجہ یہ ہے۔ کہ ہم لوگ عالی ہمت ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتے مشرب عشق میں مال و جاہ کی محبت دل میں ہوتی ہی نہیں۔ کیونکہ ع این زمیں را آسمانے دیگر است

غزل (۱۴)

آں پیک نامور کہ رسید از دیار دوست	۱	آورد حرز جان ز خط مشکبار دوست
خوش می دہد نشان جلال و جمال یار	۲	خوش می کند حکایت عز و وقار دوست
جاں دادمش بمژدہ و خجلت ہمے برم	۳	زیں نقد کم عیار کہ کردم نثار دوست
سپہر و دور قمر را چہ اختیار	۴	در گردش اند بر حسب اختیار دوست
شکر خدا کہ از مدد بخت کارساز	۵	بر حسب عاشقست ہمہ کار و بار دوست
گر باد فتنہ ہر دو جہاں را بہم زند	۶	ما و چراغ چشم و رہ انتظار دوست
کحل الجواہری بمن آر اے نسیم صبح	۷	زاں خاک نیک بخت کہ شد رہگذار دوست
مائیم و آستانہ عشق و سر نیاز	۸	تا خواب خوش کرا برد اندر کنار دوست

(۹)
دشمن بقصد حافظ اگر دم زند چہ باک
منت خدائے را کہ نیم شرمسار دوست
(۹)

(۱) ترجمہ۔ وہ نامور قاصد جو معشوق کے ملک سے آیا ہے معشوق کے مشکین خط سے جان کا تعویذ لایا۔

(۲) ترجمہ۔ دوست کے جلال و جمال کا اچھا نشان دیتا ہے دوست کی عزت اور وقر کی اچھی حکایت کرتا ہے۔

(۳) ترجمہ۔ میں نے اس خوش خبری پر جان دی اور نادم ہوں اس خالص نقد سے جو میں نے دوست پر قربان کی۔ یہ تین شعر قطعہ بند ہیں۔ حرز بالکسر۔ پناہ گاہ مضبوط جگہ مجازاً بمعنی تعویذ۔ پیک نامور سے مراد باد صبا ہے کیونکہ خوشبو کو ایک جگہ سے دوسری جگہ وہی لیجا سکتی ہے۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ باد صبا میرے معشوق کے خط مشکین سے خوشبو لائی۔ جو میرے لئے بمنزلہ حرز جان کے ہے۔ اگر خط کو معنی دستخط لیا جاوے۔ تو مطلب یہ ہوگا۔ کہ قاصد معشوق کے مشکبار خط کا ایک نامہ میرے پاس لایا جسکو میں بمنزلہ تعویذ سمجھتا ہوں۔ حرز اور خط کی لطافت ظاہر۔

بعض بزرگوں کا خیال ہے۔ کہ پیک نامور حضرت جبرائیل علیہ السلام ہے۔ اور حرز جاں سے مراد قرآن کریم ہے۔ اس تعبیر میں کسی کو کچھ اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ دوسرا شعر بھی اس تعبیر سے مطابقت رکھتا ہے۔ جہاں نشان جلال و جمال سے صریحاً محبوب حقیقی کی شان جمالی اور شان جلالی کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کی تمام وہ صفات جو عفو و مغفرت حلم سلامت و رحمت ربوبیت۔ رزاقیت وغیرہ کی متعلق ہیں اس کی شان جمالی میں داخل ہیں اور تمام وہ صفتیں جو اسکی قدرت انتقام عقاب جباری اور قہاری وغیرہ کے متعلق ہیں اس کی شان جلالی کہلاتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ کی ان صفات کا کلام الٰہی میں مفصل ذکر ہے۔ اس کی عزت و وقار۔ استغنا۔ غنا اور کبریائی کا ذکر بھی فرقان مجید میں پایا جاتا ہے۔

حرف عاشقانہ رنگ میں اگر ان اشعار کو لیا جائے۔ تو بھی مطلب صاف ہے کوئی دقت پیش نہیں آتی خواجہ صاحب پھر کہتے ہیں کہ اس بشارت اور خوشخبری کے عوض میں نے اپنی جان اس کو قربان کی مگر نقد جان بھی کوئی اتنی بڑی قیمتی چیز نہیں۔ اس لئے نادم ہوں کہ میں کچھ نہ کرسکا۔ عیا بمعنی چاشنی زر وسیم مرزا غالب کہتے ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا		جان دی دی ہوئی اسی کی تھی

(۴) ترجمہ۔ آسمان کی حرکت اور چاند کی گردش کا کیا اختیار ہے دوست کے اختیار کی مطابق گردش کر رہے ہیں۔

مشہور ہے کہ دنیا میں جس قدر انقلاب ہوتے ہیں۔ وہ سب آسمان کی گردش و باقی اجرام فلکی کی حرکات کے سے وابستہ ہیں۔ خواجہ صاحب اس شرکت کی اس طرح تردید کرتے ہیں کہ جب آسمان اور چاند خود تیرے فرمان میں اور تیری مرضی کے مطابق حرکت کر رہے ہیں تو انکا کیا اختیار ہے۔ اور واقعات پر ان کا کوئی اثر نہیں۔ ان القوۃ للہ جمیعاً (بقرہ رکوع ۲۰) الشمس والقمر بحسبان (رحمٰن)

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں		کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

(۵) ترجمہ۔ خدا کا شکر ہے کہ اچھے نصیبوں کی مدد سے دوست کا تمام کاروبار ہمارے [illegible] ہے

یہاں شاعر خدا کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ کہ معشوق کے تمام کام اس کے حسب مدعا ہو رہے ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ نظام عالم کا تمام سلسلہ انسان کی ضروریات کے مطابق چل رہا ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند		تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری

ہو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً ثم استویٰ الی السماء فسوٰہن سبع سمٰوات (بقر) یعنی خدا نے جو کچھ دنیا میں ہے۔ تمہارے لئے پیدا کیا۔

ان فی خلق السمٰوات والارض واختلاف اللیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتہا وبث فیہا من کل دآبۃ وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لاٰیات لقوم یعقلون۔ (سورۂ بقر رکوع ۲۰) یعنی زمین اور آسمان۔ اختلاف لیل و نہار۔ دریا اور جہاز پانی بادل اور ہوا تمام تمہارے فائدہ کے لئے ہیں۔

(۶) ترجمہ۔ اگر فتنہ کی ہوا دو نوجوانوں کو درہم برہم کرے۔ تو بھی ہم اور ہماری آنکھوں کا چراغ دوست کے انتظار میں راہ پر ہوگا۔

اگر فتنہ کی آندھی دو نوجوانوں کو درہم برہم کر دے۔ تو بھی ہم اپنی آنکھوں کا چراغ لیکر معشوق کی انتظار میں رستہ پر بیٹھے رہینگے۔ چراغ کا آندھی کے سامنے ٹھیرنا معلوم۔

(۷) ترجمہ۔ اے نسیم صبح موتیوں کا سرمہ میرے پاس لا اس خوش نصیب مٹی سے جہاں سے معشوق گذرا ہے

کحل الجواہر۔ موتیوں کا سرمہ۔

عاشق ہمیشہ معشوق کے رہگذار کی مٹی کو سر سمجھتے ہیں اور اسے اپنی آنکھوں میں لگانے کے مشتاق ہوتے ہیں۔ عارف جامی کہتے ہیں۔

باد از نسیم مشکفشان بخش زلال جان ترا	خاکش بود کحل جلا در دیدہ ادراک

[illegible]

(۸) ترجمہ۔ ہم ہیں اور آستان عشق اور سر نیاز دیکھئے۔ خواب خوش کسکو معشوق کے کنار میں لے جائے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے آستانہ عشق پر اپنا سر نیاز رکھا ہوا ہے۔ اور منتظر ہیں کہ خواب خوش کس کو کنار دوست میں پہنچاتی ہے۔

(۹) ترجمہ۔ دشمن اگر حافظ کے نقصان کا ارادہ کرے تو کیا ڈر۔ الحمدللہ کہ میں دوست کا شرمسار نہیں ہوں۔

اگر دشمن میرے قتل کا ارادہ کرتا ہے۔ تو کیا ڈر ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں دوست سے شرمندہ نہیں ہوں۔

غزل (۱۵)

زلفت ہزار دل بہ یکے تار مو بہ بست	۱	راہ ہزار چارہ گر از چار سو بہ بست
تا عاشقاں بہ بوئے نسیمش دہند جان	۲	بکشود نافہ و در آرزو بہ بست
شیدا ازاں شدم کہ نگارم چو ماہ نو	۳	ابرو نمود و جلوہ گری کرد و رو بہ بست
ساقی بچند رنگ مے اندر پیالہ ریخت	۴	ایں نقشہا نگر کہ چہ خوش در کدو بہ بست
یارب چہ سحر کرد صراحی کہ خون خم	۵	با نعرہائے قلقلش اندر گلو بہ بست
دانا چو دید بازی ایں چرخ حقہ باز	۶	ہنگامہ باز چید و در گفتگو بہ بست
مطرب چہ نغمہ ساخت کہ در پردۂ سماع	۷	بر اہل وجد و حال در ہائے و ہو بہ بست

(۸)	حافظ ہر آنکہ عشق نورزید و وصل خواست احرام طوف کعبۂ دل بے وضو بہ بست	(۸)

(۱) ترجمہ - تیری زلف نے ہزاروں دل ایک بال سے باندھ دیئے اور تمام چارہ گروں کا راستہ تمام طرف سے بند کر دیا -

تیری زلف نے ہر ایک بال کے ساتھ ہزاروں دل باندھے ہوئے ہیں اور تمام دانا اس بات میں حیران ہیں کہ اس کا کیا علاج کیا جائے مرض عشق لاعلاج ہے چارہ اور چارہ گری کی خوبی ظاہر

(۲) ترجمہ - تاکہ عاشق جس کی خوشبو پر جان دیدیں نافہ کھولا اور آرزو کا دروازہ بند کر دیا -

معشوق نے نافہ کھولا ہے - اور آرزو کا دروازہ بند کر دیا ہے - یعنی اپنی صفات کا اظہار کر کے عاشق کے دل پر قابو پالیا ہے - اور اسی طرح ان کو ان کو آرزو مند کر کے پھر در مقصود ان پر بند کر دیا - گویا غرض یہ ہے - کہ عاشق اس کی خوشبو پر ہی جان دیدیں -

(۳) ترجمہ - میں اس واسطے دیوانہ ہوا کہ میرے معشوق نے ہلال کی طرح ابرو دکھایا جلوہ گری کی اور پھر منہ چھپالیا -

ش پریشان آشفتہ - دیوانہ پریشان حال - **ماہ نو** - یعنی ہلال - ہلال کا قاعدہ ہے - کہ صرف تھوڑی دیر کیلئے ظاہر ہو کر پھر چھپ جاتا ہے - ہلال کی شکل ابرو سے مشابہ ہوتی ہے - شاعر کہتا ہے کہ میرے معشوق نے صرف ابرو دکھایا جلوہ نمائی کی اور پھر منہ چھپالیا اس سبب سے میں پریشان اور دیوانہ ہو رہا ہوں -

بازار خویش و آتش ما تیز مے کنی	دیدار مے نمائی و پرہیز مے کنی

محبوب حقیقی نے بھی اپنی صفات کا کچھ ظہار کر کے اپنی ذات کو محض ایک معما بنا رکھا ہے - اور دنیا کو اپنے عشق میں دیوانہ کیا ہوا ہے -

(۴) ترجمہ - ساقی نے کتنے رنگوں کے ساتھ پیالہ میں شراب ڈالی یہ نقش دیکھو کہ کدو میں کیسے اچھے نظر آتے ہیں مطلب یہ ہے - کہ معشوق مطلق نے کائنات کی خلقت میں اسقدر رنگ آمیزی کی ہے - کہ عالم کثرت و تعینات کے نقش و نگار کی کوئی حد ہی نہیں رہی - ظاہر ہے - کہ صانع حقیقی نے دنیا میں کتنی مختلف اقسام کے حیوانات نباتات اور جمادات پیدا کئے - اور ہر ایک میں رنگ و بو شکل و شباہت اور خلق و خو کا کتنا عظیم فرق ہے - کدو جام و صراحی کے کام آتا ہے - یہاں مراد آسمان لیجا سکتی ہے -

(۵) ترجمہ - اے خدا صراحی نے کیا جادو کیا - کہ خونِ خم (یعنی شراب) نغمہ ہائے قلقل کے ساتھ

اس کے گلے میں بند ہو گیا۔
قلقل اس آواز کو کہتے ہیں۔ جو صراحی کے منہ سے شراب نکلتے وقت پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ صراحی کا حلق تنگ ہوتا ہے اسلئے شراب رک رک کر نکلتی ہے۔ گویا بند رہتی ہے مطلب یہ ہے۔ کہ آواز قلقل کے باوجود شراب صراحی کے گلے میں اٹکتی ہے۔ یعنی عارف سالک اگرچہ پر محبت سے پر ہوتا ہے اور اس کا حلق نغمہ ہائے راز و اسرار سے قلقل کرتا ہوتا ہے۔ پھر بھی رموز عشق اسکے اندر بند رہتی ہیں اور پورے طور سے اور وضاحت سے ظاہر نہیں ہوتے عجیب بات ہے۔

من اعرف ربہ کل لسانہ۔

(۶) ترجمہ۔ دانا نے جب مکار آسمان کی بازی دیکھی اپنا بساط اٹھا لیا اور گفتگو کا دروازہ بند کر لیا
حقہ۔ ڈبیہ جس میں جواہرات وغیرہ رکھتے ہیں۔ حقہ باز۔ بازیگر۔ مداری۔ یہاں مجازاً عیار مکار حیلہ گر۔ ہنگامہ بازچیدن یعنی اپنی بساط اٹھا لینا کھیل بند کر دینا۔
دانا آدمی جب آسمان کی حیلہ گری کو دیکھتا ہے۔ تو اپنی بازی بند کر دیتا ہے اور چپ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ عیار اور مکار آدمی کے ساتھ بازی لگانا سراسر نقصان کا موجب ہے۔
(۷) ترجمہ مطرب نے کیا نغمہ سرائی کی کہ سماع کے پردہ میں اہل وجد و حال پر ہائے وہو کا دروازہ بند کر دیا۔
وجد و حال ۔ وجد بمعنی اندوہگین ہونا شیفتہ ہونا۔ اصطلاح میں صوفیوں کے اس ذوق و شوق کی حالت کو کہتے ہیں۔ جو ان پر بوقت سماع طاری ہو جاتی ہے۔
اہل وجد و حال کا ہائے وہو کرنا مشہور۔ مگر خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ حیران ہوں مطرب نے یہ کیسی نغمہ سرائی کی ہے۔ کہ سماع کیوقت اہل وجد کی ہائے وہو ہی بند ہو گئی۔ لفظ پردہ کا تعلق در سے اور پھر سماع سے خالی از لطف نہیں۔
(۸) ترجمہ اے حافظ جس آدمی نے عشق اختیار نہ کیا اور وصل چاہا اس نے گویا کعبہ دل کا احرام باندھا مگر بے وضو۔
خواجہ صاحب نے یہاں ایک زریں اصول کی تعلیم دی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جو آدمی بغیر کوشش اور جد جہد کے اپنا مقصود حاصل کرنا چاہتا ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بغیر ریاضت

(ترجمہ) سے حصول مدعا کی امید خیال محال ہے۔

فرما دیا ہے صاف کتاب مجید میں		قسمت میں آدمی کی بجز سعی نہیں

خواجہ صاحب باوجود جبری ہونیکے ترک عمل کی تعلیم نہیں دیتے اور ایسا کرنا صاف نص قرآنی کے خلاف ہے۔ خواجہ صاحب ان بزرگوں میں سے ہیں جو باوجود اس یقین کے کہ انسان کی تمام حرکات وسکنات دست قدرت میں ہیں اس اصول پر نہایت سختی سے کاربند ہیں کہ انسان کو سعی لازم ہے اور بغیر سعی کے امید مفاد محض جنوں۔ یہاں خواجہ صاحب نے اس قیمتی اصول کو نہایت اچھے پیرایہ میں ظاہر کیا ہے۔ اور اپنے کلام میں اور بھی کئی جگہ اس اصول کی تائید کی ہے۔

غزل (۱۶)

مصرع اول		مصرع دوم
مرحبا اے پیک مشتاقان بدہ پیغام دوست	۱	تا کنم جان از سر رغبت فدائے نام دوست
والہ و شیداست دائم ہمچو بلبل در قفس	۲	طوطی طبعم ز شوق شکر و بادام دوست
زلف او دام است و خالش دانہ ہمچو مرغ	۳	بر امید دانہ افتادیم اندر دام دوست
سر ز مستی برنگیرد تا بصبح روز حشر	۴	ہر کہ چون من در ازل یک جرعہ خورد از جام دوست
من نوشتم نامہ از شرح حال خود ولے	۵	درد سر باشد نمودن بیش ازیں ابرام دوست
میل من سوئے وصال و قصد او سوئے فراق	۶	ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست
گر دہد دستم کشم در دیدہ ہمچوں توتیا	۷	خاک راہی کان مشرف گشت از اقدام دوست

(۸)	حافظا اندر درد و غم میسوز و با درمان مساز زانکہ درمانے ندارد درد بی درمان دوست	(۸)

(۱) ترجمہ۔ مرحبا اے قاصد عاشقان معشوق کا پیغام دے تاکہ میں محبت سے جان معشوق کے نام پر قربان کروں۔

مرحبا۔ عرب میں مہمان کی تعظیم کیلئے یہ لفظ بولتے ہیں۔ مرحب یعنی فراخ ہونا۔ اصل میں

اس طرح ہے رحیب لک الدار مرحبا۔ یعنی تیرا گھر فراخ ہوگیا۔ فراخ ہونا
پیغام دوست کی خوشی میں جان دینے کیلئے۔ دیکھو شعر

(۲) ترجمہ۔ پنجرے کی بلبل کی طرح ہمیشہ شیفتہ اور مفتون ہے میری طبیعت کی طوطی معشوق کو
شکر اور بادام کے لئے۔

والہ بکسر لام۔ عربی لفظ ہے۔ شیفتہ۔ عشق میں گشتہ مفتون

شکر سے مراد لب اور بادام سے مراد چشم۔ طوطی اور شکر و بادام کا شوق مشہور۔

(۳) ترجمہ۔ اسکی زلف جال ہے۔ خال دانہ اور ہم مرغ کی طرح دانے کی امید پر معشوق کے
جال میں جا پھنسے

مرغ دل کی گرفتاری کیلئے شاعر اکثر معشوق کی زلف کو دام اور اسکے خال کو دانہ سے تشبیہ دیتے ہیں

خال تو دانہ و زلف تو دام دام	مرغے کہ دانہ چید گرفتار دام شد

(۴) ترجمہ۔ صبح قیامت تک سر مستی نہیں اٹھائیگا وہ آدمی جس نے میری طرح عشق دوست
کا جام ازل کو پی لیا۔

ازل سے مراد روز میثاق حقیقت یہ ہے۔ کہ جام الست کا نشہ ابتک باقی ہے اور روز حشر تک
باقی رہے گا۔ دیکھو شعر

(۵) ترجمہ۔ میں نے اپنے حال کے بیان میں خط لکھا۔ مگر اس سے زیادہ معشوق کو ملول کرنا
باعث سردردی ہوگا۔

ابرام۔ ملول کرنا۔ استوار کرنا۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے خط میں اپنے درد دل اور
شوق کا حال لکھا ہے۔ مگر مفصل نہ لکھہ سکا۔ کیونکہ اس سے زیادہ لکھنا معشوق کیلئے موجب تصدیعہ ہوتا

(۶) ترجمہ میری رغبت وصال کی طرف اور اس کا ارادہ فرقت کا ہے میں نے اپنے مقصد
کو چھوڑا تاکہ دوست کی مقصد برآئی ہو۔

اس شعر میں بھی خواجہ صاحب نے تسلیم و رضا کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہتے ہیں کہ میں نے سب
کام معشوق کی رضا پر چھوڑ دئیے ہیں گرچہ بظاہر اسکی رضا میرے مقصود کے برخلاف نظر آتی ہے۔ مگر
فی الحقیقت میرے فائدہ کے لئے ہے

(۷) ترجمہ۔ اگر مل جائے تو آنکھوں میں سرمہ کی طرح لگاؤں اس مٹی کو جس کو معشوق کے قدموں کا شرف ملا ہو۔

اسی مضمون پر دیکھو شعر ت ۱۴ ۔

(۸) ترجمہ۔ اے حافظ درد و غم میں علاج کا خیال نہ کر کیونکہ عشق کے بے علاج درد کی کوئی دوا نہیں۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ درد عشق کا کوئی علاج نہیں۔ اس لئے تو علاج کا فکر نہ کر اور اس درد و غم کو برداشت کر۔ ع . دردیست درد عشق کہ درماں پذیر نیست

پہلے مصرع میں سوز و ساز کی ترکیب اور دوسرے مصرع میں حروف دال کی کثرت خواجہ صاحب کی قادر الکلامی پر دال ہے۔

غزل (۱۷)

آن ترک پریچہرہ کہ دوش از بر ما رفت	۱	آیا چہ خطا دید کہ از راہ خطا رفت
تا رفت مرا از نظر آن چشم جہان بین	۲	کس واقف ما نیست کہ از دیدہ چہا رفت
بر شمع نرفت از گذر آتش جان تو	۳	آن دود کہ از سوز جگر بر سر ما رفت
دور از رخ تو دمبدم از گوشۂ چشم	۴	سیلاب سرشک آمد و طوفان بلا رفت
از پائے فتادیم چو آمد شب ہجران	۵	در درد بماندیم چو از دست دوا رفت
دل گفت وصالش بدعا باز توان یافت	۶	عمریست کہ عمرم ہمہ در کار دعا رفت
احرام چہ بندیم کہ آن قبلہ نہ اینجاست	۷	در سعی چہ کوشیم کہ از مروہ صفا رفت
دی گفت طبیب از سر حسرت چو مرا دید	۸	ہیہات کہ رنج تو ز قانون شفا رفت

مقطع (۹)	اے دوست بپرسیدن حافظ قدمے نہ زان پیش کہ گویند کہ از دار فنا رفت	(۹)

(۱) ترجمہ۔ وہ پری چہرہ معشوق جو کل ہم سے جدا ہو گیا کیا خطا دیکھی کہ [illegible]

ختا یا ختا - نام شہر ما بین ترکستان و چین و توران - ترکان ختا یعنی معشوقان ختا
مشہور و نیکو شعر ب۲۰
خواجہ صاحب کا کلام صنائع سے پر ہے - مگر تجنیس تام اور تجنیس خطی وغیرہ بالخصوص کثرت سے موجود - اگر خطا کو بمعنی غلطی کے سمجھا جائے - تو یہ معنی ہوں گے کہ کیا ہماری کسی غلطی پر چلا گیا یا غلطی سے چلا گیا -
(۲) ترجمہ - جب سے وہ چشم جہاں بین میری آنکھوں سے دور ہوا کسی کو یہ علم نہیں کہ ہماری آنکھوں سے کیا کچھ گیا -
چشم جہاں بین - جہان کو دیکھنے والی آنکھ - آنکھ - آنکھوں کا نور - چھپا - جمع چیہ الف زائد برائے مبالغہ -
مطلب یہ ہے - کہ جب سے میرا معشوق میری آنکھوں سے دور ہوا - میری آنکھوں سے سیلاب اشک جاری ہے -
(۳) ترجمہ - شمع پر جانسوز آگ کا اتنا اثر نہ ہوا جتنا دھواں ہمارے سوز جگر کی وجہ سے ہمارے سر تک چڑھا -
خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ شمع ہی اگرچہ جلتی ہے - اور وہ آگ بھی جانسوز ہے - مگر ہمارے سوز جگر کے مقابلہ میں وہ کچھ شے نہیں - اس کی آگ سے اتنا دھواں نہیں اٹھا جتنا ہمارے سوز جگر سے - شمع تو خیر شاعر اپنی آتش دل کو آتش جہنم سے بھی تیز تر بتایا کرتے ہیں -
اگر پہلے مصرع کو مطابق نسخہ ثانی پڑھا جائے تو مطلب یہ ہوگا - کہ شمع پر آتش دل کا اتنا اثر نہ ہوا جتنا کل - الخ
(۴) ترجمہ - تیرے رخ سے دور ہو کر میری گوشہ چشم سے ہر وقت - آنسوؤں کا سیلاب آتا اور بلا کا طوفان جاتا رہا -
دور از رخ تو - دعائیہ فقرہ بھی ہو سکتا ہے -
دوسرے مصرع میں آمد و رفت بہت فصیح ہیں - دونوں کے معنی ایک ہیں یعنی آنکھوں سے نکلا -
(۵) ترجمہ - جب شب ہجران آئی - تو ہم بدحال ہو گئے درد میں مبتلا رہے جب ہاتھ سے دوا نکل گئی

یعنی شب فراق کے آنے پر ہم بیکار و خستہ حال ہو گئے۔ اور چونکہ دوا ہمارے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ اس لئے درد میں ہی مبتلا رہے۔ دوا سے مراد معشوق کا دیدار ہے۔ ع

درد مندے عشق را دارو بجز دیدار نیست

دست و پا آمد و رفت اور رفتا دیم اور بماندیم کے استعمال سے معلوم ہو رہا ہے۔ کہ خواجہ صاحب کو الفاظ کے انتخاب اور بندش میں کسقدر دسترس ہے۔

(۶) ترجمہ۔ دل نے کہا اس کا وصال دعا سے حاصل ہو جائیگا۔ اس لئے مدت ہوئی کہ میرا تمام وقت دعا میں ہی صرف ہو رہا ہے۔

عمر و عمر کی لطافت ظاہر تجنیس ہے۔

(۷) ترجمہ۔ ہم احرام کیا باندھیں کہ وہ قبلہ یہاں نہیں۔ ہم کیا کوشش کریں کہ وہ مروہ اور صفا سے ہی آگے نکل گیا۔

مرو و صفا۔ یعنی مروہ و صفا عرب میں خانہ کعبہ کے دروازے کے متصل دو پہاڑیوں کا نام۔ جن کے درمیان حج کے دن دوڑنا اہل اسلام کے نزدیک ارکان حج میں داخل ہے۔

سعی ۔ (۱) کوشش (۲) حج کے ایک رکن کا نام ہے۔

احرام ۔ اپنے اوپر بعض مباح چیزوں کو خانہ کعبہ کی زیارت کے چند روز پہلے حرام کر لینا مجازاً ان دو نادوختہ چادروں کا نام ہے جو ایام احرام میں بطور تہ بند اور چادر استعمال ہوتی ہیں

خواجہ صاحب نے یہاں تصوف کا ایک مشہور نکتہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے۔ کہ اگرچہ ہم کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا کرتے ہیں اور حج کعبہ ہی مسلمانوں پر فرض ہے۔ مگر فی الحقیقت کعبہ ہمارا معبود نہیں۔ اور نہ ہی ہمارا معبود کعبہ میں ہے۔ اہل باطن کے لئے قبلہ یہ قبلہ نہیں۔

[illegible] | [illegible] نما کہتے ہیں

صوفیائے کرام کے نزدیک انسان کا دل اصلی کعبہ ہے۔ جہاں محبوب حقیقی کا اصل قیام ہے۔

کعبہ بنگاہ خلیل آزر است | دل گذرگاہ جلیل اکبر است

مولانا جلال الدین رومی نے اسی مضمون پر کہا ہے۔

آنانکہ بسر در طلب کعبہ دویدند | چوں عاقبت الامر بمقصود رسیدند

از سنگ یکے خانہ اعلاۓ معظم	اندر وسط وادی بے زرع پدیدند
رفتند ورد تاکہ بہ بینند خدارا	بسیار بجستند خدارا نہ بدیدند
چوں معتکف خانہ شدند از سستی	ناگاہ خطابے ہم ازاں خانہ شنیدند
اے خانہ پرستان چہ پرستید گل و سنگ	آں خانہ پرستید کہ خاصان طلبیدند
آں خانہ دل خانہ حق واحد مطلق	خوش وقت کسانیکہ درآں خانہ خزیدند
خوش وقت کسانیکہ چو شمس الحق تبریز	درخانہ نشستند و بیاباں نہ بریدند

[illegible]

قانون شفا۔ یعنی شفا کا علم علم طب۔ شفا اور قانون دو کتابوں کے نام بھی ہیں۔ جو علم طب میں حکیم بوعلی سینا کی تصنیف سے ہیں۔ خواجہ صاحب کا انتخاب الفاظ ہر جگہ قابل تحسین ہے۔ زور قلم دیکھیے۔ کہ کوئی شعر خالی نہیں۔ جہاں الفاظ کی یہ رعائیت اور صنعت موجود نہ ہو۔

(۹) ترجمہ۔ اے دوست حافظ کی بیمار پرسی کیلئے قدم رنجہ فرما پیشتر اسکے کہ لوگ کہیں۔ کہ وہ دنیا سے چل بسا۔

بلبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم	پس ازاں کہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

غزل (۱۸)

منم کہ گوشہ میخانہ خانقاہ من است	۱	دعائے پیر مغاں ورد صبحگاہ من است
گرم ترانہ چنگ صبوح نیست چہ باک	۲	نوائے من بسحر آہ عذرخواہ من است
ز پادشاہ و گدا فارغم بحمد اللہ	۳	گدائے خاک در دوست پادشاہ من است
غرض ز مسجد و میخانہ ام وصال شماست	۴	جز ایں خیال ندارم خدا گواہ من است
مرا گدائے تو بودن ز سلطنت خوشتر	۵	کہ ذل جور و جفائے تو عز و جاہ من است
مگر بتیغ اجل خیمہ برکنم ورنہ	۶	رمیدن از در دولت نہ رسم و راہ من است
ازاں زماں کہ بر آں آستاں نہادم رو	۷	فراز مسند خورشید تکیہ گاہ من است

(۸) گناہ اگرچہ نبود اختیارِ ما حافظ
تو در طریقِ ادب کوش و گو گناہِ من است (۸)

(۱) ترجمہ - میں ہوں کہ گوشہ میخانہ میرے لئے خانقاہ ہے پیرِ مغاں کے حق میں دعا کرنا میرا صبح کا ذکر ہے۔
خانقاہ - مشائخ اور درویشوں کی رہنے کی جگہ - معرب خانگاہ۔
(۲) ترجمہ - اگر میرے پاس ترانہ چنگ اور شراب صبح نہیں تو کیا ڈر - کیونکہ صبح کے وقت میری عذر خواہ آہ ہی میرا ترانہ ہے۔
چنگ - ایک ساز جسکا سر جھکا ہوا ہوتا ہے - سرنگی۔
خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ میرے پاس شراب صبح نہیں اور نہ ہی چنگ کی آواز ہے مجھے کیا ڈر ہے - کیونکہ صبح کے وقت جو آہ بطور عذرِ نادارى و گنہگاری میرے منہ سے نکلتی ہے - وہی میرا ترانہ اور راور سرود ہے - مطلب یہ ہے - کہ لوگوں کو تو اپنی عبادت پر بھروسا ہوگا - مگر مجھے عبادت پر کوئی بھروسہ نہیں صرف اپنے قصور کا اعتراف ہے - جو بطور آہ ظاہر ہوتا ہے۔

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیرِ خویش
ورنہ سزاوارِ خداوندیش (سعدی)
عذر بدرگاہِ خدا آورد
کس نتواند کہ بجا آورد

اور مجھے خدا کی مہربانی پر امید ہے کہ وہ عذر ہی منظور ہو کر عبادت کا کام دے جائیگا۔

عذرِ تقصیرِ خدمت آوردم
ناصحیاں از گناہ توبہ کنند (سعدی)
کہ ندارم بطاعت استظہار
عارفاں از عبادت استغفار

خدا کی درگاہ میں جتنی عجز و اعترافِ گناہ کی قدر ہے اتنی اور کسی شے کی نہیں۔

مولیٰ تجھ سے شانِ کریمی اگر ہے تو
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

خواجہ صاحب کو عبادت کے زور و شور کی نسبت اپنی آہوں پر زیادہ اعتبار ہے۔

غلغلِ تسبیحِ شیخ ار چند مقبول است لیک
آہِ دردآلودِ رنداں را قبولِ دیگر است

عمر خیام نے بھی اسی مضمون پر کہا ہے۔

ز طاعت زاہداں سالوس بیع است	ہر نالہ کہ رندے بسحر گاہ زند

اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر ت ۱۳۶ ۔

(۳) ترجمہ ۔ میں بادشاہ و گدا سے فارغ ہوں خدا کا شکر ہے دوست کی خاک کا گدا میرا بادشاہ ہے مطلب یہ ہے کہ معشوق کے آستان کے غلاموں کا غلام ہوں ۔ دنیا کی امارت یا مفلسی میری آنکھوں میں کچھ چیز نہیں ۔

(۴) ترجمہ ۔ مسجد اور میخانہ سے میری غرض صرف تیرا وصال ہے سوائے اسکے میرا اور کوئی خیال نہیں ۔ خدا گواہ ہے ۔

یہی تصوف کا ایک مشہور اصول ہے کہ اگر عاشق رو و ریا چھوڑ کر سچے دل سے خدا کا طالب ہے تو اس کے لئے مسجد و دیر ایک چیز ہے ۔ دونوں سے اپنا مدعا حاصل کر سکتا ہے ۔ اور اگر دل میں صفائی نہیں تو نہ مسجد سے اور نہ بتخانہ سے اس کو فیض کی امید ہو سکتی ہے ۔ دیکھو شعر ۱۶۲

ملا محمد سعید اشرف نے اسی مضمون پر کہا ہے ۔ اور خوب کہا ہے ۔

[illegible] دوست تواہ آنجا ہو تو [illegible]	[illegible] تو انجا کہ [illegible]

حکایت ۔ علامہ ابو الفضل نے ایک معبد خانہ بلا امتیاز مذہب و ملت عبادت کے لئے ڈل (کشمیر) کے نزدیک بنوایا تھا ۔ اور یہ رباعی دروازہ پر کندہ کرائی ۔

خلقے بتو مشغول و تو غائب زمیانہ	اے تہمت زدہ دل عشاق نشانہ
یعنی کہ ترا مے طلبم خانہ بخانہ	گاہ معتکف مسجد و گاہ ساکن دیرم

(۵) ترجمہ ۔ میرے لئے تیرا گدا ہونا بادشاہی سے اچھا ہے ۔ کیونکہ تیرے جور و جفا کی ذلت میرے لئے عزت اور رتبہ ہے ۔

وہی خیال ہے ۔ جو غزل ہذا کے شعر نمبر (۳) میں ہے ۔

(۶) ترجمہ ۔ ہاں اگر موت کی تلوار سے خیمہ اکھاڑ دوں تو خیر ورنہ اس طرح تو در معشوق سے جانا میرا طریقہ نہیں ۔

مطلب یہ ہے ۔ کہ جب تک جان تن میں باقی ہے معشوق کے دروازہ سے نہیں ہٹونگا ۔ کیونکہ ترک عشق میرے مذہب میں روا نہیں ۔ اسی مضمون کیلئے دیکھو شعر ت ۲۷/۱ ۔

(۷) ترجمہ۔ جس وقت سے میں نے اس آستان پر سر رکھا ہے۔ سورج کی تکیہ گاہ کی بلندی میرا تکیہ گاہ ہے
مطلب یہ ہے کہ جب سے میں نے عشق اختیار کیا ہے اور اپنے آپ کو معشوق کے دروازہ کی خاک بنایا ہے۔ اس وقت سے میری عزت زیادہ ہو گئی ہے۔ اور میرا رتبہ نہائت عالی ہو گیا ہے

(۸) ترجمہ۔ اے حافظ اگرچہ گناہ ہمارے اختیار میں نہ تھا۔ تاہم تو طریق ادب میں کوشش کر اور کہو کہ گناہ میرا ہے۔

مسئلہ جبر و اختیار پر شعر الف ۲۰ میں اجمالاً کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اسلئے اسکے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ خواجہ صاحب اس شعر میں بھی انسان کے مجبور ہونے پر زور دیتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا ہے۔ کہ ہمیں ہمیشہ طریق ادب میں رہنا چاہیئے۔ اور یہی کہنا چاہیئے کہ گناہ ہمارا ہے۔ جبر و اختیار کی تمام بحثوں کا خواہ وہ مذہبی پہلوئیں ہوں یا علمی طرز میں نتیجہ یہی ہے کہ انسان مجبور ہے مگر اسکو اس قدر بیباک نہیں ہونا چاہیئے کہ خود کو بالکل بری الذمہ قرار دیدے کیونکہ اس میں مذہبی اور سوشل قواعد کے قیود کی پابندی بالکل نہیں رہتی۔ اسلئے بہتر یہی ہے کہ آدمی گناہوں کو اپنے ساتھ منسوب کرے۔ خواجہ صاحب نے یہاں اس زریں اصول کی تعلیم دی ہے اور کہا ہے۔ کہ اگرچہ ہمارے تمام فعل قادر مطلق کے ہاتھ میں ہیں۔ نیکی بدی اسی کے اختیار میں ہے۔ اور اس کی رضا کے بغیر ایک پتہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ تاہم گناہوں کیلئے اپنے آپ کو ذمہ وار رکھنا چاہیئے۔ ان سے بچنے کیلئے خدا سے دعا مانگنی چاہیئے۔ اور ان کے سرزد ہونے پر افسوس کرنا چاہیئے۔ اور توبہ کرنی چاہیئے۔

غزل (۱۹)

لعل سیرانجبن تشنہ لب یار من است　۱　از پئے دیدن او دادن جان کار من است
شرم از آن چشم سیاہ بادش و مژگان دراز　۲　ہر کہ دل بردن او دید و در انکار من است
ساروان رخت بدروازہ مبر کان سر کوہ　۳　شاہراہی ست کہ منزلگہ دلدار من است
بندہ طالع خویشم کہ درین قحط وفا　۴　عشق آن لولی سرمست خریدار من است
طبلہ عطر گل و درج عبیر افشانش　۵　فیض یک شمہ ز بوی خوش عطار من است

باغباں ہمچو نسیم ز درِ خویش مران	۶	کآب گلزار تو از اشک چو گلنار من است
شربت قند و گلاب از لب یارم فرمود	۷	نرگس او کہ طبیب دل بیمار من است
(۸)	آنکہ در طرز غزل نکتہ بہ حافظ آموخت یار شیرین سخن نادرہ گفتار من است	(۸)

(۱) ترجمہ - لعل جو خون سے سیراب ہے - وہ بھی میرے معشوق کی لبوں کا تشنہ ہے
اس کے دیدار کے لئے جان دینا میرا کام ہے -

سیراب - ضد تشنہ - جو چیز پانی سے سیر ہو -

لعل - سرخ رنگ کا آبدار پتھر ہوتا ہے - گویا لہو سے سیراب ہوتا ہے معشوق کی لبوں
کو بوجہ آب اور رنگ کے لعل سے تشبیہ دیتے ہیں -

شاعر کہتا ہے کہ گرچہ لعل سیراب بخون ہے - مگر پھر بھی وہ میرے محبوب کے لبوں کا مقابلہ
نہیں کرسکتا کیونکہ ان میں آب اور رنگ اس سے تیز ہے -

بعض شارح اس شعر کے معنی اس طرح کرتے ہیں کہ میرے معشوق کا لب لعل سیراب ہے - جو خون
کا تشنہ ہے - گویا لعل سیراب اور بخون تشنہ لب یار کی صفتیں ہیں -

(۲) ترجمہ اس آدمی کو معشوق کی سیاہ آنکھوں اور مژگان دراز سے شرم آنی چاہیئے - جو کہ
معشوق کی دلربائی کو دیکھ کر بھی میرا منکر ہو -

مطلب یہ ہے کہ معشوق کی سیاہ آنکھیں اور لمبی پلکیں ایسی دلربا ہیں - کہ ان کو دیکھکر ہر ایک
آدمی کو یقین ہو جانا چاہیئے - کہ میرے معشوق کی قوت دلربائی بہت زبردست ہے اور میں نے
جو دل ہارا ہے - تو مجبور ہو کر اب بھی اگر کوئی میرا منکر ہو تو اس کو معشوق کی سیاہ آنکھوں سے
شرم آنی چاہیئے -

(۳) ترجمہ - اے شتربان اسباب دروازہ کی طرف نہ لیجا کہ وہ پہاڑ کی چوٹی شاہراہ ہی
جس میں میرے معشوق کی منزل ہے -

مطلب صرف یہ ہی کہ اے ساربان جدہر تو جاتا ہی - ادہر میرا معشوق نہیں - بلکہ وہ

اس دوسری طرف ہے۔ سامنے اس پہاڑ کی چوٹی کی طرف چل۔ وہ وہاں ہے۔ اس شعر میں یہ اشارہ بھی ہے۔ کہ معشوق کی منزل گاہ ہموار میدانوں پر نہیں۔ بلکہ دور و بلند اور دشوار گزار منازل کے طے کرنے کے بعد آتی ہے۔

(۴) ترجمہ۔ میں اپنے نصیبوں کا غلام ہوں کہ اس قحط وفا میں۔ اس مست معشوق کا عشق میرا خریدار بنا ہے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ اس زمانے میں جبکہ وفا کا نام ہی دنیا میں باقی نہیں رہا۔ میں اپنی خوش نصیبی پر نازاں ہوں۔ کہ میرے معشوق کا عشق خود میرا طالب ہے۔

لفظ لولی کی تحقیق کیلئے دیکھو شعر الف ۲/۷ یہاں معنی معشوق۔

(۵) ترجمہ۔ عطر گل کی ڈبیہ اور اسکی عبیر افشاں درج میری عطار کی خوشبو کا تھوڑا سا فیض ہے۔

طبلہ۔ چھوٹا صندوقچہ۔ درج۔ صندوقچہ و طبلہ جسمیں زیور وغیرہ رکھا جاتا ہے۔

عبیر۔ ایک خوشبو جو صندل گلاب اور مشک سے بنتی ہے۔ شمہ۔ تھوڑی سی خوشبو۔ ایک دفعہ سونگھنا۔

وہی خیال ہے۔ جو شعر ت ۲/۴ اور شعر ت ۵/۲ میں ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ پھولوں میں رنگ و بو اُنہی کے فیض سے ہے۔ ورنہ من ہمہ خاکم کہ ہستم۔

(۶) ترجمہ۔ اے باغبان بادِ نسیم کی طرح مجھ کو اپنے دروازہ سے نہ ہٹا۔ کیونکہ تیرے باغ کی رونق میرے سرخ آنسوؤں کی وجہ سے ہے۔

نسیم۔ باد نرم۔ خوشبودار ہوا۔ گلنار۔ گل انار۔

آب گلزار اور رنگ گلنار کی فصاحت ظاہر۔ باغ کیلئے یوں ہی پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کیلئے عاشق کے آنسوؤں کے گل انار لابد۔ یہاں شاعر نے کثرت گریہ اور ساتھ ہی خون گریستن کا کیا اچھا سین دکھایا ہے۔

(۷) ترجمہ۔ معشوق کی لبوں کا قند و گلاب کا شربت میرے لئے تجویز فرمایا۔ اس کی نرگس چشم نے جو کہ میرے دل بیمار کی طبیب ہے۔

ترمود کا فاعل نرگس ہے مطلب یہ ہے کہ معشوق کی چشم بیمار نے جو میرے دل بیمار کا طبیب ہے میرے درد دل کیلئے جو نسخہ تجویز کیا ہے۔ وہ یہہ ہے۔ کہ معشوق کے شیریں لبوں کا بوسہ لوں۔ ممکن ہے معشوق نے اشارہ چشم سے بوسہ کی اجازت دی ہو۔ خواجہ صاحب کا ڈاکٹر اس نسخہ میں ایک جز بھول گیا۔ جو شعر ۷ میں پھر پورا کیا۔

بوسہ چند بیامیز بدشنامے چند		قند آمیختہ با گل نہ علاج دل ماست

(۸) ترجمہ۔ جس نے غزل گوئی حافظ کو یہ نکتہ سکھایا۔ وہ میرا خوش گفتار شیریں سخن معشوق ہے مشہور بات ہے۔ کہ شاعر کے کلام میں جب تک سوز نہ ہو۔ موثر نہیں ہوتا۔ اور جب تک شاعر کے دل میں سوزِ عشق نہ ہو۔ کلام میں سوز نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ کہنا بجا ہے کہ شاعر کا غزل گوئی میں استاد اس کا معشوق ہوتا ہے۔

غزل (۲۰)

غم این کار نشاط دل غمگین من است	۱	روزگاریست کہ سودائے بتان دین من است
وین کجا مرتبۂ چشم جہان بین من است	۲	دیدن روئے ترا دیدۂ جان بین باید
خلق را [illegible] تحسین من است	۳	تا مرا عشق تو تعلیم سخن گفتن کرد
کین کرامت سبب حشمت و تمکین من است	۴	دولت فقر خدایا بمن ارزانی دار
زانکہ منزلگہ سلطان دل مسکین من است	۵	واعظ شحنہ شناس این عظمت گو مفروش
کہ مغیلان طریقش گل و نسرین من است	۶	یا رب این کعبۂ مقصود زیارتگہ کیست
از مہ روئے تو و اشک چو پروین من است	۷	یار ما باش کہ زیب فلک و زینت دہر

(۸)	حافظ از حشمت پرویز دگر قصہ مخوان کہ لبش جرعہ کش خسرو شیرین من است	(۸)

(۱) ترجمہ۔ مدت ہوئی۔ کہ معشوقوں کا سودا میرا مذہب ہو گیا ہے۔ اس کام کا غم میرے غمگین

دل کی خوشی ہے۔

مطلب صاف ہے۔ مدت سے میں نے عشق کو اپنا مذہب بنالیا ہے۔ اور عشق میں جتنی تکلیفیں ہوتی ہیں۔ وہ میرے لئے راحت کا باعث ہیں۔

(۲) ترجمہ۔ تیرے چہرے کو دیکھنے کیلئے دل کی آنکھ چاہیئے۔ میری جہان کو دیکھنے والی آنکھ کا یہ مرتبہ کہاں ہے۔

ع ہو دیکھنا تو دیدہ دل وا کرے کوئی۔

قرآن مجید میں آیا ہے۔ لاتدرکہ الابصار۔ یعنی آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔

(۳) ترجمہ۔ جب تیرے عشق نے مجھے سخن سنجی کی تعلیم دی۔ خلقت نے میری تعریف کو وردِ زبان بنالیا ہے۔

وہی خیال ہے جو شعر $\frac{۱۹}{۸}$ میں ہے۔

(۴) ترجمہ۔ اے خدا فقر کی دولت مجھ پر زیادہ کر کیونکہ یہ بزرگی میری حشمت تمکین کا سبب ہے۔

وہی خیال ہے۔ جو شعر $\frac{۱۹}{۸}$ میں ہے۔ حدیث الفقر فخری کا مضمون یہی ہے۔

(۵) ترجمہ۔ اے واعظ حاکم شناس اپنی عظمت نہ ظاہر کر۔ کیونکہ میرا مسکین دل سلطان کی منزل گاہ ہے۔

شحنہ۔ بکسر اول وہ آدمی جس کو بادشاہ ضبط و سیاست کیلئے شہر میں مقرر کرے۔ کوتوال۔ حاکم۔

عَظَمَت۔ ہر سہ اول مفتوح۔ بزرگی۔ قدر۔ عَظمَت پڑھنا غلط ہے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ اے واعظ تو اپنی عظمت ہم کو نہ دکھا۔ اور اپنی بزرگی کا اظہار نہ کر۔ کیونکہ ہم اگرچہ فقیر ہیں۔ مگر ہمارا دل بادشاہ کی منزل ہے۔ ع

دل گذرگاہ جلیل اکبر ہست

اس لئے ہم کو بنظر حقارت نہ دیکھ اور اپنی بزرگی نہ جتا۔ واعظ کو شحنہ شناس طنزاً کہا ہے۔ اشارہ ہے۔ کہ واعظ بوجہ کوتوال شہر کی دوستی کے منکر و نواہی میں مصروف ہے اور اسے کوئی نہیں پوچھتا۔ صرف بظاہر پارسا شکل ہے۔ اور اپنی بزرگی بیچ رہا ہے۔ یعنی ریاکاری کر رہا ہے۔ مقابلہ بھی ملحوظ ہے۔ یعنی تو اگر کوتوال کا دوست ہے۔ ہم بادشاہ کے دوست ہیں۔ جس نے کوتوال کو حکومت دی۔

(۶) ترجمہ - اے خدا میری منزل مقصود کس کی جلوہ گاہ ہے کہ اسکے رستے کے کانٹے بھی میرے لئے گل و نسرین ہیں -

نسرین - سفید خوشبودار پھول جسے نسترن بھی کہتے ہیں -

مطلب یہ ہے - کہ جس منزل مقصود کی طرف ہم جا رہے ہیں وہ کس معشوق کی جلوہ گاہ ہے - کہ اس کے وصال کے شوق میں ہمکو رستے کے کانٹے بھی پھول دکھائی دیتے ہیں اور ہم راہ کی تکالیف کو بڑی خوشی سے برداشت کرتے چلے جا رہے ہیں -

(۷) ترجمہ - ہمارا دوست رہ کیونکہ آسمان کا زیب اور زمانے کی زینت تیرے چاند جیسے چہرہ اور میرے پروین جیسے آنسوؤں سے ہے -

پروین - چھوٹے چھوٹے ستارے جو ایک جگہ ہوتے ہیں اور موسم سرما میں شروع رات میں ظاہر ہوتے ہیں -

معشوق کے چہرہ کو ہمیشہ چاند سے تشبیہہ دیتے ہیں - یہاں خواجہ صاحب نے اپنے آنسوؤں کو ستاروں سے تشبیہہ دی ہے - اور کہا ہے کہ زمانہ کی رونق اور زینت کیلئے جیسا تیرے چہرہ کی ضرورت ہے - اسی طرح میری آنسوؤں کی بھی ضرورت ہے - جس طرح آسمان کو چاند ستارے دونو ضروری ہیں - لقد زینا السماء بمصابیح - مطلب یہ ہے کہ عاشق و معشوق دونو عالم عشق کی رونق کے لئے ضروری ہیں - دنیا کی زیب و زینت کی ابتدا بھی یہی ہوئی - کہ حسن مطلق نے اپنا اظہار چاہا - اور عاشق کی خواہش کی اس لئے کائنات کو پیدا کیا - ورنہ پہلے کیا تھا - اللہ ہی اللہ تھا -

(۸) ترجمہ - اے حافظ پرویز کی حشمت کا پھر ذکر نہ کرنا کیونکہ اس کے لب میرے خسرو شیریں کے جرعہ کش ہیں -

پرویز - ایک بادشاہ کا نام ہے جسکو خسرو بھی کہتے تھے - وہ شیریں کا عاشق تھا ہرمز بن نوشیروان کا لڑکا تھا - دوسری خسرو سے تمیز کیلئے اسکو خسرو شیریں کہتے ہیں -

خسرو - بالضم سیاوش بن کیکاؤس کا نام ہے - اور پرویز بن نوشیروان کا نام بھی ہے - مجازاً ہر بادشاہ کو کہتے ہیں - شیریں - خسرو پرویز کی معشوقہ اور ملکہ فرہاد

ہی اس پر عاشق تھا -

مطلب یہ ہے - کہ میرے ممدوح کے مقابلے میں پرویز کی کچھ قدر نہیں ہے - وہ اس کے دریائے فیض سے گھونٹ پانی پینے والا ہے - پرویز خسرو شیریں کی رعایت ظاہر

غزل (۲۱)

اے شاہد قدسی کہ کشد بند نقابت	۱	وے مرغ بہشتی کہ دہد دانہ و آبت
خوابم بشد از دیدہ دریں فکر جگر سوز	۲	کاغوش کہ شد منزل آسائش و خوابت
درویش نمی پرسی و ترسم کہ نباشد	۳	اندیشہ آمرزش و پروائے ثوابت
راہ دل عشاق زد آں چشم خماری	۴	پیداست ازیں شیوہ کہ مست است شرابت
تیرے کہ زدی بر دلم از غمزہ خطا رفت	۵	تا باز چہ اندیشہ کند رائے صوابت
ہر نالہ و فریاد کہ کردم نشنیدی	۶	پیداست نگارا کہ بلند است جنابت
اے قصر دل افروز کہ منزلگہ انسی	۷	یارب مکناد آفت ایام خرابت
دور است سر آب ازیں بادیہ ہشدار	۸	تا غول بیاباں نفریبد بسرابت
تا در رہ پیری بچہ آئیں روی ای دل	۹	بارے بغلط صرف شد ایام شبابت

(۱۰) حافظ نہ غلامیست کہ از خواجہ گریزد
لطفے کن و باز آ کہ خرابم ز عتابت (۱۰)

(۱) ترجمہ — اے معشوق قدسی کون تیرے نقاب کے بند کھولے اور اے بہشتی پرندے کون تجھے آب و دانہ دے (یا کھولتا ہے - دیتا ہے)

قدسی — پاک - یہ لفظ عموماً فرشتوں اور اولیائے کرام کے لئے بولتے ہیں -

اس شعر میں [illegible] معشوق - کہ دیدار اور قرب کا شوق ظاہر کیا گیا ہے -

(۲) ترجمہ - اس جگر کو جلانے والی فکر میں میری آنکھوں سے نیند اڑ گئی کہ کس شخص کی آغوش

تیرے آرام اور زینت کی جگہ ہے۔

بعض شارح کہتے ہیں کہ یہ غزل خواجہ صاحب نے اپنی منکوحہ کے ناراض ہو کر اپنے باپ کے گھر چلے جانے پر لکھی تھی۔ اور اس رائے کی دلیل میں غزل ہذا کا مصرع اخیر پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ خیال محض فضول اور بے ہودہ ہے۔ کیا ایک منکوحہ کے حق میں ایسے خیالات ظاہر ہو سکتے ہیں جو خواجہ صاحب نے شعر ہذا میں ظاہر کئے ہیں بعض لوگوں کو یہ شوق ہوتا ہے۔ کہ ہر ایک غزل کو کسی نہ کسی خاص واقعہ کی طرف منسوب کریں اور اس مشق واقعہ نگاری میں کئی دفعہ ایسی ہی ناپاک اور مضحکہ خیز روایتیں بیان کر دیتے ہیں۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ خواجہ صاحب کا کلام عشقیہ ہے۔ جو تصوف کے پیرایہ میں ہوتے ہے۔ جیسے ہر شعر اور ہر غزل کو محبوب حقیقی یا مرشد کامل سے منسوب نہیں کر سکتے۔ اسطرح یہ بھی ناممکن ہے۔ کہ ہر جگہ کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہو عشقیہ کلام ہے۔ جس طرح ہے رہنے دیجئے اور اپنے مذاق کے مطابق اس سے حظ اٹھائیے

(۳) ترجمہ ۔ تو درویشوں کی پرسش حال نہیں کرتا۔ مجھے ڈر ہے۔ کہ تجھے مغفرت کا خیال اور ثواب کی پرواہ نہیں ہے۔

ثواب ۔ یعنی مزد۔ جزائے خیر۔ لفظ صواب سے اس لفظ کی تمیز ضروری ہے۔ صواب ضد خطا ہے۔ یعنی اچھا کام۔ راست کام۔ ثواب۔ اچھے کاموں کی جزا۔

درویش نے پرسی کی ترکیب مشکوک ہے۔ غالباً درویش کے بعد کلمہ را ضرورت شعری کیلئے حذف کیا گیا ہے۔

(۴) ترجمہ ۔ اس چشم خماری نے عاشقوں کے دل کی رہزنی کی اس شیوہ سے ظاہر ہے کہ تیری شراب مست ہے۔

یعنی تیری مست آنکھوں نے عاشقوں کے دلوں کو لوٹ لیا ہے۔ ان کو بیقرار کر دیا ہے۔ اور بیخود۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ تیری شراب میں مستی ہے جسکی وجہ سے تیری آنکھوں میں مستی آئی۔ اور انہوں نے بحالت مستی رہزنی کی اور اس مستی کا اثر دل عشاق پر یہ ہوا کہ وہ بھی مست ہو گئے۔ اور بیخود ہو گئے۔ گویا صرف شراب انگور میں ہی مستی نہیں۔ بلکہ شراب محبت میں

ہی مستثنیٰ ثابت ہے۔

(۵) ترجمہ - وہ تیر غمزہ جو تونے میرے دل پر مارا خطا ہو گیا - دیکھیے کہ تیری درست رائے کا اب کیا خیال ہے۔

خطا رفت یعنی نشانہ پر نہ بیٹھا - خطا اور صواب ایک دوسرے کی ضد ہیں - کس خوبی سے خواجہ صاحب نے ان کا استعمال کیا ہے - دراصل ایک تیر کے خطا ہونے پر عاشق دوسرے تیر کی درخواست کرتا ہے۔ جو بالکل نشانہ پر جا لگے۔

(۶) ترجمہ جو نالہ و فریاد میں نے کی تو نے نہ سنی اے معشوق اس سے ظاہر ہے کہ تیری درگاہ بلند ہے۔

جناب - بفتح درگاہ و آستانہ - گرداگرد سرا - ماخوذ از جنب بمعنی پہلو و کنارہ بالضم غلط ہے۔ قاعدہ ہے - کہ جتنی کوئی جگہ بلند ہوگی اتنی ہی آواز وہاں کم پہنچے گی - خواجہ صاحب کی فریاد چونکہ نہیں سنی گئی اس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ معشوق کی بارگاہ عالی ہے وہاں آواز نہیں پہنچتی - صنعت تعلیل ہے۔

(۷) ترجمہ - اے دل افروز محل تو محبت کی منزل گاہ ہے - خدا کرے کہ زمانہ کی آفت تجھے خراب نہ کرے۔

اُنس - بالضم الفت - آرام - **آفت ایام** بمعنی حوادث روزگار -

دل افروز دل کو خوش کرنیوالا طبیعت کو راحت بخشنے والا -

معشوق کی منزل کی طرف اشارہ ہے - یا دل کی طرف کیونکہ دل ہی معشوق کی منزل ہے - مگر دل کو قصر دل افروز کہنا چنداں فصیح نہیں - لفظ خراب جب مکان کی نسبت بولا جائے تو بمعنی ویران -

(۸) ترجمہ - اس صحرا میں پانی کا چشمہ دور ہے ہوش رکھنا کہ غول بیابان تجھے سراب کا دہوکہ نہ دے -

غول - واو معروف - ایک قسم کے جن اور دیو جو صحرا اور پہاڑوں میں ہوتے ہیں جو شکل چاہیں اختیار کر لیتے ہیں مسافروں کو گمراہ کرتے ہیں

سراب ۔ بالفتح ۔ موسم گرما میں پیاسے مسافروں کو صحرا میں تابش آفتاب کی وجہ سے
جو ریگ صحرا دور سے پانی نظر آتی ہے ۔ کبھی کبھی چاندنی رات میں بھی سراب نظر آتا ہے ۔
مطلب یہ ہے کہ طریق عشق میں تیری منزل مقصود بہت دور ہے ۔ ذرا ہوش سے چل تاکہ
شیطان تجھ کو دھوکہ دے کر کسی اور طرف نہ لے جائے ۔ مولانا روم فرماتے ہیں ۔

اے بسا شیطان کہ آدم صورت ہست	پس بہر دستے نباید داد دست

غول بیابان کی طرح شیطان ہر صورت اختیار کر کے انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش
کرتا ہے ۔ سراب دکھا کر اور پانی بتا کر ان کو غلط راہوں پر ڈالتا ہے ۔ ایسے اعمال جو حقیقت
میں تباہی کا موجب ہوتے ہیں ان کو اچھی صورت میں پیش کر کے انسان کو ان کی ترغیب دیتا ہے ۔
والذین کفروا اعمالہم کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمان ماءً حتیٰ اذا جاءہ لم یجدہ شیئاً۔
(اور) وہ لوگ جو کافر ہو گئے ان کے اعمال سراب کی مانند ہیں ہموار میدانوں میں پیاسہ اس کو
پانی سمجھتا ہے حتیٰ کہ نزدیک جا کر دیکھتا ہے کہ کچھ چیز نہیں (سورہ نور)
فزین لہم الشیطان اعمالہم (سورہ نحل رکوع ۸) واذ زین لہم الشیطان اعمالہم (انفال رکوع ۶)
(۷) وما یعدہم الشیطان الا غرورا (سورۃ النساء رکوع ۱۸) اسی مضمون پر ہیں نیز دیکھو شعر ۳/۸
(۹) ترجمہ ۔ اے دل دیکھئے تو بڑھاپے کی راہ میں کس طرح چلتا ہے ایام جوانی کو تو تو نے
غلط صرف کیا ۔

ناصحانہ انداز ہے مطلب صاف ہے ۔

اے کہ پنجاہ رفت و در خوابی	شاید این پنج روز دریابی

(۱۰) ترجمہ ۔ حافظ ایسا غلام نہیں جو مالک سے بھاگ جائے مہربانی کر واپس آ کہ میں
تیرے عتاب سے خستہ حال ہوں ۔
عتاب ۔ بکسر ۔ ملامت ۔ غصہ ۔ ناز ۔

غزل (۲۲)

باغ مرا چه حاجت سرو و صنوبر است	۱	شمشاد سایہ پرور من از کہ کمتر است
اے نازنین پسر تو چہ مذہب گرفتۂ	۲	کت خون ما حلال تر از شیر مادر است
چون نقش غم ز دور ببینی شراب خواہ	۳	تشخیص کردہ ایم و مداوا مقرر است
یک قصہ بیش نیست غم عشق وین عجب	۴	از ہر کسے کہ می شنوم نا مکرر است
از آستان پیر مغان سر چرا کشم	۵	دولت درین سرا و گشائش درین در است
دی وعدہ داد وصلم و در سر شراب داشت	۶	امروز تا چہ گوید و بازش چہ در سر است
با آبروئے فقر و قناعت نمی بریم	۷	با پادشاہ بگوی کہ روزی مقدر است
شیراز و آب رکنی و آن باد خوش نسیم	۸	عیبش مکن کہ خال رخ ہفت کشور است
فرق است از آب خضر کہ ظلمات جائے اوست	۹	تا آب ما کہ منبع اش اللہ اکبر است
در کوئے ما شکستہ دلی می خرند و بس	۱۰	بازار خود فروشی ازان سوئے دیگر است

(۱۱)	حافظ چہ طرفہ شاخ نباتیست کلک تو کش میوہ دلپذیر تر از شہد و شکر است	(۱۱)

(۱) ترجمہ - میرے باغ کو سرو و صنوبر کی کیا حاجت ہے۔ میرا ناز پروردہ شمشاد کس سے کم ہے۔
سرو و صنوبر کی تحقیق شرح الف میں گزر چکی ہے۔ شمشاد - بالکسر - ایک درخت
کا نام ہے۔ جو بلند اور خوشنما ہوتا ہے۔ لکڑی مضبوط۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ سرو کی
ایک قسم ہے۔ یعنی ریحان ہی استعمال کرتے ہیں۔ اس کے پتوں کو بوجہ باریکی اور ہجوم کے معشوق
کے بالوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ بعض دفعہ موئے خط کو بھی کہتے ہیں۔

سایہ پرور - سایہ پروردہ - اور سایہ است - ناز و نعمت کا پلا ہوا۔

مطلب صاف ہے میرا ناز پروردہ معشوق قد و قامت میں سرو و صنوبر سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہے

(۲) ترجمہ — اے نازنین لڑکے تو نے کونسا مذہب اختیار کیا ہے۔ تیرے نزدیک ہمارا خون شیر مادر سے بھی زیادہ جائز ہے۔

نازنین پسر — معشوق۔ خون کسی مذہب میں حلال نہیں۔ خواجہ صاحب معشوق سے پوچھتے ہیں کہ تیرا مذہب کیا ہے کہ تیرے نزدیک ہمارا خون ماں کے دودھ سے بھی زیادہ حلال ہے۔

(۳) ترجمہ — جب تو غم کا نقش دور سے دیکھے تو شراب طلب کر ہم نے تشخیص کی ہوئی ہے اور دوا مقرر کی ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب حوادثات کا ذرا سا اثر بھی تو اپنے دل پر ہوتا دیکھے تو فوراً شراب پی لے کیونکہ ہم نے اس مرض کی تشخیص کی ہوئی ہے۔ اور اس کی دوا بھی مقرر ہے۔ اور مجرب مزید شرح کے لئے دیکھو شعر الف ۱۱۲ اور شعر الف ۱۱۲ – ت ۱۱۲ –

طوفان غم اردر آید از پیش و پست		در بادہ گریز کشتی نوح تو اوست

[illegible]

خواجہ صاحب نے اس شعر میں انسانی دل کی ایک عجیب کیفیت کا ذکر کیا ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب ایک کہانی کسی سے سن لی جائے تو دوبارہ سننے میں وہ مزا نہیں رہتا۔ مگر داستان عشق ایسی دلچسپ ہے۔ کہ کئی بار سنی۔ کئی زبانوں سے سنی۔ مگر ہر دفعہ نئی معلوم ہوتی ہے اور پیش از پیش دلچسپ۔ وجہ یہ ہے۔ کہ باقی داستانیں دل سے اتنا تعلق نہیں رکھتیں۔ جتنا داستان عشق۔ کیونکہ داستان عشق گرچہ لیلی مجنوں کا قصہ ہی ہو اس کے واقعات کی مثالیں ہر دل میں پائی جاتی ہیں اور جو واردات عشق ہو سننے والے کے تجربہ میں موجود۔ اسی واسطے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کہا ہے۔ "کہ در عنفوان جوانی چنانکہ افتد و دانی" – یہ بدانی تکرار داستان عشق کو بیزہ نہیں ہونے دیتی۔ یہ کیفیت داستان عشق سے ہی مخصوص ہے۔ نظیری نیشاپوری کا شعر ہے۔

ہماں عشق است ہر جو بستہ چندیں داستاں ورنہ		کسے بر معنی بیگانہ صد دفتر نے سازد

قریباً اسی مضمون پر ہے۔

ما طفل کم سواد و سبق قصہ ہائے دوست		صد بار خواندہ و دگر از سر گرفتہ ایم

مولانا جامیؒ نے بھی دل کی یہی کیفیت بیان کی ہے۔

[illegible]		[illegible]

(۵) ترجمہ - پیر مغاں کے آستانہ سے میں کیوں جاؤں دولت اسی گھر میں ہے - اور کشائش اسی دروازہ میں -

آستان - در اور سرا - کی رعائت ظاہر - دولت کو گھر سے اور کشائش کو دروازہ سے نسبت کرنے کی لطافت ظاہر -

(۶) ترجمہ - کل مجھ سے وصل کا وعدہ کیا اور سر میں شراب تھی - دیکھئے آج کیا کہتا ہے - اور اس کے سر میں کیا ہے -

مطلب یہ ہے کہ کل معشوق نے مجھ سے وصال کا وعدہ کیا اور وہ نشہ میں تھا - دیکھئے آج کیا کہتا ہے - اور اس کے دل میں کیا خیال ہے - شاعر کو وعدہ کی پر اعتبار نہیں کیونکہ وہ نشہ کی حالت میں ہوا تھا -

دی سے مراد اگر روز میثاق لی جائے تو شراب سے شراب عشق مراد ہو گی بعنوان حدیث قدسی - "کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق" دیکھو شعر الف -

در سر داشت و در سر ست کا تخالف معانی ظاہر - صنعت تجنیس ہے

(۷) ترجمہ - ہم فقر اور صبر کی بےعزتی نہیں کرتے - بادشاہ کو جا کر کہہ دو کہ روزی تو نصیبوں میں مقدر ہے -

خواجہ صاحب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے - کہ وہ قناعت پسند تھے اور اپنے وقت کے بادشاہوں سے صلہ و انعام کی چنداں توقع نہ رکھتے تھے - مولوی شبلی مرحوم نے شعر العجم میں لکھا ہے - کہ ان کے تمام معاصرین بلکہ پیشرو نہایت ذلیل اور رکیک طریقوں سے کام لیتے تھے - انوری - ظہیر فاریابی - سلمان ساوجی کس پایہ کے لوگ تھے لیکن سب کا یہ حال تھا - کہ کسی کی مدح لکھی - اور اس نے صلہ کم دیا - یا دیر لگائی - ہجو شروع کر دیتے تھے - اور یہاں تک نوبت پہنچاتے تھے - کہ تہذیب و شائستگی آنکھ بند کر لیتی تھی خواجہ صاحب اس سفلہ پن سے بری ہیں - وہ مدح لکھتے ہیں - صلہ ملا - تو بہتر ورنہ یہ کہکر چپ ہو جاتے ہیں کہ تقدیر میں نہ تھا - کبھی کبھی ہلکا سا تقاضا بھی کرتے ہیں لیکن نہایت لطیف پیرایہ میں " اس شعر میں بھی خواجہ صاحب نے اخلاق کا ایک اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے - کہتے ہیں کہ بادشاہ سے

مانگ کر یا مدح کے صلہ میں تقاضا کر کے کچھ لینا فقر و قناعت کی بےعزتی کرنا ہے ۔ روزی جتنی نصیب میں ہوتی ہے مل جاتی ہے ۔۔ کیا ضرورت ہے ۔ کہ بادشاہوں اور امیروں کی آگے جاکر آدمی دست بسینہ کھڑا ہو اور انعام و اکرام کی امید رکھے ۔

(۸) ترجمہ ۔ شیراز نہر رکناباد اور ۔ خوشگوار ہوا ۔ اسکی عیب جوئی نہ کر ۔ کیونکہ وہ دنیا کے چہرہ پر خال ہے ۔

آب رکنی ۔ آب رکناباد ایک چشمہ ہے شیراز کی مشہور سیرگاہ ہے اب تو معمولی نہر رہ گئی ہے ۔ خواجہ صاحب کے زمانے میں وسیع چشمہ تھا ۔ جہاں دوست احباب کی صحبتیں ہوتی تھیں ۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں ۔ کہ شیراز بوجہ اپنی آب و ہوا کے دنیا کا ایک بہترین مقام ہے یہ خواجہ حافظ کی حب الوطنی ہے ۔

(۹) ترجمہ ۔ آب خضر کی جگہ ظلمات ہے اور ہماری نہر جسکا منبع اللہ اکبر ہے ان میں بڑا فرق ہے ۔

آب خضر ۔ چشمۂ آب حیات ۔ بوجہ خضر کے اس چشمہ سے پانی پینے کے یہ نام ہوا ۔ سکندر نامہ میں سکندر اور خضر کا آب حیات کی تلاش میں گھر سے نکلنے کا مفصل درج ہے ۔ لکھا ہے ۔ کہ وہ ظلمات میں ہے یعنی میلوں اس کے گرد اندھیرا ہے ۔ اور کچھ نظر نہیں آتا ۔

اللہ اکبر ۔ نہر رکناباد کے منبع کا نام ہے ۔

مطلب یہ ہے ۔ کہ آب حیات جو ظلمات میں ہے ۔ اور جس سے کسی کو فائدہ ہی نہیں ۔ ہماری نہر رکناباد کے برابر نہیں ہو سکتا ہے جس کا منبع موجود ہے ۔ اور جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں ۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے ۔ کہ عشق الٰہی جس کا چشمہ اللہ اکبر ہے ۔ وہی حقیقی معنوں میں آب حیات ہے جس سے انسان کو حیات جاوید نصیب ہوتی ہے چشمۂ خضر میں کیا دھرا ہے

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق	ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(۱۰) ترجمہ ۔ ہمارے کوچہ میں صرف شکستہ دلی خرید لے ہیں ۔ اور بس ۔ خود فروشی کا بازار اسی لئے دوسری طرف واقع ہے ۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ رندوں کے مشرب میں صرف شکستہ دلی کی قیمت ہے ۔

اتنا ہم لوگ ہی ہیں جو ... کو زیادہ عزیز سمجھتے ہیں ... کا ہمارے مشرب سے کچھ تعلق نہیں۔ کیونکہ وہ لوگ گو بظاہر خستہ حال نظر آتے ہیں مگر ان کے دلوں میں درد بالکل نہیں ہوتا۔ ان کا زہد صرف لباس تک ہے شکستہ دلی سے مراد عشق میں شکستہ دل ہونا یعنی دل میں عشق کا درد ہونا شکستہ دل کا خدا ہی خریدار ہے۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

کوئی دعوی اور خرید و فروخت کا مقابلہ لطیف نیز دیکھو شعرت ۲۵

(۱۱) ترجمہ۔ اے حافظ تیرا قلم کیا عجیب قند کی شاخ ہے کہ اسکا میوہ شہد و شکر سے زیادہ دل پسند ہے۔

شاخ نبات مصری کے کوزوں میں تاگے کی شاخ کی طرح جو چیز بنی ہوتی ہے۔ خواجہ صاحب کی معشوقہ کا نام بھی کہتے ہیں کہ یہی تھا لیکن قصہ فضول ہے

یہ شعر بھی حسب معمول شعرا خواجہ صاحب نے فخریہ کہا ہے مطلب یہ ہے کہ میرا قلم طبرزد کا گویا ایک درخت ہے جسکا میوہ شہد و شکر سے بھی زیادہ لذیذ ہے یعنی میرا کلام نہایت مقبول اور دل پذیر ہے۔

غزل (۲۳)

شگفتہ شد گل حمرا و گشت بلبل مست	۱	صلائے سرخوشی اے عاشقان بادہ پرست
اساس توبہ کہ در محکمی چو سنگ نمود	۲	ببین کہ جام زجاجی چگونہ اش بشکست
بیار بادہ کہ در بارگاہ استغنا	۳	چہ پاسبان و چہ سلطان چہ ہوشیار و چہ مست
ازین رباط دو در چون ضرورت است رحیل	۴	رواق طاق معیشت چہ سربلند و چہ پست
مقام عیش میسر نمی شود بے رنج	۵	بلے بحکم بلا بستہ اند روز الست
بہ ہست و نیست مرنجان ضمیر و خوش می باش	۶	کہ نیستی است سرانجام ہر کمال کہ ہست
شکوہ آصفی و اسپ باد و منطق طیر	۷	بباد رفت و ازان خواجہ ہیچ طرف نہ بست

ببال و پر مرو از راه کہ تیر پرتابے	۸	ہوا گرفت زمانے ولے بخاک نشست	
(۹)	زبان کلک تو حافظ چہ شکر آن گوید ۔ کہ تحفۂ سخنش مے برند دست بدست ۔	(۹)	

(۱) ترجمہ ۔ گل سرخ کھلا اور بلبل مست ہوگئی اے بادہ پرست عاشقو سرخوشی کی صلا ہے ۔

حمرا ۔ سرخ رنگ عورت ۔ کوئی سرخ رنگ شے ۔ گل حمرا ۔ گل سرخ ۔ گل احمر ۔ گل گلاب ۔ گلاب کے پھول کو کہتے ہیں ۔ صلا ۔ کوئی چیز دینے کیلئے کسی کو بلانا مطلق آواز ۔ سرخوش وہ آدمی جو نشہ شراب سے خوشحال ہو اور اسکی مستی حد اعتدال میں ہو مستی کو کئی درجے ہیں (۱) سرخوش (۲) تر دماغ (۳) سیہ مست (۴) خراب ۔

مطلب یہ ہے ۔ کہ موسم بہار آگیا بلبلیں مست ہیں اور عاشقوں کو بھی بہار کی آمد گویا مے خواری کے زمانہ کی آمد ہے ۔ شراب پینے کیلئے بہار کا موسم موزون گنا جاتا ہے ۔ خواجہ صاحب بھی شعر ۳۶ میں بہار کے تین مہینوں کی طرف ہی اشارہ کر کے کہتے ہیں ۔

ع　سہ ماہ مے خور و نہ ماہ پارسا مے باش

(۲) ترجمہ ۔ توبہ کی مضبوطی پتھر کی طرح معلوم ہوتی تھی ۔ دیکھو کہ شیشے کے پیالہ نے اس کو کس طرح توڑ ڈالا ۔

زجاج ۔ بضم ۔ آبگینہ ۔ شیشہ ۔ کانچ ۔ جام زجاج شیشہ کا پیالہ ۔ جام مے سے مراد ہے ۔ شیشے سے پتھر کا ٹوٹنا محال ہے ۔ مگر خواجہ صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ جام مے نے میری مضبوط توبہ کو توڑ دیا گویا شیشے نے پتھر کو توڑ دیا ۔

نازک خیالیاں میری توڑیں عدو کا دل		میں وہ بلا ہوں شیشہ سے پتھر کو توڑ دوں

(۳) ترجمہ ۔ شراب لا کہ بے نیاز درگاہ میں کیا پاسبان اور کیا بادشاہ کیا ہوشیار اور کیا مست ۔

مطلب یہ ہے کہ خدا کی درگاہ میں کسی شے کی ضرورت نہیں ۔ وہ غنی اور بے نیاز ہے کسی کی مستی یا ہوشیاری سے اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا ۔ اس لئے پینا نہ پینا اسکے لئے برابر ہے پیلو پیو ۔ اسی مضمون کیلئے دیکھو شعر ۱۱۹ ۔

پھر بارگاہ استغنا میں سلطان و گدا کو بھی کچھ فرق نہیں۔ چنانچہ نماز اور حج کے وقت حکم ہے۔ سلطان و گدا کی تمیز ممنوع ہے۔ کیونکہ اس وقت تمام خدائے غنی کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس وقت اس قسم کی تمیز ناجائز۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے	تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

(۴) ترجمہ۔ اس دو دروازہ کی سرائے سے جب کوچ ضروری ہے تو رہنے کی مکان کی چھت بلند ہوئی تو کیا اور پست ہوئی تو کیا۔

رباط۔ بفتح مسافر خانہ۔ **رواق**۔ چھت کا حصہ جو مکان سے آگے بڑھا ہوا ہو۔ چھجہ۔ مطلق بمعنی چھت۔ **طاق**۔ محراب بنائے خمیدہ۔ مطلق عمارت معرب تاک **معیشت**۔ زندگانی۔ جینا۔ جس پر گذارہ ہو۔

دنیا کو رباط دو در اس واسطے کہا ہے کہ ایک دروازہ سے آئے اور دوسرے دروازہ سے چلے گئے۔ اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر الف ۱۰/۹

(۵) ترجمہ۔ مقام عیش بغیر تکلیف کے حاصل نہیں ہوتا (وعدہ) بلٰی کو بلا کے حکم سے روز الست میں محکم کیا تھا۔

بلٰی سے مراد قالو بلٰی روز الست یعنی روز میثاق دیکھو شعر الف ۱ و شعر ت ۱۱/۴۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ مقام عیش یعنی وصال محبوب یا مقام عشق سوائے تکالیف اور مصائب کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس روز عشق کی ابتدا ہوئی۔ وعدہ عشق کو بلا سے مضبوط کیا گیا۔ یعنی عشق کا عہد جو ایجاب "الست بربکم" سے شروع ہوا۔ قبول "قالو بلٰی" سے مکمل ہوا۔ گویا بلا عشق کے ساتھ روز اول سے ہی لگی ہوئی ہے۔

ع　گوہر ہر سود در حبیب زیان انداختہ

بلٰی اور بلا میں صنعت تجنیس مضارع اور شعر میں صنعت حسن تعلیل۔

(۶) ترجمہ۔ موت اور حیات کے خیال سے دل کو رنجیدہ نہ کر اور خوش رہ کیونکہ ہر کمال کا جو موجود ہے۔ انجام نیستی ہے۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب یقیناً حیات و ممات لازم و ملزوم ہیں۔ تو پھر بے فائدہ

اس خیال میں دل کو کیوں مغموم رکھتے ہیں۔

دو روز چند گردنت از مرگ روا نیست روزیکہ قضا ہست اندیشہ نکند سود	روزے کہ قضا ہست و روزیکہ قضا نیست روزیکہ قضا نیست درو مرگ روا نیست

(۷) ترجمہ ۔ آصف کا دبدبہ ہوا کا گھوڑا اور پرندوں کی بولی سب برباد ہو گئے اور ان سے خواجہ کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔

طرف بستن ۔ فائدہ اٹھانا تحقیق کیلئے دیکھو شعر (۱۲ الف)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر کا نام آصف تھا ۔ جو بہت مدبر اور باشکوہ تھا ۔ ان کا تخت ہوا پر اڑتا تھا ۔ اور وہ پرندوں کی بولی سمجھتے اور بولتے تھے ۔ قال یا ایہا الناس علمنا منطق الطیر (سورہ نمل رکوع ۲)

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ تمام غیر معمولی طاقتیں کس کام آئیں ۔ حضرت سلیمان پھر حل ہیے ۔

نہ برباد رفتے سحر گاہ و شام باخر ندیدی کہ بر باد رفت	سریر سلیمان علیہ السلام خنک آنکہ با دانش و داد رفت

(۸) ترجمہ ۔ بال و پر پر مغرور نہ ہو ۔ کیونکہ دور جانے والا تیر کچھ دیر ہوا میں رہتا ہے پھر زمین پر آگرتا ہے

بال ۔ بازو ۔ پرندوں کا بازو ۔ **پرتاب** ۔ بالفتح (۱) پھینکنا (۲) ایک قسم کا تیر جو بہت دور جاتا ہے ۔ (۳) مسافت جو تیر طے کرتا ہے ۔

مطلب یہ ہے ۔ کہ طاقت اور دولت پر غرور نہ کر ۔ کیونکہ یہ ناپائیدار ہیں ۔ تیر کے ساتھ بھی پر ہوتا ہے ۔ اور تیر خود بمنزلہ بال ۔ لہذا وجہ تمثیل ظاہر ۔ ہوا گرفتن یا ہوائی شدن ۔ اڑنا ۔

(۹) ترجمہ ۔ اے حافظ تیرے قلم کی زبان اس بات کا کب شکریہ ادا کر سکتی ہے ۔ کہ لوگ اس کے سخن کا تحفہ دست بدست لے جاتے ہیں ۔

خواجہ صاحب نے اپنے کلام کی قبولیت ظاہر کی ہے ۔ اور فرماتے ہیں ۔ کہ میں کس زبان سے اس قدر روانی اور لطف ایزدی کا شکریہ ادا کروں ۔

غزل (۲۴)

مصرع اول		مصرع دوم
زلف آشفتہ و خوی کردہ و خندان لب و مست	۱ ق	پیرہن چاک و غزل خوان و صراحی در دست
نرگسش عربدہ جوئے و لبش افسوس کنان	۲ ق	نیم شب مست ببالین من آمد بنشست
سر فرا گوش من آورد باواز حزین	۳	گفت کای عاشق شوریدہ من خوابت ہست
عاشقے را کہ چنین بادۂ شبگیر دہند	۴	کافر عشق بود گر نبود بادہ پرست
برو اے زاہد و بر دردکشان خوردہ مگیر	۵	کہ ندادند جز این تحفہ بما روز الست
آنچہ او ریخت بہ پیمانۂ ما نوشیدیم	۶	اگر از خمر بہشت است وگر از بادۂ مست

(۷) خندۂ جام مے و زلف گرہ گیر نگار
اے بسا توبہ کہ چوں توبہ حافظ بشکست (۷)

(۱) ترجمہ ۔ زلفیں پریشان پسینہ میں ڈوبا ہوا ۔ خندان لب اور مست پیراہن چاک غزل کہتا ہوا ۔ صراحی ۔ ہاتھ میں لئے ہوئے ۔

(۲) ترجمہ ۔ آنکھیں جنگجو ۔ اور لب افسوس کرتے ہوئے آدھی رات کو مست میرے سرہانے آیا ۔ اور بیٹھ گیا ۔

(۳) ترجمہ ۔ میری کان کے نزدیک لاکر نرم آواز سے کہا کہ میرے شوریدہ سر عاشق تو سویا ہوا ہے ۔

پیرہن ۔ لباس ۔ کرتہ قمیص ۔ **عربدہ جو** ۔ جنگجو ۔ بدخوی ۔ **افسوس** ۔ بالضم ۔ بمعنی طنز ۔ بازی ظرافت تمسخر ۔ بالفتح ۔ دریغ حسرت ظلم ۔ برہان قاطع میں تمام معنوں میں بالفتح لکھا ہے ۔ یہاں اگر اُفسوس پڑھا جائے ۔ تو بمعنی ظرافت و طنز آ ہوگا ۔ ورنہ اَفسوس پڑھ لیا جائے ۔ **فرا** ۔ پیش قبل ۔ نزدیک ۔ دور ۔ بالا ۔ یہاں بمعنی نزدیک **حزیں**

اندوہناک - غمگین - شوخ - مشوریدہ - پریشان حال - دیوانہ - شوریدہ سر

خواجہ صاحب نے پہلے تین مصرعوں میں جو نقشہ معشوق کی ایک خاص حالت کا کھینچا ہے - لاجواب ہے - مختصر الفاظ میں ہے - مگر جامع ہے - اور ایسا فوٹو ہے - کہ فی الواقعہ وہ نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے -

(۴) **ترجمہ** - جس عاشق کو ایسی شبگیر شراب دی جائے - اگر بادہ پرستی نہ کرے - تو مذہب عشق کے رو سے وہ کافر ہے -

شبگیر - یعنی شب سحرگاہ - آخر شب - رات کو سفر کرنا -

مطلب یہ ہے - کہ ایسی حالت میں معشوق آیا - اور شراب پیش کی - میں نے پی لی - کیونکہ انکار کرنا میرے نزدیک کفر تھا -

(۵) **ترجمہ** - اے زاہد جا اور دردکشوں کی عیب جوئی نہ کر - کیونکہ روز الست کو ہمیں صرف یہی تحفہ دیا گیا

دُرد - شراب تیرہ - ہر سیال اور رقیق مادہ کے نیچے جو چیز تہ بہ بیٹھ جائے -

مطلب یہ ہے - کہ روز میثاق ہم کو عشق کی مستی دی گئی - ہم مجبور ہیں - اس سے انکار نہیں کر سکتے ظاہر پرستوں کو اس پر نکتہ چینی نہیں کرنی چاہیے -

(۶) **ترجمہ** - جو کچھ معشوق نے ہمارے پیالہ میں ڈال دیا ہم نے پی لیا - خواہ وہ شراب بہشت ہے - خواہ شراب مست -

خواجہ صاحب فرماتے ہیں - کہ میثاق کے دن یا مذکورہ بالا رات کو جو کچھ معشوق نے ہم کو دیا ہم نے قبول کر لیا - اس سے بحث نہیں کہ وہ شراب کون سی ہے - (ظاہر ہے - کہ وہ شراب عشق ہے -)

(۷) **ترجمہ** - جام مے کے خندہ اور معشوق کی زلف پیچ در پیچ نے حافظ کی توبہ کی طرح اور کئی لوگوں کی توبہ کو توڑا -

مطلب یہ ہے - کہ ہر چند عاشق مے سے توبہ کرے - مگر جام مے کی شکل دیکھکر اور معشوق کی زلف کی گرہ گیری دیکھکر رہا نہیں جاتا یعنی راہ عشق کی تکالیف کا جب سامنا ہوتا ہے - تو خواہ مخواہ عاشق مے خواری پر مجبور ہو جاتا ہے - اس مضمون کی مفصل شرح کیلئے غزل [illegible] ملاحظہ ہو

غزل (۲۵)

خدا چو صورت ابروئے دلربائے تو بست	۱	کشاد کار من اندر کرشمہائے تو بست
ہزار سرو چمن را بخاک راہ نشاند	۲	زمانہ تا قصب نرگس قبائے تو بست
مرا و مرغ چمن را ز دل ببرد آرام	۳	سحرگہان کہ دل ہر دو در وفائے تو بست
ز کار ما و دل غنچہ صد گرہ بکشود	۴	نسیم صبح چو دل در پئے ہوائے تو بست
مرا بہ بند تو دوران چرخ راضی کرد	۵	ولے چہ سود کہ سر رشتہ در رضائے تو بست
چو نافہ بر دل مسکین من گرہ مفگن	۶	کہ عہد با سر زلف گرہ کشائے تو بست
تو خود حیات دگر بودی اے نسیم وصال	۷	خطا نگر کہ دل امید در وفائے تو بست
ہم از نسیم تو روزے کشائشے یابد	۸	چو غنچہ ہر کہ دل خویش در ہوائے تو بست

(۹) ز دست جور تو گفتم ز شہر خواہم رفت
بخندہ گفت برو حافظا کہ پائے تو بست (۹)

(۱) ترجمہ – خدا نے جب تیرے دل ربا ابرو کی صورت بنائی اسی وقت میری کشائش کار تیرے کرشموں سے وابستہ کردی –

کرشمہ – بکسرتین – یا بفتحتین – اشارہ چشم و ابرو کے ساتھ –

مطلب یہ ہے – کہ جس وقت خدا نے تیرے ایسے خوبصورت اور دل کش ابرو بنائے اس دل کشی کی وجہ سے اسی وقت یہ معلوم ہوگیا کہ ہمارا دل تیرے قابو آجائیگا – اور ہمارا نیک و بد تیرے ابرو کے اشاروں پر موقوف ہوگا – قریباً وہی مضمون ہے – جو شعر الف ۱/۲ میں ہے – بست و کشاد کا مقابلہ اور کشاد کے لئے فعل بست کا انتخاب لاجواب ہے –

(۲) ترجمہ – ہزار سرو چمن کو خاک راہ میں بٹھا دیا جب سے کہ زمانہ نے تیری جامہ زرتار کو تیار کیا

ششب - (۱) نے از ریشم تیر چوسنے کی قسم سے ہے مثنیٰ اطلس کہا ہے [illegible]
ابریشم معرب کسب - قبا - ئے - جامہ دوتہی -

مطلب یہ ہے - کہ جب سے عاملان قضا وقدر نے تیرے قد ہی کیلئے جامہ زرتار تیار کیا - اس روز سے سرو چمن کی قد و قامت کی آبرو جاتی رہی - بخاک راہ نشاندن یعنی بے قدر کرنا - ذلیل کرنا - یوں ہی سرو پا بگل ہوتا ہے -

(۳) ترجمہ - میرے اور بلبل کے دل کا آرام چلا گیا صبح کیوقت جب ہم ہر دو نے تیری نوا میں دل لگایا -

مرغ چمن - نفائس اللغات میں لکھا ہے - کہ مرغ چمن اور مرغ سحر بلبل کا نام ہے

یعنی جب ہم دونوں نے سحر کیوقت تیرے عشق میں نغمہ سنجی شروع کی تو ہمارے دل میں قرار نہ رہا -

(۴) ترجمہ - میرے کام اور غنچہ کے دل سے بہت سی گرہیں کھولیں نسیم صبح نے جبکہ اس نے دل تیری آرزو کی راہ میں لگایا -

نسیم صبح - سے کلیاں کھلتی ہیں - اس لئے غنچہ کی گرہ کھولنا تو نسیم صبح کا قدرتی کام ہے - مگر عاشق کے دل کی گرہ بھی اسی نے کھولی ہے - اور اسے مقصود پر پہنچا دیا - کیونکہ وہ معشوق کی راہ گذر سے ہو کر آئی تھی اور اسکی زلف عنبرین کی خوشبو عاشق تک پہنچائی تھی اجی آرزو و اشتیاق الو یاد ساکن - یہاں دونوں معنوں کیطرف اشارہ ہے - دیکھو شعر (۸) غزل ہذا -

(۵) ترجمہ - مجھے دور چرخ نے تیرے بند میں رہنے پر راضی کر لیا - مگر کیا فائدہ کہ سر رشتہ تیری رضا سے بندھا ہوا ہے -

یعنی ہم برضا و رغبت تیری بند میں گرفتار رہیں - لیکن زنجیر تیری رضا کے ہاتھ میں ہے اس لئے ہمارے راضی ہونے یا نہ ہونے کا کوئی سوال نہیں - سب کچھ تیری رضا پر منحصر ہے - گویا ہماری رضا بھی تیری رضا کے ہاتھ میں ہے -

(۶) ترجمہ - نافہ کی طرح میرے مسکین دل پر گرہ نہ ڈال کیونکہ میرے دل نے تیری زلف گرہ کشا کے سر سے عہد باندھا ہے -

نافہ گرہ کی شکل میں ہوتا ہے - دوئم یہ کہ زلف مشکین کے رشک نے بھی اس کے دل پر

گرہ دی ہے۔ لہذا نافہ کی تمثیل۔ زلف کو گرہ گیر کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ گرہ در گرہ ہوتی ہے۔ خواجہ صبا سے گرہ کشا کہتے ہیں۔ وجہ یہ کہ عاشق زلف معشوق سے اپنے دل کی گرہ کشائی کی امید رکھتا ہے۔

(۷) ترجمہ ۔ اے زمانہ وصال تو خود ایک دوسری زندگی تھا غلطی دیکھ کہ میری دل نے تیری وفا کی امید رکھی۔

زمانہ وصال عاشق کے لئے بیشک ایک زندگی ہوتی ہے۔ اور جس طرح زندگی پر اعتبار نہیں اور اس کی پائیداری کی امید فضول اسی طرح زمانہ وصال بھی ناپائدار ہوتا ہے۔ اور اس کی پائیداری کی امید خام ہے۔

(۸) ترجمہ ۔ اس آدمی کو بھی ایک دن تیری نسیم سے کشائش ہو گی جس نے غنچہ کی طرح تیری آرزو میں دل لگایا۔

مطلب یہ ہے۔ کہ جس طرح غنچہ نسیم کی امید میں دل بستہ ہوتا ہے۔ اور وہ آکر اس کی گرہ کو کھولتی ہے۔ اور وہ شگفتہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو آدمی محبوب کی آرزو اور اشتیاق میں دل گیر رہتا ہے کسی نہ کسی روز اس کے دل کی گرہ بھی نسیم معشوق کھول دیگی۔ یعنی وہ بھی اپنی آرزو میں کامیاب ہو گا۔ دیکھو شعر (۱۴) غزل ۱۸۳

(۹) ترجمہ ۔ میں نے کہا کہ تیرے ظلم کے ہاتھ سے میں شہر چھوڑ جاؤنگا ہنس کر کہا کہ اے حافظ جا کس نے تیرے پاؤں باندھے ہیں۔

مطلب ظاہر ہے۔ عاشق نے کہا۔ کہ میں شہر چھوڑ جاؤں گا معشوق نے صاف جواب دیا۔ کہ جاؤ۔ کس نے روکا ہے۔ البتہ ایک لطافت قابل غور ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ گرچہ معشوق کہتا ہے۔ کہ تیرے پاؤں کسی نے نہیں باندھے۔ مگر فی الحقیقت عاشق پابستہ ہے۔ اور معشوق کے ہنس کر یہ جواب دینے میں یہ اشارہ بھی موجود ہے۔

غزل (۲۶)

ای ہدہد صبا بسبا میفرستمت	۱	بنگر کہ از کجا بکجا میفرستمت
حیف ست طائری چو تو در خاکدان غم	۲	زینجا بآشیان وفا میفرستمت
در راہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست	۳	می بینمت عیان و دعا میفرستمت
ہر صبح و شام قافلہ از دعائے خیر	۴	در صحبت شمال و صبا میفرستمت
در روئے خود تفرج صنع خدای کن	۵	کائینہ خدای نما میفرستمت
تا لشکر غمت نکند ملک دل خراب	۶	جان عزیز خود بفدا میفرستمت
ہر دم غمی فرست مرا و مگو بناز	۷	کاین تحفہ از برای خدا میفرستمت
ای غائب از نظر کہ شدی ہمنشین دل	۸	میگویمت دعا و ثنا میفرستمت
تا مطربان ز شوق منت آگہی دہند	۹	قول و غزل بساز و نوا میفرستمت
ساقی بیا کہ ہاتف غیبم بمژدہ گفت	۱۰	با درد صبر کن کہ دوا میفرستمت

(۱۱) حافظ سرود مجلس ما ذکر خیر تست
تعجیل کن کہ اسپ و قبا میفرستمت (۱۱)

(۱) ترجمہ — اے ہدہد صبا میں تجھے شہر سبا کو بھیجتا ہوں — دیکھ کہ کہاں سے تجھے کہاں بھیجتا ہوں۔

ہدہد — ایک مشہور پرندہ — سبا — ملکہ بلقیس کا شہر

یہاں ایک مشہور قرآنی قصہ کی طرف اشارہ ہے — حضرت سلیمانؑ کو پرندوں پر بھی حکومت تھی — ایک روز ہدہد کو اپنے آشیان سے غائب دیکھکر ناراض ہوئے — اتنے میں ہدہد آگیا اور کہا کہ جئتک من سبا بنبا یقین (سورہ نمل) یعنی میں آپکے لئے شہر سبا سے ایک خبر لایا ہوں یہ بھی اس شہر کا ایک ہے۔ ملکہ کا حال سنایا میں گیا تو دیکھا کہ وہاں کی

ملکہ بلقیس نام بہت امیر ہے اور لشکر فراوان اس کے زیر فرمان ہے۔ وہ لوگ خدا کی عبادت نہیں کرتے۔ بلکہ سورج کی پرستش کرتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو حکم دیا کہ اذھب بکتٰبی فالقہ الیھم۔ کہ میرا نامہ لیجاؤ۔ اور وہاں سے آؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ اس نامہ میں ملکہ بلقیس اور اس کی رعایا کو دعوت اسلام تہی۔ ملکہ بلقیس کی طرف سے منذر جواب لیکر آیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پھر کہا۔ کہ اسے خود یہاں آنا چاہیئے چنانچہ ملکہ بلقیس نے اپنے تخت کو محفوظ اور مقفول کر دیا اور خود لشکر ساتھ لیکر آئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ارشاد پر انکا وزیر آصف برخیا ایک چشم زدن میں بلقیس کا تخت اڑا لایا۔ انا اتیك قبل ان یرتد الیك طرفك آخر کار بلقیس ایمان لائی۔ اور کہا ظلمت نفسی واسلمت مع سلیمٰن۔ چنانچہ اس کا حضرت سلیمان علیہ السلام سے تزویج کا انتظام ہی ہوگیا۔

شاعر صبا کو قاصد کہتے ہیں۔ اس لئے خواجہ صاحب نے ہدہد صبا کہا۔ یعنی صبا کو ہدہد بنایا۔ سبا۔ اور صبا میں صنعت تجنیس ہے۔

صاحب تاویلات نے لکھا ہے کہ ہدہد سے مراد قوت متفکرہ۔ سبا مدینہ جسد سلیمان دل اور بلقیس نفس ہے۔ مگر یہاں شاعرانہ طرز میں سمجھنا چاہیئے کہ عاشق قاصد صبا کو معشوق کے شہر کی طرف روانہ کرتا ہے۔

(۲) ترجمہ۔ افسوس ہے۔ کہ تجھ سا پرندہ دنیا کے خاکدان میں ہو۔ میں اس جگہ سے تجھکو آشیانِ وفا کی طرف بھیجتا ہوں۔

آشیانِ وفا یعنی محبوب کی منزل۔ یہ شعر بہی ہدہد صبا کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے۔ اور پہلے شعر سے قطعہ بند ہے۔

(۳) ترجمہ۔ راہ عشق میں دور اور نزدیک کی مسافت نہیں۔ میں تجھے آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اور دعا بھیجتا ہوں۔

مرحلہ۔ منزل گاہ۔ کوچ گاہ۔ منزل۔ اسباب رکھنے کی جگہ ماخوذ از رحل یعنی پالانِ شتر۔ کوچ کرنا۔ اسباب لادنا۔ فاصلہ چہار فرسنگ۔ عیاں۔ کھبر۔ عیان۔ پڑہنا غلط۔ آنکھوں سے دیکھنا۔ مجازاً ظاہر۔

مطلب یہ ہے کہ معشوق اور عاشق کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں - اور عاشق اپنے محبوب کو ہر جگہ اور ہر وقت دیکھ سکتا ہے - قران کریم (سورہ ق) میں رب العزت کا ارشاد ہے -
ونحن اقرب الیہ من حبل الورید (اور ہم انسان کی رگ جان سے بھی نزدیک تر ہیں)

چون وصل در نگنجد ہجران چہ کار دارد		معشوق و عشق و عاشق ہر سہ یکیست اینجا

(۴) ترجمہ - [illegible]
شمال - بالفتح - وہ ہوا جو قطب یعنی شمال کی طرف سے چلے -
(۵) ترجمہ - اپنے چہرہ میں خدا کی صنعت کا نظارہ کر - کہ میں خدا نما آئینہ تیرے پاس بھیجتا ہوں
تفرج (۱) کشائش تنگی اور دشواری سے باہر نکلنا - خوشحالی (۲) استعمال فارسی میں معنی سیر تماشا دیکھنا - مطلب یہ ہے - کہ تو اپنے چہرہ کو دیکھ کر خدا کی قدرت کا قائل ہو گا -

[illegible]		[illegible]

تمام کائنات اور خاص کر خوبصورت چیزیں آئینہ خدا نما ہیں کیونکہ خدا صرف انہی مرآت کی ذریعے نظر آتا ہے - اور یہ بھی کہا گیا ہے - کہ انسان اپنی حقیقت سے اگر آشنا ہو جائے تو خدا کی حقیقت سے آشنا ہو جاتا ہے - من عرف نفسہ فقد عرف ربہ -
(۶) ترجمہ - تا کہ تیرے غم کا لشکر ملک دل کو آکر ویران نہ کر دے میں نے اپنی عزیز جان بطور خراج تیرے پاس بھیجی ہے -
غم عشق کا اور کوئی علاج ہی اس کے سوا نہیں کہ عاشق جان پر کھیل جائے اور فنا فی المعشوق ہو جائے
(۷) ترجمہ - ہر وقت میری طرف ایک تازہ غم بھیج اور ناز سے کہہ - کہ یہ تحفہ برائے خدا تیری پاس بھیجتا ہوں
معشوق کرتے ہی یہ ہیں - خواجہ صاحب عرف یاد دلاتے ہیں -
(۸) ترجمہ - اے کہ تو نظروں سے غائب اور دل کا ہمنشین ہے - میں دعا کرتا ہوں - اور تیری تعریف کرتا ہوں
معشوق اگرچہ نظر سے غائب ہوتا ہے - مگر عاشق کے دل سے اس کا خیال کبھی دور نہیں ہوتا - اور معشوق مطلق تو فی الواقع ہر وقت دل میں موجود ہوتا ہے - قرآن کریم (سورہ انفال) میں ہے - واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ (جانو کہ خدا انسان اور اسکے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے)
دیکھو غزل ہذا کا شعر (۳)

(۹) ترجمہ ۔ تاکہ مطرب میرے شوق سے تجھے آگاہ کر سکیں ۔ میں قول و غزل ساز و نوا کے ساتھ تیرے پاس بھیجتا ہوں ۔

شاعر اپنا کلام ساز و نوا کے ساتھ اس واسطے بھیجتا ہے کہ معشوق کو پڑھ کر سنایا جائے ۔ تاکہ اس کو عاشق کے شوق کا اندازہ اس کے کلام سے ہو سکے ۔

(۱۰) ترجمہ ۔ اے ساقی آ کہ ہاتف غیب نے مجھے بشارت دی ہے ۔ کہ درد میں صبر کر تیرے لئے دوا بھیجتا ہوں ۔

ہاتف ۔ آواز دینے والا ۔ اسم فاعل ۔ ہتف بمعنی آواز ۔ وہ فرشتہ جو عالم غیب سے آواز دیتا ہے ۔

درد عشق کی دوا شراب ہے ۔ اور خواجہ صاحب کے نزدیک اس درد کا مقرر نسخہ یہی ہے ۔ دیکھو شعر (ات ۲۳) اس لئے ہاتف کی بشارت کا مطلب انہوں نے یہی سمجھا ۔ کہ ڈھیر شراب بھیجتا ہوں ۔ اب ساقی کو دیکھ کر خواجہ صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ مجھے پہلے مژدہ پہنچ چکا ہے ۔ آئیے اور شراب عنایت کیجئے ۔

(۱۱) ترجمہ ۔ اے حافظ ہماری مجلس کا سرود تیرا ذکر خیر ہے ۔ جلدی کر کہ گھوڑا اور خلعت تجھے بھیجتا ہوں ۔

یعنی ہماری مجلس میں تیرا ذکر آیا ۔ اور تیرے لئے دربار میں شریک ہونے کیلئے سامان بھیجا جاتا ہے جلدی آ ۔ ممکن ہے ۔ کہ یہ غزل خواجہ صاحب نے کسی کی مدح میں لکھی ہو ۔ اور یہ شعر ممدوح سے منسوب کر کے اسپ و قبا کا ہلکا سا تقاضا کیا ہو ۔ خواجہ صاحب کا تقاضائے صلہ ہمیشہ ایسے ہی لطیف پیرایہ میں ہوتا ہے ۔ چنانچہ اور کئی موقعوں پر بھی ایسے لطیف تقاضے موجود ہیں ۔

غزل (۲۷)

اے غائب از نظر بخدا مے سپارمت	۱	جانم بسوختی و بدل دوست دارمت
تا دامن کفن نہ کشم زیر پائے خاک	۲	باور مکن کہ دست ز دامن بدارمت
گر بایدم شدن سوئے ہاروت بابلی	۳	صد گونہ ساحری بکنم تا بیارمت
محراب ابروان بنما تا سحر گہی	۴	دست دعا برآرم و در گردن آرمت
خواہم کہ پیش میرمت اے بیوفا طبیب	۵	بیمار باز پرس کہ در انتظارمت

صد جوی آب بستہ ام از دیدہ در کنار	۶	بر بوئے تخم مہر کہ در دل بکار مت
خونم بریز و از غم ہجران خلاص کن	۷	ست پذیر غمزۂ خنجر گذار مت
مے گریم و مرادم ازیں چشم اشکبار	۸	تخم محبت است کہ در دل بکار مت
گردیدہ ودلم مکند آسنگ دیگرے	۹	آتش زنم درآں دل و دیدہ برآر مت
یارم دہ از کرم بسوئے خود تا بسوز دل	۱۰	در پاتے دمبدم گہر از دیدہ بار مت

(۱۱)	حافظ شراب و شاہد و رندی نہ وضع تست فی الجملہ مے کنی و فرو میگذار مت	(۱۱)

(۱) ترجمہ - اے کہ تو نظر سے غائب ہے - میں تجھے خدا کی حوالہ کرتا ہوں - تو نے میری جان جلادی تاہم میں تجھے دل سے دوست رکھتا ہوں -

اسی مضمون پر حضرت امیر خسرو دہلوی نے کہا ہے -

جان زتن بردی و در جانی ہنوز	دردہا دادی و درمانی ہنوز

(۲) ترجمہ - جب تک میں دامن کفن کو پائے خاک کے نیچے نہ لیجاؤنگا - یہ یقین نہ کر کہ میں تیری دامن سے ہاتھ ہٹاؤنگا -

مطلب یہ ہے - کہ جیتے جی میں تیرا دامن نہیں چھوڑونگا - دست و پا کی رعایت ظاہر - وہی مضمون ہے - جو شعر ت ۴۵ میں ہے -

(۳) ترجمہ - اگر ہاروت بابل کے پاس میرا جانا ہو - تو سو طرح کی جادوگری کروں تاکہ تجھے اپنے پاس لاؤں

بابل - عراق کی ایک شہر کا نام ہے - چاہ بابل میں ہاروت و ماروت کی قید کے متعلق دیکھو شعر الف ۱۶ کہتے ہیں - کہ اب تک ہاروت و ماروت لوگوں کو جو اُن کے پاس جائیں فن سحر کی تعلیم دیتے ہیں - خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ اگر میرا جانا وہاں تک ہو - تو ضرور جادو سیکھہ آؤں - اور تجھے ہزار حیلوں سے اپنے پاس لانے کی کوشش کروں -

(۴) ترجمہ - اپنے ابروؤں کا محراب مجھے دکھا تاکہ صبح کے وقت دست دعا اٹھاؤں

اور تیری گردن میں ڈال دوں۔

محراب — اندرون مسجد طاق جو قبلہ کی طرف ہوتا ہے۔ چونکہ محراب آلہ حرب شیطان ہے۔ اس لئے یہ نام ہوا۔ ابرو کو بوجہ خم محراب سے تشبیہ دیتے ہیں۔

دعا سحر گہی عموماً قبول ہوتی ہے۔ اس لئے اس وقت دعا کرنے سے محبوب کی گردن میں ہاتھ ڈالنے کی امید ہو سکتی ہے۔ اور اگر معشوق کی محراب ابرو سامنے ہو گی یعنی معشوق نزدیک ہو گا تو دعا کے بہانے ہاتھ اٹھا کر اس کی گردن میں ڈال دینا بھی ممکن ہے۔

(۵) ترجمہ میں چاہتا ہوں کہ اے بیوفا طبیب تیرے سامنے مروں بیمار پرسی کو آ کہ میں تیرے انتظار میں ہوں۔

مطلب صاف ہے۔ بیمار عشق کی تمنا ہے۔ کہ وہ دم واپسیں اپنے معشوق کو ایک دفعہ دیکھ لے

(۶) ترجمہ — میں نے پانی کی کئی نہریں آنکھوں سے جاری کر کے اپنے کنار میں باندھی ہیں۔ تیری محبت کے تخم کی امید پر جو میں اپنے دل میں بوتا ہوں۔

بوئے — سوائے معنی مشہور بمعنی امید۔ طمع۔ سراغ۔ محبت۔

جس طرح کاشتکار تخم ریزی کر کے اپنے مزرعہ کی سیرابی کے لئے نہریں باندھتا ہے۔ عاشق نے بھی اپنے مزرع دل کی سیرابی کیلئے جسمیں اس نے محبت کا بیج بویا ہے سیلاب اشک سے نہریں بنائی ہیں۔ کشت محبت کیلئے آب اشک ضروری ہے۔ اور اس کے سوا اس کی بارآوری ناممکن۔ لسان العصر سید اکبر حسین بھی لسان الغیب خواجہ حافظ کے ہم خیال ہیں۔ مگر ان کو خطرہ ہے۔ کہ کہیں اس نہر پر بھی واٹر ریٹ تشخیص نہ ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں۔

کشت دل کو نفع پہنچے اشک ایسی چیز ہے	دیدۂ گریاں پہ واٹر ٹکس کی تجویز ہے

(۷) ترجمہ — مجھے قتل کر اور غم ہجر سے مجھے رہا کر میں تیرے خنجر گذار غمزہ کا ممنون احسان ہوں

خواجہ صاحب کسی نہ کسی بہانے معشوق کو بلانا چاہتے ہیں اس کی آنے پر غم ہجر تو جاتا رہیگا پھر خونریزی کی بھی ضرورت نہ رہے گی تیر غمزہ اور خنجر غمزہ مشہور غمزہ بمعنی اشارہ چشم خنجر گذار صفت غمزہ موصوف۔

(۸) ترجمہ — میں روتا ہوں اور چشم تمنا سے میری غرض۔ تیری محبت کا بیج ہے۔ جو میں اپنے

دل میں بوتا ہوں۔
یعنی تیری محبت کے بیج کی سرسبزی مطلوب ہے۔ وہی مضمون ہے جو شعر نمبر(۶) میں ہے۔
(۹) ترجمہ۔ اگر میری آنکھ یا دل کسی اور کا خیال کرے۔ تو اسے دل میں آگ لگا دوں اور آنکھ نکال کر تیرے پاس بھیجدوں۔
آہنگ۔ طرز۔ روش کشش قصد۔ ارادہ۔
(۱۰) ترجمہ۔ مجھے اپنے پاس مہربانی سے آنے دے۔ تاکہ سوز دل سے تیری پاؤں پر دمبدم آنکھوں سے موتی برساؤں۔
بار۔ یہ لفظ کثیر المعانی ہے۔ (۱) خدا کا نام ہے (۲) انبار (۳) بزرگی (۴) گرانی۔ (۵) بزرگ و نیکوکار (۶) نصیب (۷) رخصت و دخل۔ یہاں انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ (۸) بیخ و بن درخت (۹) مرادف کار (۱۰) مرتبہ۔ (۱۱) بارگاہ (۱۲) کسی چیز کی زیادتی (۱۳) پھل (۱۴) حمل زناں (۱۵) غش (۱۶) ایک ساز کا نام ہے۔ ان کے علاوہ اور کئی معنی ہیں۔
آنکھوں سے موتی برسانا یعنی رونا۔ دربار میں جا کر نذر کے موتی نثار کرنا رسم ہے
(۱۱) ترجمہ۔ اے حافظ شراب شاہد اور رندی تیری وضع کے شایاں نہیں۔ مگر خیر تو کرتا ہے میں معاف کر دیتا ہوں۔
فی الجملہ۔ (۱) تھوڑا (۲) حاصل۔ شاہد۔ معشوق۔ صاحب حسن خوشنما۔
مطلب یہ ہے۔ کہ میں مانتا ہوں کہ یہ کام میرے مناسب حال نہیں۔ مگر قصہ کوتاہ یہ کہ میں کرتا ہوں۔ اور خداوند کریم کی مہربانی پر امید ہے۔ کہ وہ مجھے معاف کر دیگا۔
فروگذاشت (۱) یعنی قصور۔ بھول جانا (۲) قصور معاف کرنا۔ چھوڑ دینا۔

غزل (۲۸)

بجان خواجہ و حق قدیم و عہد درست	۱	کہ مونس دم صبحم دعائے دولت تست
سرشک من کہ ز طوفان نوح دست برد	۲	ز لوح سینہ نیارست نقش مہر تو شست

مصرع اول	نمبر	مصرع دوم
بکن معامله وین دل شکسته بخر	۳	که با شکستگی ارزد بصد هزار درست
شدم ز عشق تو شیدای کوه و دشت هنوز	۴	نمی کنی بترحم نطاق سلسله سست
ملامتم بخرابی مکن که مرشد عشق	۵	حوالتم بخرابات کرد روز نخست
دلا طمع مبر از لطف بی نهایت دوست	۶	چو لاف عشق زدی سر بباز چابک و چست
زبان مور بر آصف دراز گشت ازان	۷	که خواجه خاتم جم یاوه کرد و باز نجست
بصدق کوش که خورشید زاید از نفست	۸	که از دروغ سیه روی گشت صبح نخست

(۹) مرنج حافظ و از دلبران وفا مجو
گناه باغ چه باشد چو این گیاه نرست (۹)

(۱) **ترجمہ** - خواجہ کی جان - حق قدیم اور عہد درست کی قسم ہے کہ تیری صبحدم کی مونس تیری دعائے دولت ہے -

خواجہ - خداوند - القاب سادات توران ملک و وزیر - **مونس** - ہم دم آرام دینے والا

آپ کی جان - ... عہد و پیمان کی قسم ہے - کہ ہر صبح آپکے لئے ازدیاد دولت کی دعا کرتا ہوں - یہ شعر ممدوح معشوق یا محبوب مطلق ہر سہ کیلئے ہو سکتا ہے - صورت آخر میں عہد درست سے عہد میثاق مراد ہوگی - اور دعائے دولت سے مراد مطلق نیاز مندی -

(۲) ترجمہ - میرے آنسو جو طوفان نوح سے بھی بازی لیگئے - لوح سینہ سے تیری محبت کے نقش کو نہ دھو سکے -

نوح اور لوح میں تجنیس خطی -

اسی مضمون کیلئے دیکھو شعر ت ۹

(۳) ترجمہ - یہ سودا کر اور میرے شکستہ دل کو خرید لے کہ باوجود شکستگی کے لاکھوں صحیح سالم دلوں کی قیمت رکھتا ہے -

ظاہر ہے کہ جو دل درد عشق رکھتا ہو - وہ ہزار بیدرد دلوں سے اچھا ہے - اور محبوب کے نزدیک اس دل کی قیمت لاکھ دوسرے دلوں سے زیادہ ہے - ڈاکٹر اقبال نے اسی مضمون پر کہا ہے -

جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں		تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ

نیز دیکھو شعر ت ۲۲/۱۰ ی

(۴) ترجمہ - میں تیرے عشق میں کوہ و بیابان کا شیدا ہو گیا - اور اب تک تو رحم سے زنجیر کے بند کو ڈھیلا نہیں کرتا -

عاشق کو جنون عشق میں بیابان نوردی کا شوق ہوتا ہے - مگر اس کو پا بزنجیر رکھا جاتا ہے -

سلسلہ - بمعنی زنجیر آہنی - نطاق - بمعنی بند

(۵) ترجمہ - میرے خراباتی ہونے پر ملامت نہ کر کہ مرشد عشق نے مجھے پہلے دن ہی خرابات کے حوالہ کر دیا -

دنیا خود ایک خرابات ہے - یہاں آنا ہی خراباتی ہونا ہے - اور یہ تمام خدا کے اختیار میں تھا - اسی مضمون کیلئے دیکھو شعر الف ۱۱/۲ اور شعر الف ۷/۱ الف ۴/۳ الف ۶/۲ روز الست اور شراب کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے -

(۶) ترجمہ - اے دل دوست کے بے انتہا لطف سے امید قطع نہ کر جب تو نے عشق کا دم مارا - تو چستی اور چالاکی سے سر پر کھیل جا -

مطلب یہ ہے کہ جب تو نے عشق کی لاف زنی کی ہے - تو مناسب یہ ہے کہ اب پس و پیش نہ کر اور وصال محبوب کی امید میں جان پر کھیل جا -

	لگن میں تیری نکل گئے جو نہ جھجکے دریائے پر خطر سے - گئے وہ تو آنکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا	

اگرچہ عشق کی نسبت ہم ابتدا میں کچھ تشریح کر چکے ہیں - مگر ضروری معلوم ہوتا ہے - کہ اس موقعہ پر بھی اجمالاً کچھ بیان کریں - کیونکہ خواجہ صاحب نے اس شعر میں ہر قسم کی کامیابی اور ہر مشکل کو حل کرنے کیلئے ایک بڑا اور سہل گر بتایا ہے - کسی نصب العین یا شے کی محبت جب تک خام ہوتی ہے - برائے نام ہوتی ہے - اور اس کا اثر محض زبان پر ہوتا ہے - مگر یہ اثر کچھ فائدہ نہیں کرتا - بلکہ ضرر رساں ہوتا ہے - اور اخلاقی گناہ ہے - جب یہ محبت عشق کے درجہ پر پہنچ جاوے - تو عاشق کے دل میں سوائے معشوق یا مطلوب کے باقی تمام اشیاء کی محبت نہیں رہتی اسلئے وہ حصول مطلب کیلئے

حسب ضرورت مال و اولاد اور جان کے قربان کرنے میں دریغ نہیں کرتا اور جب اتنا ایثار کیا جاوے۔ تو بلا شبہ مطلوب مل جاتا ہے۔ اسلئے خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ یا تو تو عشق کا نام نہ لے۔ یا جب عشق کی لاف مارتا ہے۔ تو سر دینا آسان سمجھ۔ کیونکہ خدا کے الطاف بیکراں ہیں جو کچھ تو نے دیا ہے۔ اس سے بدرجہا زیادہ وہ اور تجھے عنایت کریگا۔

(۷) ترجمہ۔ چیونٹی نے آصف پر اسلئے زبان درازی کی کہ خواجہ نے خاتم جم گم کردی اور پھر نہ ڈھونڈی۔

اس شعر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ آصف ان کے وزیر کا نام ہے۔ خواجہ سے مراد حضرت سلیمان ہے۔ ایک دفعہ خدا پر توکل نہ کرنے کی سزا میں حضرت سلیمان کی انگوٹھی جس کی برکت سے وہ بادشاہی کرتے تھے گم ہو گئی اور ایک دیو صخرہ نام کے ہاتھ آ گئی۔ چنانچہ وہ چالیس روز حضرت سلیمان کے تخت پر بیٹھا۔ بعدۂ وہ انگشتری ان کے قبضہ میں آ گئی۔

حضرت سلیمان کے وزیر پر چیونٹیاں بھی باوجود اپنی کم بضاعتی کے زبان درازی کرتی ہیں۔ کیونکہ حضرت سلیمان کے پاس وہ چیز جس کی برکت سے وہ سلطنت کرتے تھے نہ تھی اسی طرح جب کسی قوم یا افراد قوم سے نور ایمان جاتا رہتا ہے۔ تو وہ ذلیل ہو کر ہر کہ و مہ کے مورد لعن طعن ہو جاتے ہیں۔ اور غلامی کی زندگی گذارنے پر مجبور

(۸) ترجمہ۔ سچا بننے کی کوشش کر۔ تاکہ تیرے نفس سے آفتاب پیدا ہو۔ کیونکہ جھوٹ کی وجہ سے صبح کاذب سیہ رو ہوئی۔

صبح نخست۔ یعنی صبح کاذب یا صبح طمع نقاب۔ کاذب اس لئے کہتے ہیں۔ کہ فی الحقیقت یہ صبح نہیں ہوتی۔ تھوڑی دیر روشنی رہتی ہے۔ اور پھر تاریکی طاری ہو جاتی ہے۔ اس تاریکی کے بعد پھر صبح صادق کا ظہور ہوتا ہے۔ جسے صبح دوم۔ صبح ثانی آخرین۔ صبح راست یا صبح راست خانہ بھی کہتے ہیں۔ یہ طلوع آفتاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

شعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ تو راست بازی اختیار کر۔ کہ اس کا انجام اچھا ہوگا۔ جس طرح صبح صادق کا انجام طلوع آفتاب ہوتا ہے۔ اگر تو دروغ گوئی کریگا۔ تو اگرچہ عارضی طور

پھر تیرے جھوٹ کو فروغ ہوگا۔ مگر آخر کار روسیاہی ہوگی جس طرح صبح کاذب تھوڑی دیر کیلئے روشنی پیدا کرتی ہے۔ اور پھر اندھیرا چھا جاتا ہے۔

نفس ۔ بمعنی سانس یہ لفظ صبح کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے۔ رعایت ظاہر۔ یہ شعر اخلاق میں ہے۔

(۹) ترجمہ ۔ اے حافظ رنجیدہ نہ ہو۔ اور معشوقوں سے وفا نہ ڈھونڈ۔ اگر یہ گیاہ پیدا نہیں ہوا۔ تو باغ کا کیا قصور۔

کم ۔ اگرچہ محاورہ فارسی میں بمعنی اندک و قلیل آتا ہے۔ مگر اکثر بمعنی نفی مطلق استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ خدا نے معشوقوں کی سرشت میں وفا نہیں رکھی۔ پس اگر وہ وفا نہ کریں۔ تو ان کا کیا گناہ ہے۔ باغ حسن میں گیاہِ وفا پیدا ہی نہیں ہوتا۔

ریاض دہر میں ہیں گو ہر رنگ رنگ کے پھول	(اقبال)	وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی

دیوان حافظ کے مروجہ نسخوں میں بجائے گناہ باغ کے گیاہ باغ لکھا ہے ۔۔۔
گلبن معرفت نے اسی نسخہ کے مطابق مصرع ثانی کا یہ ترجمہ کیا ہے "باغ کی گھاس کیا چیز ہے۔ جب یہ گھاس اکھیڑی جائے" یہ ترجمہ میری فہم سے بالاتر ہے۔ اگر مروجہ نسخوں کو صحیح مانا جائے۔ تو یہ مطلب ہوگا۔ کہ معشوق سے وفا کی امید نہ رکھ اور ان کی بیوفائی پر رنجیدہ خاطر نہ ہو۔ کیونکہ باغ حسن میں جہاں ہر طرح کے خوش رنگ اور خوشبودار پھول موجود ہیں۔ وہاں گھاس کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اور بیوفائی کی گھاس اگر باغ حسن میں موجود نہ ہو۔ تو اس باغ کی گھاس کیا ہوگی۔ مگر پہلے مصرع میں لفظ وفا ہے۔ بیوفائی نہیں اور گیاہ کو بھی باغ حسن کا خار سمجھنا ناجائز ہے۔ کیونکہ وہ بھی باغ کیلئے ایک زینت ہے اسلئے یہ نسخہ اور یہ معنی اختیار نہیں کئے گئے۔

اگر اس شعر میں باغ سے مراد دنیا لی جاوے۔ اور دلبران سے دنیا کے جملہ سامان۔ جن میں قدرتاً دلکشی ہے۔ تو زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ دنیا و ما فیہا ناپائدار اور فانی ہیں۔ اور ان سے وفا کی امید رکھنا صریح غلطی ہے۔

غزل (۲۹)

خلوت گزیدہ را بتماشا چہ حاجت ست	۱	چون کوی دوست ہست بصحرا چہ حاجت ست
جانا بحاجتی کہ ترا ہست با خدا	۲	آخر دمی بپرس کہ ما را چہ حاجت ست
ای پادشاہ حسن خدا را بسوختیم	۳	باری سوال کن کہ گدا را چہ حاجت ست
ارباب حاجتیم و زبان سوال نیست	۴	در حضرت کریم تمنا چہ حاجت ست
جام جہان نماست ضمیر منیر دوست	۵	اظہار احتیاج خود آنجا چہ حاجت ست
آن شد کہ بار منت ملاح بردمی	۶	گوہر چو دست داد بدریا چہ حاجت ست
ای مدعی برو کہ مرا با تو کار نیست	۷	احباب حاضرند باعدا چہ حاجت ست
محتاج جنگ نیست گرت قصد خون ماست	۸	چون رخت از آن تست بیغما چہ حاجت ست
ای عاشق گدا چو لب روح بخش یار	۹	میداندت وظیفہ تقاضا چہ حاجت ست

(۱۰) حافظ تو ختم کن کہ ہنر خود عیان شود
با مدعی نزاع و محاکا چہ حاجت ست (۱۰)

(۱) **ترجمہ** - گوشہ نشین کو تماشا کی کیا ضرورت - جب دوست کا کوچہ موجود ہے - تو صحرا کی کیا حاجت ہے -

خلوت - عزلت - اکیلا رہنا - گوشہ نشینی اختیار کرنا - **تماشا** - عربی لفظ ہے - مصدر از باب تفاعل - دراصل تماشے تھا - ماخوذ از مشے - استعمال فارسی میں حسب معمول مصادر ہمچو قسم تماشا لکھتے ہیں - اصل میں اس کے معنی ایک دوسرے کے ساتھ مل کر پیادہ چلنے کے ہیں جس طرح دوست آشنا تفریح کیلئے پیادہ سیر کرتے ہیں - مجازاً بمعنی تفرج دیکھنا - نظارہ شوق سے دیکھنا -

مطلب یہ ہے کہ عزلت گزین آدمی کو آنکھ بند کر کے معشوق کے خیال میں مستغرق ہو جانا چاہیے۔ کوئے دوست کی موجودگی میں بیاباں نوردی کا کچھ فائدہ نہیں۔
کوئے دوست سے عاشق کا دل ہی مراد لے سکتے ہیں کیونکہ وہ معشوق کی منزل گاہ ہے کنج عزلت میں عاشق کو اپنے دل کے مطالعہ سے مشاہدہ محبوب حاصل ہو سکتا ہے۔
مرزا بیدل کہتے ہیں

ستم است گر ہوست کشد کہ بسیر سرو و سمن ورا
تو ز غنچہ کم ندمیدۂ در دل کشا بچمن ورا

(۲) ترجمہ۔ اے معشوق اس حاجت کیلئے جو تو خدا سے رکھتا ہے۔ آخر کبھی پوچھ کہ ہماری کیا حاجت ہے۔
یعنی تو ہماری حاجت برآری کر خدا تیری مراد لائیگا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتی ہیں

خواہی کہ خدائے بر تو بخشد ۔	با خلق خدائے کن نکوی ۔

اسی مضمون پر ہے۔

کار درویش مستمند برآر	(سعدی)	کہ ترانیز کارہا باشد

اسی مضمون پر رسول خدا صلعم فرماتے ہیں۔
(۱) لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس۔ خدا اس پر رحم نہیں کرتا۔ جو لوگوں پر رحم نہ کرے
(۲) من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ۔ یعنی جو آدمی بھائی کی حاجت روائی کرے۔ خدا اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔ (۳) الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ۔ خلقت خدا کی عیال ہے۔ پس خدا کے نزدیک محبوب تر خلقت میں سے وہ ہے۔ جو اس کے عیال پر مہربانی کرے۔
(۳) ترجمہ۔ اے حسن کے بادشاہ۔ خدا را ہم جل گئے کبھی تو پوچھ کہ سائل کی کیا حاجت ہے
خدا را۔ یعنی برائے خدا۔ خدا کیواسطے۔ دوسرے مصرع کے متعلق ہے۔
(۴) ترجمہ۔ ہم صاحب حاجت ہیں اور سوال کی زبان نہیں فیاض درگاہ خواہش کی کیا حاجت
تمنا۔ آرزو۔ در اصل تمنی ہے۔ فارسی استعمال میں تمنا لکھتے ہیں)۔

ہم محتاج ہیں - مگر سوال نہیں کرتے - کیونکہ سخی کے دربار میں مانگنے کی ضرورت ہی نہیں -

(۵) ترجمہ - دوست کا ضمیر روشن جام جہاں نما ہے - حاجت ظاہر کرنے کی وہاں کیا ضرورت -

جام جہاں نما - تحقیق کیلئے دیکھو شعر ۳ **ضمیر** - جو دل میں گذرے - دل کا حال بھید مجازاً دل - اسی مضمون پر مؤلف نے کہا ہے -

چو کارساز زحاجات آگہی دارد	برائے چیست فغاں و چہ سود حرف سوال

(۶) ترجمہ - وہ وقت گیا کہ میں ملاح کا زیر احسان ہوتا تھا - جب موتی ہاتھ آگیا تو دریا کی کیا حاجت ہے

ملاح - کشتی بان - ماخوذ از ملح بمعنی پر و بال مرغ -

گوہر کے دستیاب ہونے پر دریا میں غواصی کی ضرورت نہیں رہتی - اور نہ ملاح کے ممنون احسان ہونے کی حاجت رہتی ہے - اسی طرح گوہر مقصود کے ہاتھ آنے پر یعنی اطمینان قلب حاصل ہونے پر انسان اسباب سے آزاد ہو جاتا ہے - اور منزل مقصود پر پہنچکر سالک کو راہبر کی ضرورت ہی نہیں رہتی - اور جسکو خدا پر توکل ہو - وہ تو دریا میں بھی ناخدا کا احسان نہیں اٹھاتا -

احسان ناخدا کے اٹھائے مری بلا	کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں

(۷) ترجمہ - اے مدعی جا - میرا تجھ سے کچھ سروکار نہیں - دوست موجود ہیں - دشمنوں کی کیا حاجت ہے -

مدعی - دعویٰ کرنیوالا - مجازاً دشمن -

مطلب یہ ہے - کہ معشوق ہم پر مہربان ہے - رقیبوں سے کیا کھٹکا ہے خدا ہمارے ساتھ ہے - ہم کو کس کا ڈر ہے

(۸) ترجمہ - اگر تو ہمارے خون کا ارادہ کرتا ہے تو جنگ کی حاجت نہیں - سامان ہی تیرا ہے - تو لوٹنے کی کیا ضرورت ہے -

محتاج - بمعنی حاجت مند - یہاں بمعنی حاجت - یا اس طرح کہو - کہ تیرے ارادہ کی تکمیل محتاج جنگ نہیں ہے -

مطلب یہ کہ جان تیری ہی چیز ہے یعنی تیری چیز ہے - اس لئے اسکو بغیر جنگ اور لوٹ کی

تو لے سکتا ہے ۔ اب یہ کہ میرا دل تیری چیز ہے ۔ تو بے تقصیر لڑائی کرکے لے سکتا ہے ۔ مگر معشوق خواہ مخواہ لڑکر لیتے ہیں ۔ عرفی کہتا ہے ۔

بہ ملک عاشقی من رو نہادہ سلطانی		کہ با صلح درہم و بجنگ سپہ گیرد

(۹) ترجمہ ۔ اے گدا اگر عاشق جب معشوق کا رخ بخش اب تیرے وظیفہ سے آگاہ ہے تو مانگنے کی کیا ضرورت ہے ۔

گدا ۔ مانگنے والا از مصدر گدیہ بمعنی مانگنا ۔ مگر عام استعمال میں گدا کو مصدر کے معنی دے کر گدا اگر فاعلی معنوں میں استعمال کرتے ہیں ۔ جو غلط العام ہے ۔

وظیفہ ۔ جو چیز کسی آدمی کیلئے بطور امداد روزانہ مقرر کی جائے ۔ راتبہ ۔ روزینہ مطلب یہ ہے ۔ کہ معشوق جانتا ہے ۔ کہ عاشق کا وظیفہ لب جان پرور کا بوسہ ہے ۔ اور جب وہ جانتا ہے ۔ تو خود دیگا ۔ مانگنے کی کیا ضرورت ہے ۔

(۱۰) ترجمہ ۔ اے حافظ لبس کہ ہنر خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے ۔ مدعی کے ساتھ صلح و جنگ کی کیا ضرورت ہے ۔

محابا ۔ بضم میم ۔ دراصل محابات ہے ۔ فارسی استعمال میں ت حذف کر دیتے ہیں ۔ بمعنی مروت ۔ اعانت صلح ضد جنگ ۔ نزاع و محابا یعنی جنگ و صلح مراد صرف لڑائی جھگڑا ہے یہ شعر بھی خواجہ صاحب نے اپنے حاسدوں کے متعلق لکھا ہے ۔ فرماتے ہیں ۔ کہ دنیا خود فیصلہ کریگی ۔ تو حاسدوں سے کیوں لڑتا ہے ۔ ہنر پوشیدہ نہیں رہ سکتا ۔

غزل (۳۰)

خوشتر ز عیش و صحبت باغ و بہار چیست	۱	ساقی کجاست گو سبب انتظار چیست
معنی آب زندگی و روضہ ارم	۲	جز طرف جویبار و مے خوشگوار چیست
ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار	۳	کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست
پیوند عمر بستہ بموئیست ہوشدار	۴	غمخوار خویش باش غم روزگار چیست
راز درون پردہ ز رندان مست پرس	۵	اے مدعی نزاع تو با پردہ دار چیست

مستور و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند سہو و خطائی بندہ چو گیرند اعتبار	۶ ۷	ما دل بعشوہ کہ دہیم اختیار چیست معنی عفو و رحمت پروردگار چیست	

(۸) زاہد شراب کوثر و حافظ پیالہ خواست
تا در میانہ خواستۂ کردگار چیست (۸)

(۱) **ترجمہ** ۔ عیش صحبت ۔ باغ اور بہار سے اور کونسی چیز اچھی ہے ۔ ساقی کہاں ہے ۔ بتاؤ وجہ انتظار کیا ہے ۔

بادہ نوشی کیلئے سب سے اچھا موسم موسم بہار اور سب سے اچھی جگہ باغ ہے ۔ اور ساتھ مجمع بھی ہو ۔ اور دل میں ولولے بھی ۔ تو پھر ساقی کو ضرور بزم آرا ہونا چاہیئے ۔ کیونکہ ایسے بہتر وقت پھر ہاتھ نہیں آسکتا ۔

(۲) **ترجمہ** ۔ آبحیات اور باغ بہشت سے مراد اگر کنار آب و شراب خوشگوار نہیں تو اور کیا ہے ۔

ارم ۔ عاد کے شہر اور عاد کے باپ کا نام ہے ۔ بہشت شداد کا نام بھی ارم ہے آٹھویں بہشت کا نام غلطی سے مشہور ہے ۔ مجازاً بمعنی بہشت استعمال ہوتا ہے ۔ کہتے ہیں کہ ارم شداد حضر موت اور صنعان کے درمیان واقع اور بارہ فرسنگ مربع تھا ۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ آبحیات اور کچھ چیز نہیں ۔ شراب کو ہی آب حیات سمجھنا چاہیے ۔ اور باغ ارم بھی سوائے لب جو کے اور کچھ نہیں ۔ شراب عشق اور حیات جاوید کیلئے کچھ ضروری ہے

(۳) ترجمہ ۔ خوشی کا جو وقت ہاتھ آئے غنیمت جان کسی کو علم نہیں کہ انجام کار کیا ہے ۔

مغتنم ۔ بفتح نون ۔ جس چیز کو غنیمت سمجھا جائے ۔

اسی مضمون پر ہے ۔

اے دوست بیا تا غم فردا نخوریم	وین یکدم عیش را غنیمت شمریم

آزاد خیال انسان کو عیش لذت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ۔

گذشتہ خواب و آئندہ خیال است	غنیمت دان ہمیں دم را کہ حال است

(۴) ترجمہ ۔ عمر کا پیوند بال سے بندھا ہوا ہے ۔ ہوشیار رہ اپنی غمخواری کر زمانہ کا کیا غم ہے ۔

مطلب یہ ہے ۔ کہ رشتہ عمر بالکل کمزور ہے ۔ اور زیادہ غم کا بھی ساتھیں اپنا غم غلط کرنے کی فکر کر ۔ دنیا کے افکار کو نزدیک نہ آنے دے ۔

(۵) **ترجمہ** ۔ پردہ کے اندر کا راز مست رندوں سے پوچھ ۔ اے مدعی پردہ دار سے تیرا کیا جھگڑا ہے ۔

مطلب یہ ہے کہ زاہدان ظاہر پرست سلطان عشق کی حریم حرم کے صرف پردہ دار ہیں ۔ اندرون پردہ کا حال ان کو کچھ معلوم نہیں ۔ وہ راز صرف مستان عشق کے سینے میں ہے ۔ مدعی سے یہاں وہ شخص مراد ہے ۔ جو راز دار ہونے کا صرف دعویٰ کرتا ہے ۔ فی الحقیقت رموز عشق سے واقف نہیں ۔

قریباً اسی مضمون پر ہے شعر الف ۹ اور مصرع اول دونو شعروں میں ایک ہی ہے ۔ بعض نسخوں میں پہلا مصرع اس طرح ہے "راز درون پردہ چہ داند فلک خموش ۔ اور مروجہ نسخوں سے بہتر ہے معنی صاف ہیں ۔ فلک کو پردہ دار کہا ہے ۔

(۶) **ترجمہ** ۔ مستور و مست دونو جب ایک ہی قبیلہ میں ہیں ۔ تو ہم کس کے ناز پر دل دیں

مستور و مست ۔ ضد یکدیگر ہیں ۔ ہوشیار و مست یا زاہد و رند ۔

عشوہ ۔ بالکسر یعنی ناز و فریب معشوق کی کوئی حرکت جس سے عاشق کا دل فریفتہ ہو جائے انداز ۔ ادا ۔

مطلب یہ ہے ۔ کہ زاہد جو پابند شرع ہے اور مست جو ان قیود سے بالا ہے ۔ دونو ایک ہی مطلوب کے طلب گار ہیں ۔ اب ہمیں معلوم نہیں ۔ کہ ہم کس روش کو اختیار کریں ۔ اور نہ ہی ہمارا انتخاب ہمارے اختیار میں ہے ۔

جبر و اختیار کیلئے دیکھو شعر الف ۱۲ ۔ مستور و مست کی لفظی مشابہت ظاہر ۔

(۷) **ترجمہ** ۔ اگر انسان کی سہو و خطا پر ہی اعتبار ہے ۔ تو پروردگار کی عفو و رحمت کے کیا معنی ہیں ۔

سہو ۔ بفتح ۔ فراموشی ۔ بھول جانا ۔ غافل ہونا ۔

اگر انسان کے اعمال پر ہی صرف اعتبار ہے ۔ اور اس کے ثواب و عذاب کیلئے صرف یہی

معیار ہے۔ تو خدا کی مغفرت اور رحمت کس لئے ہے۔ اور اس کے غفور الرحیم ہونے کی کیا [illegible]

گر من نکنم گناہ رحمت چہ بود ‌ ‌ ‌ آرائشِ رحمت از گناہ کردہ ماست

اسی مضمون پر ہے۔ نظامی گنجوی کا یہ شعر۔

گناہ من ار نامدے در شمار ‌ ‌ ‌ ترا نام کے بودے آمرزگار

عمر خیام نے اسی خیال کو نہایت تیز اور شوخ تر الفاظ میں اس طرح ادا کیا ہے۔

ناکردہ گناہ در جہاں کیست بگو ‌ ‌ ‌ آنکس کہ گناہ نکرد چون زیست بگو
من بد کنم و تو بد مکافات دہی ‌ ‌ ‌ پس فرق میان من و تو چیست بگو

حدیث ہے۔ ان اللہ تجاوز عن امتی الخطاء والنسیان۔ یعنی اللہ تعالیٰ میری امت کے سہو و خطا سے درگذر کریگا۔

(۸) ترجمہ۔ زاہد نے شراب کوثر اور حافظ نے جام مے کی خواہش کی۔ دیکھئے کہ خدا کی رضا کیا ہے۔

کوثر بہشت کی ایک نہر کا نام ہے۔ جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ اس کا پانی ایک حوض میں بھرتا ہے۔ نبی آخرالزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ حوض قیامت کے روز عطا ہو گا۔ اور آپ اپنے دست مبارک سے آبخورے بھر بھر کر امت کو پانی پلائیں گے۔ پھر کسی کو پیاس نہ لگیگی۔ شراب کوثر سے مراد آب کوثر یا شراب طہور۔ خواستہ۔ رضا۔ مرضی۔ مصدر خواستن سے جس چیز کی خواہش کی جائے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ زاہد شراب کوثر کا طالب ہے۔ اور حافظ جام شراب کا۔ یعنی زاہد کے لئے غائیت الآمال شراب کوثر ہے۔ اور ہمیں اس پیالہ کی خواہش ہے۔ جس میں ہم عکس رخ یار دیکھیں (دیکھو شعر الف ۱) ہم اور کسی نعمت کے طالب نہیں ہیں۔ دیکھئے خدا کو کیا منظور ہے۔ اور کون فائدے میں رہتا ہے۔

غزل (۱۳۱)

ماهم این هفته شد از شهر و بچشمم سالیست	۱	حال هجران تو چه دانی که چه مشکل حالیست
مردم دیده ز لطف رخ او در رخ او	۲	عکس خود دید گمان کرد که مشکین خالیست
ایکه انگشت نمائی بکرم در همه شهر	۳	وه که در کار غریبان عجبت اهمالیست
میچکد شیر هنوز از لب همچون شکرش	۴	گرچه در عشوه گری هر مژه اش قتالیست
بعد ازینم نبود شائبه در جوهر فرد	۵	که دهان تو درین نکته خوش استدلالیست
مژده دادند که بر ما گذری خواهی کرد	۶	نیت خیر مگردان که مبارک فالیست

(۷)	کوه اندوه فراقت بچه حیلت بکشد حافظ خسته که از ناله تنش چون نالیست	(۷)

(۱) ترجمہ – میرے محبوب اس مہینے شہر سے گیا اور مجھے ایک سال گزر گیا ہے۔ تو فراق کی حالت کو نہیں جانتا۔ کہ کیسی مشکل ہے –

ماہ – یعنی چاند و مہینہ مجازاً معشوق – لفظ شہر بھی عربی میں بمعنی ماہ ہے – ماہ ہفتہ سال میں صنعت ایہام مرشح ہے –

قاعدہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی تکلیف یا مصیبت میں ہوتا ہے – تو اس کی ایک ایک گھڑی ایک ایک سال کے برابر ہوتی ہے – اور عاشق کے لئے ہجر کی راتیں تو قیامت کے دن سے بھی بڑی ہوتی ہیں – ع

میرگز رد بروز یک روز سالے کن حساب ہیں خواہد گذشت سالم

(۲) ترجمہ – آنکھ کی پتلی نے معشوق کے چہرہ کی لطافت سے اس کے چہرہ پر اپنا عکس دیکھا – اور گمان کیا کہ یہ سیاہ تل ہے –

لطف - نرمی - تازگی - پاکیزگی - صفائی - شفاف ہونا -

معشوق کے چہرہ کو اسقدر صاف اور شفاف کہا ہے - کہ اس کو دیکھنے والے کی آنکھ کی پتلی کا عکس اس کے چہرہ پر پڑ گیا - اور دیکھنے والے نے سمجھا کہ تل ہے - (مبالغہ ہے)
خال اور مردم دیدہ رنگ اور شکل میں مشابہ ہیں - اگر عالم کثرت کو ایک آئینہ فرض کر لیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے - کہ انسان کو جو کچھ نظر آ رہا ہے اسکے اپنے خیالات کا ہی عکس ہے اور بارکلے کی فلاسوفی میں تو مادہ کے وجود سے قطعی انکار کیا گیا ہے - اور کہا گیا ہے - کہ انسان کو جو کچھ نظر آتا ہے جس شئے کو وہ کسی حس سے محسوس کرتا ہے - وہ تمام اس کے اپنے دماغ کے تصورات کا مجموعہ ہے - اسی طرح انسانی دماغ اور روح بھی روح مطلق یعنی وجود باری تعالیٰ کا ایک عکس ہے - گویا تمام کائنات روح مطلق کے تصورات کا مجموعہ ہے -
قریباً وہی اصول ہے جو ہمہ اوست کا ہے -

(۳) **ترجمہ** - اے کہ تو سارے شہر میں مہربانی کیلئے مشہور ہے - حیران ہوں - کہ مسکینوں کے کام میں تجھے عجب تاخیر ہے -

انگشت نما - اگرچہ یہ لفظ عام طور سے برے معنوں میں استعمال ہوتا ہے - اور لفظ بدنام کا ہم معنی سمجھا جاتا ہے - مگر حقیقت میں یہ لفظ ہر جگہ استعمال ہو سکتا ہے - کسی صفت کیلئے خواہ وہ اچھی ہو یا بری - جب ایک آدمی مشہور ہو جائے یعنی لوگ انگلی اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کریں کہ وہ ہے تو اس کیلئے لفظ انگشت نما استعمال ہو سکتا ہے - وہ کلمہ تعجب تحسین و افسوس - **اہمال** - یہ لفظ اہمال کا قلب ہے - بمعنے ڈھیلا تاخیر کرنا - اگر مادہ ہل سے سمجھا جائے - تو معنی درنگ دیر -

مطلب یہ ہے - کہ جب تیرا کرم اتنا عام ہے - تو ہم مسکینوں کے حصول مقصد میں کیوں دیر ہے -

(۴) **ترجمہ** - اس کی شکر جیسی (شیریں) لبوں سے اب تک درد ٹپکتا ہے -
گرچہ اسکی ہر ایک پلک ناز و انداز میں قاتل ہے -
قتال - بہت قتل کرنیوالا - اسم تفضیل قاتل -

مطلب یہ ہے - میرا معشوق باوجود کم سن ہونے کے اتنا قاتل ہے - شمشیر دشمن کیا اُٹھائیگا

یا یہ سمجھو کہ اگرچہ اس کے ناز و انداز قاتل ہیں۔ مگر اس کی لب شیریں عاشقوں کے نزدیک شیر و شکر سے زیادہ مرغوب ہے۔

(۵) ترجمہ۔ اس کے بعد مجھے جوہر فرد کے متعلق کوئی شک باقی نہ رہا۔ کیونکہ تیرا دہن اس نکتہ کی زبردست دلیل ہے۔

شائبہ۔ آمیزش۔ آلودگی۔ مجازاً بمعنی شک۔ **جوہر فرد**۔ جزو لا تجزی جو متکلمین کے نزدیک کسی طرح بھی قابل تقسیم نہیں ہے۔ نہائیت ہی چھوٹا ذرہ جس کے حصے نہ ہو سکتے ہوں۔ مگر حکما کے نزدیک کوئی ایسی چیز ہی نہیں ہو سکتی۔ جس کے حصے نہ ہو سکیں۔ کیونکہ اگر اس کا کوئی وجود ہے۔ تو ضرور اس کے حصے بھی ہو سکیں گے۔ یہ علیحدہ امر ہے۔ کہ ہم اس کے حصے نہ کر سکیں۔ لہذا ایک ایسی چیز جس کے حصے نہ ہو سکیں۔ وہ صرف موہوم ہوگی موجود نہ ہوگی۔ علم ہندسہ میں نقطہ ایک ایسی چیز ہے۔ جس کا عرض و طول نہیں ہوتا۔ اور نہ اسکی تقسیم ممکن ہے نقطہ موہوم بھی کہتے ہیں۔ یعنی جس کے وجود کو صرف وہم تصور میں لا سکے۔ بظاہر محسوس نہ ہو۔ جوہر فرد کو عموماً جزو لا تجزی اور نقطہ موہوم بھی کہتے ہیں شعرا معشوق کے دہن کو [illegible] موہوم اور جوہر فرد سے تشبیہ دیتے ہیں۔

نکتہ۔ پاکیزہ اور پوشیدہ بات جس کو ہر ایک آدمی نہ سمجھ سکے۔ نقطہ کی بجائے بھی لکھتے ہیں۔ لہذا نکتہ اور جوہر فرد کی رعائیت ظاہر۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں۔ کہ پہلے تو شائبہ مجھے جوہر فرد کے وجود کی نسبت کوئی شک ہو۔ چنانچہ حکماء کو بھی اس کے وجود سے انکار [illegible]۔ مگر اب مجھے یقین ہو گیا ہے۔ کہ جوہر فرد کا وجود ہے کیونکہ معشوق کا دہن اس نکتہ کی بہت زبردست دلیل ہے یعنی معشوق کا دہن خود ایک جوہر فرد ہے۔ اسکی موجودگی میں جوہر فرد کے وجود سے انکار نہیں ہو سکتا نیز دیکھو شعر ۵ الف

(۶) ترجمہ۔ لوگوں نے یہ مژدہ دیا ہے۔ کہ تو اد ہر تشریف فرما ہوگا۔ اس نیک نیت کو تو بدل کہ یہ اچھا فال ہے۔

یعنی تو ضرور آ کہ یہ خوشخبری بے بنیاد ثابت نہ ہو۔

(۷) ترجمہ۔ حاتم [illegible] جیسا جس کا جسم رو رو کر نال کی مانند ہو گیا ہے۔ تیرے ہجر کے غم کے

پہاڑ کو کس طرح اٹھائے۔

نال ۔ قلم تراشتے وقت جو رشتہ قلم کے اندر سے نکلتا ہے نیز شکر نے جو اندر سے خلا ہو

اس شعر کا ترجمہ کرتے وقت دوسرے مصرع کا ترجمہ پہلے کیا گیا ہے ۔ اور پہلے مصرع

کا ترجمہ پیچھے ۔ نالہ اور نال کی صنعت ظاہر ۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ میں تیرے فراق میں اب اسقدر کمزور ہو گیا ہوں کہ اب غم

فراق کی برداشت نہیں رہی ۔ کیونکہ کوہ و کاہ کا کیا مقابلہ ہے ۔

غزل (۳۲)

صحن بستان ذوق بخش و صحبت یاران خوش است	۱	وقت گل خوش باد کز وی وقت میخواران خوش است
از صبا ہر دم مشام جان ما خوش مے شود	۲	آرے آرے طیب انفاس ہواداران خوش است
ناگشودہ گل نقاب آہنگ رحلت ساز کرد	۳	نالہ کن بلبل کہ گلبانگ دل افگاران خوش است
مرغ شبخوان را بشارت باد کاندر راہ عشق	۴	دوست را با نالۂ شبہائے بیداران خوش است
گرچہ در بازار دہر از خوشدلی نام و نشان نیست	۵	شیوۂ رندی و خوش باشی عیاران خوش است
از زبان سوسن آزادہ ام آمد بگوش	۶	کاندرین دیر کہن کار سبکباران خوش است

(۷)	حافظا ترک جہاں گفتن طریق خوشدلیست تا نہ پنداری کہ احوال جہانداران خوش است	(۷)

(۱) **ترجمہ** ۔ باغ کا صحن نشاط بخش ہے ۔ اور مجلس احباب دل خوش کن ہے موسم بہار

خوش رہے ۔ کہ اس نے میخواروں کے وقت کو خوش کر دیا ۔

خواجہ صاحب باغ مجلس احباب اور موسم بہار کے بہت دلدادہ ہیں ۔ اکثر اسکا

ذکر کرتے ہیں چنانچہ دیکھو شعر (ت ۱۳) شعر (ت ۱۲) غزل اول ردیف ب اور سعر (ی ۱۱) وغیرہ ۔

(۲) **ترجمہ** ۔ باد صبا سے ہمارے مشام جان کو خوشی ہوتی ہے ۔ ہاں ہاں چاہنے والوں کے انفاس کی خوشبو

اچھی ہوتی ہے۔
طیب بمعنی خوشبو۔ **ہواداراں** معشوق کی آرزو اور اشتیاق رکھنے والے
مشام۔ دماغ کا وہ حصہ جو بو کو محسوس کرتا ہے۔ **انفاس**۔ جمع نفس بمعنی سانس دم۔
بادصبا ہمارے معشوق کی ہوادار یعنی اس کی مشتاق ہو۔ اس لئے وہ نہائت خوشبودار ہے۔ اور
جب بادصبا معشوق کی زلف عنبریں کی خوشبو ہمارے پاس لاتی ہے۔ تو ہمارے دماغ بھی مہک
جاتے ہیں۔ صبا اور ہوادار کی لطافت ظاہر۔
مطلب یہ ہے۔ کہ عاشقان حق کی ملاقات سے آدمی کی روح اور جان کو خوشی حاصل
ہوتی ہے۔ اور دیار معشوق سے جو چیز عاشق کے پاس آئے اس کے دیکھنے سے عاشق
کو راحت ہوتی ہے۔
(۳) **ترجمہ**۔ پھول نے نقاب کھولنے سے پہلے ہی کوچ کا ارادہ کر لیا۔ اے بلبل رو
کہ خستہ دلوں کی آواز اچھی ہوتی ہے۔
پھول کی بہار چند روزہ ہوتی ہے کھلا اور گیا۔ گویا شگفتہ ہونے سے پہلے ہی پژمردہ ہونے
کا ارادہ کر لیتا ہے۔ اسی مضمون کے لئے۔ دیکھو شعر ت ۱/۲۔
(۴) **ترجمہ**۔ مرغ شبخوان کو مژدہ ہو کہ راہ عشق میں معشوق کو وہ بیدار دوں کے
راتوں کے نالے اچھا معلوم ہوتا ہے۔
مرغ شبخواں۔ کوئی پرندہ جو رات کو بولے۔
مطلب یہ ہے کہ شب بیدار لوگوں کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں اور انکی فریاد با اثر
ہر شب بیدار عاشق کو مژدہ ہو۔ کہ اس کے نالہ شبگیر با اثر ہیں اور معشوق انکو پسند کرتا ہے۔
(۵) **ترجمہ**۔ اگرچہ بازار دنیا میں خوشدلی کا حرف نام ہی نام ہے۔ تاہم عیاروں
کی خوش باشی اور طریق رندی اچھا ہے۔
عیار۔ بہت آمد و رفت کرنے والا آدمی۔ بہت حرکت کرنیوالا۔ ماخوذ از عیر یعنی گھوڑے
کا دوڑتے وقت اِدھر اُدھر جانا۔ اور ہر طرف بھاگنا۔ مجازاً بمعنی چالاک۔ رند مشرب
مطلب یہ ہے۔ کہ اگرچہ دنیا میں خوشی بالکل نہیں ہے۔ اور انسان کا خوش رہنا ناممکن ہے۔

الدنیا ساعۃ فلیس فیہا راحۃ۔ تاہم کسی نہ کسی طریقہ سے وقت کو خوش گذار کی کوشش کرنی چاہیئے۔ خوش طبیعت آدمی ہر جگہ خوش رہ سکتا ہے۔ اور حوادثات سے مغلوب نہیں ہوتا

خوش باش زہر چہ پیش آید ز جہاں	(نظام)	ہر گز نہ شود چنانکہ دل خواہ کسے ست

(۶) ترجمہ - سوسن کی زبان سے میرے کان میں آواز آئی - کہ اس دہر کہن سال میں سبکباروں کا کام اچھا چلتا ہے -

سوسن - آسمانی رنگ کا ایک مختصر پھول - **سبکبار** یعنی فارغ البال -

مطلب یہ ہے - کہ گل سوسن کو دیکھکر مجھے یقین ہوگیا - کہ دنیا سے آدمی جس قدر اپنے تعلقات ضروریات اور لوازمات کو مختصر رکھے - اتنا ہی خوش رہتا ہے - منزل دہر میں مسافر کے پاس اسباب جتنا کم ہو - اتنا ہی آسودہ رہے گا -

حق این ست و صاحبدلاں بشنوند	(سعدی)	سبکبار مردم سبکتر روند

ع - ہر چہ ضروریست بدان تنگل گیر

نہ باشترے سوارم نہ چو شتر زیر بارم غم موجود و پریشانی معدوم ندارم		نہ خداوند رعیت نہ غلام شہر یارم نفسے میزنم آسودہ و عمرے بسر آرم

(۷) ترجمہ - اے حافظ جہاں کو ترک کرنا خوشحالی کا طریقہ ہے - ہرگز یہ نہ سمجھنا - کہ جہاندار خوش رہتے ہیں -

ترک جہاں سے مراد مختصر گیری ہے - اور قریباً وہی مضمون ہے - جو پچھلے شعر میں ہے -

غزل (۳۳)

درد یر مغاں آمد یارم قدحے در دست	۱	مست از مے و میخواراں از نرگس مستش مست
از لعل سمند او شکل مہ نو پیدا	۲	وز قد بلند او بالائے صنوبر پست
آخر ز چہ گویم ہست از خود خبرم چوں نیست	۳	از بہر چہ گویم نیست با او نظرم چوں ہست

چون شمع وجود من تب تا سحر خود را	۴	لیس ... [illegible] ... بار زیر پا شکست	
شمع دل دمسازان بنشست چو او برخاست	۵	افغان نظربازان برخاست چو او بنشست	
گر غالیه خوشبو شد در گیسوی او پیچید	۶	ور وسمه کمانکش شد با ابروی او پیوست	

(۷)	باز آی که باز آید عمر شده حافظ هر چند که ناید باز تیری که بشد از شست	(۷)

(۱) ترجمہ - میرا معشوق دیر مغاں میں پیالہ لیکر آیا شراب سے مست تھا - اور شراب خوار اس کی مست آنکھوں سے مست تھے -

مطلب یہ ہے - کہ معشوق مطلق نے مے عشق سے سرشار ہوکر کائنات میں جلوہ نمائی کی - اور اپنے عشق کی مستی سے تمام دنیا کو مست کر دیا - مضمون "کنت کنزاً مخفیاً" کی طرف اشارہ ہے - دیکھو شعر (الف ۱)

(۲) ترجمہ - اس کے گھوڑے کے نعل سے ہلال کی شکل پیدا ہوئی - اور اس کے بلند قد سے صنوبر کا قد پست ہوا -

یہ شعر پچھلے شعر کے ساتھ قطعہ بند ہے - ہلال اور نعل سمند کی ظاہری مشابہت ظاہر - معشوق کے قد اور صنوبر یا سرو کی تشبیہ مشہور -

مطلب یہ ہے - کہ اس کے گھوڑے کا نعل ہلال کی برابر ہے - اور اس کے قد کے مقابلے میں صنوبر کا قد بھی پست نظر آتا ہے - جیسا کہ پہلے کئی بار لکھا جا چکا ہے - صوفیائے کرام کے نزدیک تمام دنیا و ما فیہا نور مطلق کا عکس ہے - بذاتہ موجود نہیں اسلئے کہا جاتا ہے - کہ ماہ و خورشید و انجم وغیرہ سب اسکی تجلیات کا عکس ہے - مقابلہ بالائے معشوق اور قد سرو و صنوبر کیلئے دیکھو شعر (الف ۱۲) اسی مقابلہ میں مرزا بیدل نے کہا ہے

اگر بگلشن زناز گردد قد بلند تو جلوہ فرما ز بیکر سرو موج خجلت شود نمایاں چو مے ز مینا	

اور اسی مضمون پر ہے - یہ شعر بھی -

کیا پائی پائی ترے قد نے ایسا　|　کہ سر و لب آب جو آب جو ہے

(۳) ترجمہ - آخر کس طرح کہوں کہ تو ہے "جب مجھے اپنی ہی خبر نہیں اور کس لئے کہوں کہ "نہیں" جب میری نظر اس پر ہے -

مطلب یہ ہے - کہ جب مجھے اپنی ہی خبر نہیں کہ کیا ہوں - اور ہوں یا نہیں ہوں تو میں کس طرح کہہ سکتا ہوں کہ دنیا موجود ہے -

اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے　|　غالب　|　جتنا کہ وہم غیر سے ہوں اضطراب میں

مگر یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ معدوم ہے - کیونکہ میری نظر معشوق مطلق پر ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے - کہ خالق و مخلوق دونوں ہیں - کیونکہ ان کے درمیان رابطہ معشوق و عاشق موجود ہے - واجب الوجود صرف ذات الٰہی ہے - کائنات صرف ممکن الوجود ہے - مگر موجود ہے معدوم یا محال نہیں - ہست و نیست کا مقابلہ لطیف ہے -

(۴) ترجمہ - شمع کی طرح میرے وجود نے شام سے صبح تک اپنے آپ کو پروانہ کی مانند جلایا - اور صبح تک گل نہ ہوا -

مطلب یہ ہے کہ میرا وجود پروانے کی طرح آتش عشق سے تمام عمر جلتا رہا - اور شمع کی طرح صبح یعنی صبح قیامت تک گل نہ ہوا - شمع تمام رات جلتی رہتی ہے - عاشق بھی تمام رات یا تمام عمر آتش عشق میں جلتا ہے -

زبانہ نشست کی تشبیہ شمع سے اور میسوخت کی تشبیہ پروانہ سے متعلق ہے - یعنی چوں شمع زبانہ نشست و چوں پروانہ میسوخت -

(۵) ترجمہ - عاشقوں کے دل کی شمع گل ہوگئی - جب وہ اٹھ کھڑا ہوا - اور نظر بازوں نے فریاد کی - جب وہ بیٹھ گیا -

مطلب یہ ہے - کہ معشوق کے جدا ہونے پر عاشقوں کے دل بےقرار ہو جاتے ہیں اور اس کے وصال میں بھی ان کو ایک گونہ بے چینی ہوتی ہے -

غرض دو گونہ عذاب است جان مجنوں را　|　بلائے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ

اسی مضمون پر ہے -

مستِ شمع جانگدازم تو صبحِ دلکشائی	سوزم گریستم میرم چو رخ نمائی
نزدیکت این چنینم دوران چناں کہ گفتم	بے تاب وصل از من ای طاقتِ جدائی

نیز دیکھو شعر (ت ۸ / ۱۷۱) نشست و برخاست کا مقابلہ خالی از لطف نہیں ۔

(۶) ترجمہ ۔ اگر غالیہ خوشبودار ہوا ہے ۔ تو اس کے گیسو میں لگا اور اگر وسمہ کمان کش ہوا ہے ۔ تو اس کے ابرو سے پیوستہ ہُوا ۔

غالیہ مشہور خوشبو ہے مشک عنبر ۔ کافور وغیرہ سے مرکب ہوتی ہے ۔ یہ لفظ فارسی میں مطلق بمعنی خوشبو بھی استعمال ہوتا ہے ۔ وسمہ نیل کے درخت کے پتے جو بالوں کو سیاہ کرنے کیلئے لگائے جاتے ہیں یہ پتے کمان کی طرح لمبوتری اور خمدار ہوتی ہیں مطلب یہ ہے ۔ کہ غالیہ اگر خوشبودار ہوا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ معشوق کے گیسوؤں میں لگا ہے ۔ گویا معشوق کے گیسو غالیہ سے خوشبودار نہیں ہوتے ۔ بلکہ غالیہ گیسوئے معنبر سے لگ کر خوشبودار ہوگیا ۔ اور وسمہ کمان کش اسلئے ہے ۔ کہ معشوق کے کمانِ ابرو پر لگا ہے ۔ وسمہ ابرو کو سیاہ کرنے کیلئے لگایا جاتا ہے ۔

تاب بر زلف و وسمہ بر ابرو	الاعطار	سرمہ در چشم و غازہ بر رخسار

(۷) ترجمہ ۔ واپس آ کہ حافظ کی گئی ہوئی عمر واپس آئے ۔ ہر چند کہ جو تیر کمان سے نکل جائے واپس نہیں آتا ۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں ۔ کہ ہر چند یہ قاعدہ ہے ۔ کہ جب تیر کمان سے ایک دفعہ نکل جائے تو پھر واپس نہیں آتا ۔ اور وقت بھی جب ہاتھ سے چلا جائے تو پھر نہیں ملتا ۔ مثل ہے ۔ تیر از کمان جستہ و وقت از دست رفتہ باز نے آید ۔ مگر مجھے یقین ہے کہ تیرے آنے پر میری گذری ہوئی عمر یا زمانہ شباب واپس آجائیگا ۔

غزل (۳۴)

گل در بر و مے در کف و معشوق بکام است	۱	سلطان جہانم بچنیں روز غلام است
گو شمع میارید دریں بزم کہ امشب	۲	در مجلس ما ماہ رخ دوست تمام است
در مذہب ما بادہ حلال است ولیکن	۳	بے روئے تو اے سرو گل اندام حرام است
گوشم ہمہ بر قول نے و نغمہ چنگ است	۴	چشمم ہمہ بر لعل لب و گردش جام است
در مجلس ما عطر میامیز کہ جاں را	۵	ہر لحظہ ز گیسوی تو خوشبوی مشام است
از چاشنی قند مگو ہیچ و ز شکر	۶	زاں رو کہ مرا از لب شیرین تو کام است
تا گنج غمت در دل ویرانہ مقیم ست	۷	پیوستہ مرا کنج خرابات مقام است
از ننگ چہ گوئی کہ مرا نام ز ننگ ست	۸	وز نام چہ پرسی کہ مرا ننگ ز نام است
میخوارہ و سرگشتہ و رندیم و نظرباز	۹	واں کس کہ چو ما نیست دریں شہر کدام است
با محتسبم عیب مگوئید کہ او نیز	۱۰	پیوستہ چو ما در طلب عیش مدام است
(۱۱) حافظ منشیں بے می و معشوق زمانے		کایام گل و یاسمن و عید صیام است (۱۲)

(۱) ترجمہ - پہلو (بغل) میں (جام) شراب ہتھیلی پر اور معشوق موافق ہے آج جہاں کا بادشاہ میرا غلام ہے
مطلب یہ ہے - کہ موسم بہار ہے - جام مے ہاتھ میں ہے اور معشوق مہربان ہے آج ہمارے
جہاں کا بادشاہ بھی اتنا خوش قسمت نہیں جتنا میں - دیکھو شعر (۳۰/۱)

(۲) ترجمہ - کہو کہ اس محفل میں شمع نہ لائیں کیونکہ آج رات - ہماری مجلس میں معشوق کے چہرہ کا
کامل چاند موجود ہے - (یا چہرہ کا چاند کافی ہے)

ماہ تمام - چودھویں رات کا چاند معشوق کے چہرہ کو ماہ کامل سے تشبیہ دی ہے - چاند کی

موجودگی میں شمع کی ضرورت نہیں ہوتی ـ

(۳) ترجمہ ـ ہمارے مذہب میں شراب حلال ہو لیکن ای سرو گل اندام تیرے رخسار کے بغیر حرام ہے

مطلب یہ ہے ـ کہ شراب [illegible] ہمارے مذہب میں حلال ہی ـ کہ تیری موجودگی میں پی جائے یعنی تیرا مشاہدہ ضروری ہے عاشقان [illegible] شراب کو خبر ہی کچھ حقیقت نہیں رکھتی اگر ان کو مشاہدہ ذات باریتعالی ہی اس کے ساتھ نصیب نہ ہو ـ

[illegible]	(۴)	[illegible]

[illegible] ـ [illegible]

او حقیقت جام سے لا حاصل ہے ـ دیکھو شعر الف ۱۲ ـ

[illegible]	شعر	تن آسا نیم همه تن زان خرام [illegible]

(۴) ترجمہ ـ میرے کان [illegible] آواز [illegible] ہمہ تن مصروف ہیں اور میری آنکھیں لب لعل اور گردش جام پر لگی ہیں ـ

ہمہ ـ یعنی ہمہ تن مصروف ـ

(۵) ترجمہ ـ ہماری مجلس میں عطر نہ لاکہ (ہماری) جان کیلئے ہر لحظہ تیرے گیسوؤں سے دماغ کو خوشبو پہنچتی ہے

مطلب یہ ہے ـ کہ عاشقوں کو سوائے وصال معشوق کے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں دیکھو شعر (۲) غزل ۱۰ ـ

(۶) ترجمہ ـ قند کی شیرینی اور شکر کا بالکل ذکر نہ کر ـ کیونکہ میرا مقصود تیرے لب شیریں ہیں معشوق کے لبوں کو شہد ـ شکر ـ نبات ـ قند ـ طبرزد عموما تشبیہ دیجاتی ہی اور مقابلۃ لبوں کو شیریں کہا جاتا ہے ـ ع میر طعم طبرزد لذیذ و لے لب یار شیرینی دگر دارد ـ

(۷) ترجمہ ـ جب سے تیرے غم کا خزانہ میرے ویران دل میں مقیم ہی میرا مقام ہمیشہ کنج خرابات میں رہتا ہے

مطلب یہ ہی کہ جب سے تیرا عشق میرے دل میں پیدا ہوا ہے ـ میں نے کنج خرابات کو اختیار کیا ہے

گنج الخزانہ یا خرابات کی نسبت ظاہر ـ خزانہ عموما ویران جگہوں میں مدفون ہوتا ہے ـ گنج غم و کنج خرابات اور مقیم و مقام کی صنعت ہے ـ عاشق ہو کر خرابات میں ہونا ضروری ـ

خرابات از جہان بے مثالی است	مقام عاشقان لاابالی است
خرابات آشیان مرغ جان است	خرابات آستان لامکان است
شراب بیخودی در سر گرفتہ	بترک جملہ خیر و شر گرفتہ

(۸) ترجمہ - بدنامی کا کیا پوچھتا ہے کہ میرا نام بدنامی سے ہے اور نیکنامی کا کیا پوچھتا ہے کہ مجھ کو نیکنامی سے عار ہے۔

ننگ - بمعنی شرم - عیب - عار - ضد نیکنامی - مگر ننگ و نام بمعنی نیکنامی استعمال ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے - کہ ہمارے نزدیک نیکنامی اور بدنامی کچھ چیز نہیں اور نیکنامی سے ہم بدنامی کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔

نیک باشی و بدت گوید خلق	(الحوالہ) [illegible]	بہ کہ بد باشی و نیکت گویند -

دیکھو شعر ۱۲

شرابے خوردہ ہر یک بے لب و کام	فراغت یافتہ از ننگ و ز نام

نام ننگ اور ننگ ز نام میں صنعت عکس ہے۔

(۹) ترجمہ - ہم شراب خوار آشفتہ سر رند اور نظرباز ہیں لیکن اس شہر میں کون ہے جو ہم جیسا نہیں۔

دوسرے مصرعہ میں استفہام انکاری ہے - یعنی تمام لوگ ہماری طرح شراب خوار اور رند ہیں - البتہ اتنا فرق ہے - کہ ہم ظاہر و باطن ایک جیسے ہیں اور دوسرے لوگ ریاکار ہیں۔ اسی مضمون کو خواجہ صاحب نے شعر (۲/۹۷) میں نہایت اعلیٰ پیرایہ اور شوخ طریق سے ادا کیا ہے

من اگرچہ عاشقم و رند و مست و نامہ سیاہ	ہزار شکر کہ یاران شہر بے گنہ اند

(۱۰) ترجمہ - محتسب سے میرے عیبوں کا ذکر نہ کرو کہ وہ بھی ہمیشہ ہماری طرح عیش مدام کی طلب میں ہے۔

مطلب یہ ہے - کہ محتسب خود ہماری طرح عیش مدام کا طالب ہے - اس کے سامنے ہمارے عیب بیان کرنے سے کیا فائدہ ہے - ہم مئے محبت سے مست ہیں - اور وہ دنیاوی جاہ و مال کی وجہ سے بے یاد مست ہے - یا بظاہر مے سے پرہیز کرتا ہے - اور خلوت

میں بادہ خواری کرتا ہے

خواجہ صاحب کے اسی خیال سے ڈاکٹر اقبال ناراض ہو کر خواجہ صاحب کے حق میں فرماتے ہیں۔

محتسب ممنون پیرِ مے فروش ہیں			معنی اے [illegible] ہم اور مینا بدوش ہیں

مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ آج خواجہ صاحب پانچ چھ سو سال بعد بھی [illegible]
مینا بدوش اور محتسب ممنون پیرِ مے فروش ہے۔

ایک شارح صاحب نے اس شعر کا اس طرح ترجمہ کیا ہے۔ "میرے محتسب کو عیب نہ لگاؤ۔ کہ وہ خود بھی ہماری طرح ہمیشہ عیش کی طلب میں ہے" اور محتسب سے مراد مرشد لی ہے۔

(۱۱) ترجمہ۔ اے حافظ ایک گھڑی بھی مے اور معشوق کے بغیر نہ بیٹھ کیونکہ گل و یاسمن کے دن ہیں۔ اور عید صیام ہے

یعنی موسم بہار ہے۔ اور ابھی ماہ رمضان گذرا ہے۔ رمضان میں تو بادہ خواری نہ کر سکا اب تو وقت ہے۔ دیکھو شعرات [illegible] (ت ۲۴)

غزل (۳۵)

اگر بہ لطف بخوانی مزید الطاف ست	۱	وگر بہ قہر برانی درون ما صاف ست
بیان وصف تو گفتن نہ حد امکان ست	۲	چرا کہ وصف تو بیرون ز حد اوصاف ست
چو سرو سرکشی اے یار سنگدل از ما	۳	چہ چشمہاست کہ بر روی ما ز اطراف ست
ز چشم عشق تو اے بدیع شاہد ما	۴	کہ نور چہرہ خوبان ز قاف تا قاف ست
ز مصحف رخ دلدار آیتے برخوان	۵	کہ آن بیان مقامات کشف و کشاف ست

(۶)	عدو کہ منطق حافظ طمع کند در شعر ہمان حدیث ہمائی و طریق خطاف ست	(۶)

(۱) ترجمہ - اگر تو لطف سے بلائے تو تیری عنایت ہے اور اگر قہر سے ہٹائے - تو ہمارا دل تیرا شیدا ہے۔
مطلب یہ ہے کہ ہم ہر حالت میں راضی بہ رضا ہیں اور سر تسلیم خم ہے - کوئی شکایت نہیں -

اگر بخشے زہے رحمت نہ بخشے تو شکایت کیا	سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے قریباً اسی مضمون پر کہا ہے -

ہر چہ رود بر سرم چوں تو پسندی رواست
بندہ چہ دعوی کند حکم خداوند راست

گر بہ لطفم بخوانی ور بہ قہرم برانی
بندہ ام گر بلطف مے خوانی
جا کرم گر بقہر مے رانی

(۲) ترجمہ - تیری تعریف بیان کرنا حد امکان سے باہر ہے - کیونکہ تیری تعریف حد اوصاف سے باہر ہے -
شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں -

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

جہاں متفق بر الٰہیتش
فرو ماندہ در کنہ ماہیتش
بشر ماورائے جلالش نیافت
بصر منتہائے جمالش نیافت
نہ بر اوج ذاتش پرد مرغ وہم
نہ در ذیل وصفش رسد دست فہم
دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار
کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار
کہ خاصان دریں رہ فرس راندہ اند
بلا احصی از تگ فرو ماندہ اند

حدیث شریف [illegible] لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک - دیکھو شعر (الف [illegible])

(۳) ترجمہ - سنگدل معشوق تو سرو کی طرح ہم سے سرکش ہے ہمارے منہ پر دونوں طرف کیسے چشمے جاری ہیں -
چشمہ پاس [illegible] سرو بھی قامت ہوتا ہے - اسلئے سرکش کہا معشوق کا سرکش ہونا یعنی عاشق سے سرکشی کرنا - سرو ہمو ماً لب جو پر ہوتا ہے - اس لئے سرو اور چشمہ کی رعایت ظاہر -

(۴) ترجمہ - ہمارے معشوق کا چہرہ چشم عشق سے دیکھا جا سکتا ہے کیونکہ معشوق کے چہرہ

کا نور قاف سے لیکر قاف تک ہے۔

قاف۔ پہاڑ کا نام جو (قدیم جغرافیہ کی روسے) دنیا کے گرد اگرد ہے۔ کوہ قاف کے پرییں حسین مشہور۔

مطلب یہ ہے۔ کہ آنکھ چاہئے۔ ورنہ معشوق کے چہرہ کا نور تو تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے۔ دل میں عشق پیدا کرنا چاہیئے۔ محبوب کا مشاہدہ حاصل ہو جائیگا۔

اس کے جلوہ کا اگر دیکھنے والا ہوتا	[illegible]	حشر پہ دید کے وعدہ کو نہ ٹالا ہوتا
ہم سا ایک اور اگر چاہنے والا ہوتا		وہ تو عالم سے کہیں ڈھونڈھ نکالا ہوتا

(۵) **ترجمہ**۔ معشوق کے رخسار کی کتاب سے آیات پڑھ۔ کہ وہ مقامات کشف و کشاف کا بیان ہے۔

مصحف۔ بالضم و بالکسر۔ وہ چیز جس میں صحیفے اور رسالے جمع کئے جائیں اسی مناسبت سے بمعنی قرآن مجید بھی استعمال ہوتا ہے۔ **آیت**۔ نشان علامت۔ آیات قرآنی۔ **کشاف** صیغہ مبالغہ بہت ظاہر کرنے والا۔ بہت کھولنے والا۔ واضح کرنے والا۔ قرآن شریف کی ایک تفسیر مصنفہ جار اللہ زمخشری کا نام بھی ہے۔

کشف۔ کھولنا۔ ظاہر کرنا۔ برہنہ کرنا۔ پردہ اٹھانا۔ اصطلاح صوفیہ میں وہ درجہ ہے۔ جس پر پہنچ کر غیب سے اسرار کھل جائیں۔

مطلب یہ ہے۔ کہ عاشق کو سوائے مشاہدہ محبوب کے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ ذات محبوب کے مشاہدہ سے تمام اسرار غیبیہ ورموز مخفی عاشق پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ صوفی کے لئے یہی مقام کشف فی الحقیقت مشاہدہ محبوب ہے۔ اس سے پہلے کشف تمام ناممکن ہے۔ اور اسی طرح قرآن کریم کی آیات کو ازبر کرنے یا چند مسائل شرعی اور دلائل عقلی پر قادر ہونے یا کتب تفاسیر کے مطالعہ کرنے سے ہی انسان کامل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ عشق الٰہی میں جہاد کی ضرورت ہے۔ تاکہ معشوق مطلق کے نور کا مشاہدہ ممکن ہو۔ قرآن کریم میں ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ اور اس مشاہدہ کے ذریعہ عاشق کو مقام کشف و کشافات حاصل ہو جاتا ہے۔ یہدی اللہ لنورہ

جمالش مخزن اسرار معنی	(المغربی)	چنینش مظہر نور تجلی
مگر رخسار او سبع المثانی ست	(گلشن راز)	کہ ہر حرفے ازو بحر معانی ست

مصحف - آیت اور کشاف - کی رعایت میں ظاہر مضمون عجب خوبصورتی سے ادا ہوا ہے - وہ خواجہ حافظ کا ہی حصہ ہے -

(۷) ترجمہ - دشمن جو شعر گوئی میں حافظ کے سخن کی طمع کرتا ہے - وہی ہما اور خطاف والی بات ہے

منطق - بالفتح طائے مہملہ مکسور سخن - گفتار - گفتگو گفتگو کرنا - زبان - نام علم معروف -

خطاف بضم ایک چھوٹا سا پرندہ ہے - جو بہار میں ظاہر ہوتا ہے - گھروں میں گھونسلا بناتا ہے - اور انسان کے سامنے نہیں ہوتا - چمگادڑ - اسکی دشمن ہے - بجلی کی آواز سن کر ڈرتا ہے - کانپتا ہے - اور قریب المرگ ہو جاتا ہے - خطف یعنی بجلی سے بینائی کا جاتے رہنا - اس پرندے کی اصلیت کے متعلق اختلاف رائے ہے -

ہما مشہور پرندہ ہے - کہ جس پر اس کا سایہ پڑے - بادشاہ ہو جاتا ہے - مطلب یہ ہے - کہ حاسد شعر گوئی میں حافظ کی برابری کرنا چاہتا ہے گویا خطاف ہو کر ہما کی ہمسری کا مدعی ہے -

غزل (۳۶)

ما را ز خیال تو چہ پروائے شراب است	۱	خم گو سر خود گیر کہ خمخانہ خراب است
گر خمر بہشت است بریزید کہ بے دوست	۲	ہر شربت عذبم کہ دہی عین عذاب است
افسوس کہ شد دلبر و در دیدۂ گریان	۳	تحریر خیال خط او نقش بر آب است
بیدار شو اے دیدہ کہ ایمن نتوان بود	۴	زین سیل دمادم کہ درین منزل خواب است
معشوق عیاں میگذرد بر تو ولیکن	۵	اغیار ہمے بیند ازاں بستہ نقاب است
گل بر رخ رنگین تو تا لطف عرق دید	۶	در آتش رشک از غم دل غرق گلاب است
در بزم دل از روئے تو صد شمع برافروخت	۷	وین طرفہ کہ بر روئے تو صد گونہ حجاب است
سبز است در و دشت بیا تا نگذاریم	۸	دست از سر آبے کہ جہاں جملہ سراب است
در کنج دماغم مطلب جائے نصیحت	۹	کایں حجرہ پر از زمزمۂ چنگ و رباب است

پروانہ تو چہ راہ ست کہ از غایت تعظیم	۱۰	در زیر پے تحیط فانی محجوب	است
بی روی تو آرامی تو ای شمع دل افروزا	۱۱	دل رقص کنان بر سر آتش چو کباب	است

(۱۲)	حافظ چہ شد ار عاشق و رند است و نظرباز بس طور عجب لازم ایام شباب است	(۱۴)

(۱) ترجمہ ۔ ہم کو تیرے خیال میں شراب کی کیا پرواہ ہے خم کو کہو کہ اپنا کام دیکھے اب میخانہ ویران ہے ۔

مطلب یہ ہے ۔ کہ عاشق کے لئے خیال معشوق میں کافی نشہ ہے اور وہ اسی نشہ میں مخمور ہے اس کو شراب کی ضرورت نہیں ہے ۔ اس لئے میخانہ اب ویران ہے ۔ اور ہمیں خم مے کے ساتھ کچھ سروکار نہیں ۔ خم کے ساتھ لفظ سر نہایت موزون ہے ۔ سر خود گیر سے یہاں یہ معنی بھی لئے جا سکتے ہیں ۔ کہ اپنا منہ بند کر لے ۔ مرزا بیدل چشم یار کے خیال میں مست ہو کر کہتے ہیں

بخیال چشم کہ مے زند قدح جنون دل تنگ ما	کہ ہزار میکدہ می رود بہ رکاب گردش رنگ ما

(۲) ترجمہ ۔ شراب بہشت ہی ہو تو گرا دو ۔ کہ دوست کے بغیر ہر شربت شیریں جو مجھے دو گے عین عذاب ہو گا

مطلب یہ ہے ۔ کہ شراب طہور اور جملہ نعیم فردوس عاشق صادق کی نظر میں کچھ حقیقت نہیں رکھتے ۔ بغیر مشاہدہ محبوب اور وصال معشوق کے عاشق کیلئے بہشت ہی دوزخ ہے ۔

سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست	لیکن خدا کرے وہ تیری جلوہ گاہ ہو ۔

اسی مضمون پر ہے ۔

نہ جنت جویم و نے حور و نے انہار میخواہم شہاں مملکت فردوس را بادست آرند	تماشا زرانی ای زاہد ہمیں من یار میخواہم کہ من درویش عالی ہمتم دیدار میخواہم

اسی مضمون پر دیگر شعرا کے کلام کیلئے دیکھو شعر العجم + (کوائف بہشت)

(۳) ترجمہ ۔ افسوس ہے کہ معشوق چلا گیا ۔ اور دیدہ اشکبار میں ۔ اس کے خط کو خیال کی تحریر نقش بر آب ہے ۔

نقش بر آب ۔ یعنی پانی پر تحریر ۔ ظاہر ہے ۔ کہ پائیدار نہیں ہو سکتی ۔

خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ اب معشوق تو سامنے نہیں صرف اس کے خط و خال کا نقش آنکھوں میں باقی ہے۔ جو یک گونہ باعث تسکین ہے۔ مگر چونکہ آنکھیں ہر وقت اشکباری کرتی ہیں۔ اس لئے اس نقش بر آب پر بھی کوئی اعتبار نہیں۔ خواجہ صاحب کو مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ نقش اس پانی سے نہیں مٹ سکتا۔ دیکھو شعرات (ق ۱)

(۴) ترجمہ۔ اے آنکھ بیدار ہو کہ بے خطر نہیں رہ سکتے۔ اس سیلاب سے جو منزل خواب میں ہے

منزل خواب۔ یعنی نیند کی جگہ۔ آنکھ۔

آنکھوں سے سیلاب اشک جاری ہے اسلئے آنکھوں کو خیال ہونا چاہئے کہ اس سیلاب سے برباد نہ ہو جائیں۔ آنکھوں سے ہمیشہ پانی آنا بینائی کیلئے مضر ہے منزل یعنی مکان کا سیلاب سے ویران ہونا ظاہر ہے منزل خواب سے دنیا بھی مراد لی جا سکتی ہے۔ کیونکہ دنیا فی الحقیقت مقام غفلت ہے۔ اس صورت میں یہ مطلب ہوگا۔ کہ دنیا میں سیلاب حوادث ہر وقت جاری ہے۔ اور نفس امارہ ہر وقت فساد پر تیار ہے اس لئے انسان کو ہر وقت ہوشیار رہنا چاہئے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔

(۵) ترجمہ۔ معشوق تیری پاس سے بے حجاب گزرتا ہے لیکن تاکہ اغیار نہ سمجھیں۔ اسلئے نقاب ڈالے ہوئے ہے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ معشوق مطلق عیان ہے۔ بے حجاب ہے۔ اور ہر وقت تیرے پاس ہے۔ یہ پردہ صرف اسلئے ہے۔ کہ نا اہل آشنا ہو کر موجب ضرر نہ ہوں۔ صوفیائے کرام کو تو زیارت مشاہدہ ہر وقت نصیب ہو سکتا ہے۔ اور جو جاہل ہیں ان کو نصیب ہی ہوتا ہے پردہ صرف نا اہلوں کیلئے ہے۔

طالبان حق کی آنکھیں اس پردہ کے اندر دیکھ سکتی ہیں۔ پردہ گویا شفاف ہے۔ جن لوگوں میں استعداد نہیں ان کی آنکھیں اس پردہ کے اندر نہیں دیکھ سکتیں۔ کیونکہ ان کی بینائی کامل نہیں چشم عشق روشن ہو۔ تو یہ پردہ حائل نہیں ہوتا۔ دیکھو شعرات (ق ۳۴)

مرزا غالب دل کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا	ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

مولانا روم فرماتے ہیں

تن ز جان و جان ز تن مستور نیست	لیک کس را دید جان منظور نیست

(۶) ترجمہ - پھول نے تیرے رنگین رخسار پر جب سے پسینہ کا لطف دیکھا ہے حسد کی آگ میں غم دل سے غرق گلاب ہے -

گل - گل سرخ جسے گلاب کا پھول کہتے ہیں - **عرق** بفتحتین پسینہ - دوسرے معنی مشہور - رخسار یار کو گل سے تشبیہ دیتے ہیں - اور عارض عرق کردہ کو پھول سے تشبیہ دیتے ہیں جس پر شبنم پڑی ہو - پھول نے گل عارض پر پسینہ کا قطرہ دیکھ کر رشک کیا - کہ مجھ پر شبنم کا قطرہ ایسا بھلا معلوم نہیں ہوتا - اس رشک میں اس کے دل کو رنج ہوا - اور اس سے وہ غرق گلاب ہوا - گلاب یعنی آب گل یا عرق گلاب - ظاہر ہے - کہ گل میں گلاب موجود ہے - اور وہ غرق گل آب ہے - مگر خواجہ صاحب نے اس کے غرق گلاب ہونے کی خوب وجہ بیان کی گلاب گرمی کو تسکین اور دل کو فرحت بخشتا ہے اسلئے آتش رشک اور غم دل کیلئے یہ نسخہ تجویز ہوا -

(۷) ترجمہ - محفل دل میں تیرے رخسار سے صدہا چراغ روشن ہوئے - اور لطف یہ ہے کہ تیرے چہرہ پر صدہا پردے ہیں -

مطلب یہ ہے - کہ محبوب مطلق کی ذات گرچہ ہزاروں پردوں کے اندر ہے - مگر اس میں اسقدر روشنی ہے - کہ ان تمام پردوں سے نکل کر وہ تمام دنیا کو منور کر رہا ہے - اور حقیقت یہ ہے کہ اس نور کو بے حجاب دیکھنے کی طاقت کس کو ہے -

کلیم شکر کرو تشنہ ہوش آتا	ہوئی ہے خیر کہ وہ شوخ بے نقاب نہ تھا

(۸) ترجمہ - دوست کا دروازہ سبز ہے - اور پر فضا مقام ہے - اور دریائے فیض کا منبع بھی اسی جگہ ہے - ہمکو چاہیئے کہ وہاں سے اور کسی طرف نہ جائیں - کیونکہ باقی تمام دنیا سراب کی مانند ہے - جو اپنے طالبوں کو بھٹکا کر مارتی ہے - زیادہ شرح کیلئے دیکھو شعر (۱۴) مروجہ نسخوں میں در دوست کی جگہ در دوشت لکھا ہے -

(۹) ترجمہ - میرے گوشہ دماغ میں نصیحت کیلئے جگہ نہ ڈھونڈھ کیونکہ یہ حجرہ چنگ و رباب کے نغموں سے پُر ہے -

حجرہ - کوٹھڑی

مطلب یہ ہے - کہ میرا دماغ آواز چنگ و رباب سے پُر ہے - اور نغمہائے عشق کے لئے مخصوص ہے

اس میں اور کسی چیز کی قبولیت کی گنجائش نہیں یہ پند و نصیحت بے سود ہے۔

(۱۰) ترجمہ — تیرا راستہ کتنا عالی شان ہے کہ غایت ادب سے آسمان کا دریائے محیط اس میں حباب کی مانند ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آسمان جو بظاہر تمام کائنات کو گھیرے ہوئے ہے وہ بھی تیری بحر بیکراں میں بمنزلہ ایک حباب کے ہے۔ آسمان کو بوجہ نیلگوں ہونے کے سمندر سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور چونکہ سرنگوں ہے۔ اس لئے صاحب نے اُسے بلبلہ کہا۔ ادب کیلئے سرنگوں ہونا ظاہر۔ علاوہ اس کے راہ محبوب میں آسمان بھی سرنگوں ہے۔ اس شعر سے کائنات کی وسعت اور عظمت بھی معلوم ہوتی ہے۔ گویا آسمان بحر عالم میں صرف ایک بلبلہ ہے۔ وصال نے اپنے لڑکے کو نصیحت میں کہا ہے کہ

یکی دریاست او را بن پدید و نہ کران پیدا — در و اندیشہ حیران ہم سر گردان خرد شیدا
صدفہا اندرو گونہ گوہرہا ہمہ مشحون — یکی زانہا بود گردون جواہر اختر رخشا
نہایت نیست گردون را و اکنون و کمی بینی — بقدر بینش بیناست لاہل دانش و دانا
اگر ہر چشمہ اندر شود نامش سپہر ستے — عناکب را بود سقف سرا چون گنبد خضرا
ترا گردون ہمانستے کہ آید در جہان ہیت — مخواں یک کلبہ گیتی مداں یک قطرہ دریا
یکی بر فرق فرقد بوے و ہم تا بینی — ازان جا فی قدر دیگر بشمر آسمان پیما
چنین با صد ہزاران فرقداریوی چنانی — کہ ہر یک شان بود نسبت بہم پسیح ہم بالا

(۱۱) ترجمہ — اے شمع دل افروز تیرے دلارا چہرہ کے سوا ہمارا دل کباب کی طرح آگ پر رقص کرتا ہے

مطلب یہ ہے کہ تیرے فراق میں دل بیقرار ہے۔ اور آتش ہجر میں جل رہا ہے۔
شمع دل افروز — دل کو روشن کرنے والا چراغ یعنی معشوق۔ شمع۔ افروز۔ آتش کباب کی لفظی رعایت ظاہر۔

(۱۲) ترجمہ — کیا ہوا اگر حافظ عاشق رند اور نظر باز ہے کیونکہ یہ باتیں ایام جوانی کا لازمہ ہیں۔
مطلب یہ ہے کہ صرف حافظ ہی نہیں۔ بلکہ تمام لوگ جوانی میں عاشق اور نظر باز ہوتے ہیں۔ بقول سعدی

در عنفوان جوانی چنانکہ افتد و دانی

غزل (۳۷)

کنون کہ در کف گل جام بادہ صاف است	۱	بصد ہزار زبان بلبلش در اوصاف است
بخواہ دفتر اشعار و رو بصحرا کن	۲	چہ وقت مدرسہ و بحث کشف کشاف است
فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتوی داد	۳	کہ می حرام ولے بہ ز مال اوقاف است
بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش	۴	کہ ہرچہ ساقی ما کرد عین الطاف است
ببر ز خلق و ز عنقا قیاس کار بگیر	۵	کہ صیت گوشہ نشینان ز قاف تا قاف است
حدیث مدعیان و خیال ہمکاران	۶	ہمان حکایت زردوز و بوریاباف است

(۷) خموش حافظ و این نکتہ ہای چون زر سرخ
نگاہدار کہ قلاب شہر صراف است (۷)

(۱) ترجمہ — اب کہ پھول کی ہتھیلی پر شراب صافی کا پیالہ ہے۔ بلبل سو ہزار زبانوں سے اس کے اوصاف بیان کر رہی ہے۔

پھول شگفتہ ہو کر جام کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اور سرخ رنگ ہونے کی وجہ سے جام مے سے مشابہ ہوتا ہے۔ بلبل کو ہزار ہزار آواز۔ ہزار ادا۔ ہزار داستان بھی کہتے ہیں۔ اس لئے ہزار اور بلبل کی رعائت لطیف۔ صاف اور اوصاف کی تجنیس ظاہر۔

مطلب یہ ہے۔ کہ موسم بہار ہے۔ اور بلبلیں نغمہ سرائی کر رہی ہیں۔

(۲) ترجمہ — دفتر اشعار لیکر صحرا کو جا۔ مدرسہ اور کشف و کشاف کی بحث کا وقت نہیں ہے۔

موسم بہار ہے۔ دیوان غزلیات لیکر باہر جا۔ اور مناظر قدرت کا مطالعہ کر۔ مدرسہ میں بیٹھنے کا وقت نہیں۔ کشف اور کشاف سے مراد کتاب مذکور۔

کشاف تفسیر مصنفہ جار اللہ زمخشری کا نام ہے۔ کشف بھی کئی کتابوں کا نام ہے
شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی مضمون پر کہا ہے۔

بامدادان کہ تفاوت نکند لیل و نہار	خوش بود دامن صحرا و تماشائے بہار
صوفی از صومعہ گو خیمہ بزن در گلزار	وقت آن نیست کہ در خانہ نشینی بیکار
کوہ و دریا و درختان ہمہ در تسبیح اند	نہ ہمہ مستمعان فہم کنند ایں اسرار
بلبلان وقت گل آمد کہ بنالد از شوق	نہ کم از بلبل مستی تو بنال ای ہوشیار

بہار میں رات دن برابر ہوتے ہیں اسلئے کہا کہ تفاوت نکند لیل و نہار

(۳) ترجمہ۔ کل فقیہ مدرسہ مست تھا۔ اور اس نے فتویٰ دیا کہ شراب حرام ہے۔ مگر مال وقف سے اچھی ہے۔

فقیہ۔ دانشمند۔ دانائے علم شرع۔ اور فقہ بمعنی معلوم کرنا۔ جاننا۔ علم مخصوص بعلم معرفت احکام شریعت۔

اوقاف۔ جمع وقف۔ وہ مال جو کسی کی ملکیت نہ ہو۔ اور فی سبیل اللہ اغراض مذہبی و رفاہ عامہ کے لئے چھوڑا گیا ہو۔ اکثر مسجدوں اور مدرسوں کے اخراجات کے لئے جائداد وقف کی جاتی ہے۔ "الوقف لا یملک"

مطلب یہ ہے۔ کہ فقیہ مدرسہ نے مستی کی حالت میں فتویٰ دیدیا کہ اگرچہ شراب پینا حرام ہے۔ مگر اس سے بھی بدتر فعل ان لوگوں کا ہے۔ جو مال وقف سے ناجائز طور پر فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اور اپنے استعمال میں لاتے ہیں۔

اوقاف کی حالت اب بھی ناگفتہ بہ ہے۔ منتظم او متولی مال وقف سے اب بھی بہت سا حصہ اپنے مصرف میں لاتے ہیں۔ یہی حالت خواجہ صاحب کے وقت بھی ہوگی۔ اس لئے خواجہ حافظ کہتے ہیں۔ کہ شراب پینا بھی بے شک منع ہے۔ مگر مال وقف پر ناجائز تصرف اس سے بھی برا ہے۔ دونوں مقابلہ منظور ہے۔

تو خرابی کنی کہ من مے نخورم	صد کار کنی کہ مے غلام است آں را

زیادہ تفصیل کے لئے دیکھو (شعر الف ۵۲) اندر معرفت ۵۲)

فقیہ مدرسہ نے یہ صاف گوئی ہی حرف مسائل مستی میں کی ورنہ ہوشیاری ایسی بڑی بات ہے یہ فتویٰ دیتا۔

(۴) **ترجمہ**۔ تجھکو درد و صاف پر کچھ اختیار نہیں۔ خاموش ہو کیونکہ جو کچھ ہمارے ساقی نے (ہمارے جام میں) گرایا۔ عین مہربانی ہے۔

دُرد شراب تیرہ۔ ہر رقیق چیز کی نیچے بیٹھی ہوئی میل۔ **صاف** ۔ شرابِ صاف۔

مطلب یہ ہی۔ کہ جو نیک و بد تیرے حصے میں آیا ہے۔ اس پر شاکر رہ کیونکہ رب العزت کا کوئی فعل حکمت سی خالی نہیں۔ اور جو کچھ وہ کرتا ہی۔ تیرے فائدے کیلئے کرتا ہے۔ وہ تجھ پر مہربان ہی اور ماسوا اس کی تیرا اختیار ہی کچھ نہیں۔ سوائے شکر کے چارہ کہاں۔ دیکھو شعر (ت ۳)

(۵) **ترجمہ**۔ خلقت سی قطع تعلق کر۔ اور عنقا کی مثال سے سبق حاصل کر۔ کہ گوشہ نشینوں کا شہرہ قاف سے قاف تک ہے۔

قاف تا قاف یعنی دنیا کے ایک سرے سی دوسرے تک کوہ قاف کی نسبت مشہور تھا۔ کہ تمام عالم کے گرد پھیلا ہوا ہے۔

عنقا۔ بفتح ایک مشہور پرندہ ہے۔ جسکا نام تو مشہور ہے۔ مگر لیکن اب تک کہیں نہیں گویا معروف الاسم اور مجہول الجسم ہے۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں۔ کہ عنقا چونکہ گوشہ نشین ہے۔ اور اس نے خلقت سی قطع تعلق کیا ہے۔ اس لئے وہ اسقدر مشہور ہوگیا ہی۔ تو تو بھی دنیا کو چھوڑ۔ زاویہ گزین ہو۔ اور دیکھ کہ تیری شہرت بھی عالمگیر ہو جائیگی۔

اور کئی فرضی چیزوں کی طرح عنقا کا آشیان بھی کوہ قاف میں بتاتی ہیں۔ لہذا عنقا اور قاف کی رعایت ظاہر۔

(۶) **ترجمہ**۔ مدعیوں کی بات اور ہمکاروں کا خیال وہی زردوز اور بوریا باف کا مقابلہ ہی۔

ہمکار بمعنی حریف۔ دوست اور دشمن ہر دو معنوں میں استعمال ہوتا ہی۔ یہاں بمعنی دوست مطلب یہ ہے۔ کہ حاسدوں کو یاروں سی وہی نسبت ہی جو بوریا باف کو زردوزی یہ شعر بھی فخریہ ہی۔ خواجہ صاحب کے حاسد گویا نظم میں بوریا بافی کرتی ہیں اور خواجہ صاحب اپنی غزلوں میں زردوزی۔ نیز دیکھو شعر (ت ۵۲)

(۷) ترجمہ۔ اے حافظ خاموش رہ اور یہ خالص سونے کی طرح نکتے محفوظ رکھ۔ کہ شہر کا قلاب صراف ہے

زر خالص خالص سونا۔ **نکتہ**۔ باریک و لطیف باتیں۔

قلاب۔ از قلب۔ کھوٹی چیز بیچنے والا۔ دغا باز

مطلب یہ ہے۔ کہ آج کل جو لوگ علمائے دین کہلاتے ہیں اور مفتی و فقیہ ہیں۔ وہ فی الحقیقت اخلاص سے خالی ہیں۔ اور ریا کار ہیں۔ اسلئے اس قسم کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں کیونکہ وہ ان کے برعکس معنی لیں گے۔ جس شہر میں قلاب صرافی کا کام کریں وہاں زر خالص کی قدر کیا ہو

غزل ۳۸

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گلبیز است	۱	ببانگ چنگ مخور مے کہ محتسب تیز است
صراحیے و حریفے گرت بدست افتد	۲	بعقل نوش کہ ایام فتنہ انگیز است
در آستین مرقع پیالہ پنہان کن	۳	کہ ہمچو چشم صراحی زمانہ خونریز است
ز رنگ بادہ بشوئید خرقہ ہا از اشک	۴	کہ موسم ورع و روزگار پرہیز است
مجوی عیش خوش از دور واژگون سپہر	۵	کہ صاف این سر خم جملہ دردی آمیز است
سپہر برشدہ پرویزنیست خون افشاں	۶	کہ قطرہ اش سر کسریٰ و تاج پرویز است

(۷) عراق و پارس گرفتی بشعر خود حافظ
بیا کہ نوبت بغداد و وقت تبریز است (۷)

جب محمد بن مظفر مبارز الدین شیراز اور فارس کا حکمران ہوا۔ تو اس نے تخت نشین ہونے کے ساتھ ہی ہر جگہ محتسب مقرر کر دیئے۔ اور تمام میخانے بند کر دیئے۔ تذکرۃ [illegible] میں لکھا ہے کہ خواجہ حافظ نے اسی واقعہ پر یہ غزل لکھی ہے۔ اشعار [illegible] خواجہ حافظ کے کلام میں [illegible]

جگہ بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے (دیکھو شعر اب لے) اور غزل (۱۳) ردیف دال -

امیر مبارز الدین کا بیٹا شاہ شجاع بھی شاعر تھا - اس نے بھی موقعہ پر ایک رباعی لکھی

در مجلس دہر ساز مستی پست است	نہ چنگ بہ قانون و نہ دف بر دست است
رنداں ہمہ ترک مے پرستی کردند	جز محتسب شہر کہ بے مے مست است

(۱) **ترجمہ** - اگرچہ شراب فرحت بخشنے والی اور ہوا معطر ہے - آواز چنگ کے ساتھ شراب نہ پی کہ محتسب تیز ہے -

گل بیز (بیز امر از بیختن) پھول گرانے والا - گل افشانی کرنے والا - خوشبو پھیلانیوالا -

مطلب یہ ہے - کہ شراب خلوت میں اور چپ چاپ پی لے کہ محتسب کو خبر نہ ہو -

(۲) **ترجمہ** - اگر تجھے صراحی مے اور معشوق مل جائیں تو ہوش میں پینے کی کوشش کر کہ زمانہ فتنہ انگیز ہے -

مے و معشوق کی بزم میں ہوش کا تو کام نہ تھا - مگر محتسب کا خوف ہے - ورنہ بقول امیر مینائی -

[illegible]	[illegible]

(۳) **ترجمہ** - خرقہ کی آستین میں پیالہ کو پوشیدہ رکھ - کیونکہ چشم صراحی کی طرح زمانہ خونریز ہے

مرقع - کتاب تصاویر - خرقہ و دلق درویشان - درویشوں کے کپڑے چونکہ پارہ پارہ (رقعہ) ہوتے ہیں - اس لئے خرقہ کو مرقع کہتے ہیں -

مطلب یہ ہے - کہ زاہدوں کی طرح درویشی لباس میں جام مے کو پوشیدہ رکھ - کہ زمانہ نازک ہے - غالباً زاہدان ریاکار پر بھی حملہ ہے - جو لباس درویشی میں کار دیگر کرتے ہیں - گویا خرقہ کی آستین میں جام مے پوشیدہ رکھتے ہیں -

کہاں میخانے کا دروازہ غالبؔ اور کہاں واعظ	پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

ذوق نے بھی اسی مضمون پر یہ رباعی لکھی ہے -

اے ذوق لبے آپ کو صوفی جانے	معلوم ہے حقیقت ہو حق جناب کی
[illegible] ابھی منہ چھپا لی تم	ڈالے ہوئے بغل میں صراحی شراب کی

چشم صراحی کو خونریز کہا - کیونکہ صراحی کے منہ سے شراب سرخ نکلتی ہے -

(۴) ترجمہ ۔ اپنے خرقوں سے شراب کا رنگ آنسوؤں سے دھو ڈالو۔ کیونکہ زہد کا زمانہ اور پرہیزگاری کا وقت ہے۔

(۵) ترجمہ ۔ آسمان کے اندر سے دور سے خوش قسمتی نہ ڈھونڈھ۔ کہ اس خم کی صاف شراب ہی تمام دُرد آمیز ہے۔

عیش ۔ زندگانی گذارنا ۔ وقت بسر کرنا ۔ عیش خوش ۔ خوشی سے وقت بسر کرنا ۔ مجازاً صرف لفظ عیش خوشی سے وقت بسر کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔

مطلب یہ ہے ۔ کہ دور آسمان میں خوشی محال ہے ۔ اسکی خوشی ہی رنج کا موجب ہے۔

(۶) ترجمہ ۔ بلند آسمان ایک خون افشاں چھلنی ہے ۔ کہ اس کا ہر قطرہ سر کسریٰ اور تاج پرویز ہے۔

پرویزن ۔ غربال چھلنی ۔ کسریٰ ۔ شاہان ایران کا لقب ۔ اور خاص نوشیروان کا ۔ پرویز ۔ فتح مند ۔ مچھلی (۱) نوشیروان کے بیٹے کا نام ۔ چونکہ وہ بہت مچھلیاں کھاتا تھا ۔ (۲) لفظ پرویزن کا مخفف بھی ہے ۔ (۳) پردیں کو بھی کہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے ۔ کہ آسمان نے ہزارہا کسریٰ و پرویز کا خون کیا ہے ۔ شعر نا صحانہ ہے۔ پرویز نیست اور پرویز ست کی رعایت ظاہر ۔ لفظ پرویز کے مختلف معانی پر غور کرو ۔ اور دیکھو کہ خواجہ حافظ صاحب نے الفاظ کے انتخاب میں کتنا کمال ظاہر کیا ہے۔

(۷) ترجمہ ۔ اے حافظ تو نے عراق اور فارس پر اپنی شاعری کا سکہ بٹھا لیا ہے ۔ آکہ اب بغداد اور تبریز کی باری ہے۔

بغداد کا فرماں روا سلطان احمد بن اویس تمام کمالات کا مجموعہ تھا ۔ اور سخن سنج اور شاعر بھی تھا ۔ خواجہ صاحب کو اس نے بار بار بلا بھیجا ۔ خواجہ صاحب بھی للچائے لیکن شیراز کو نہ چھوڑ سکے ۔ (شعر العجم)

غزل (۳۹)

یارب آن شمع شب افروز کاشانہ کیست	۱	جان ما سوخت بپرسید کہ جانانہ کیست
حالیا خانہ برانداز دل و دین من است	۲	تا ہم آغوش کہ می باشد و ہمخانہ کیست
بادۂ لعل لبش کز لب ما دور مباد	۳	راح روح کہ و پیمان دہ پیمانہ کیست
دولت صحبت آن شمع سعادت پرتو	۴	باز پرسید خدارا کہ بپروانہ کیست
می دہد ہر کسش افسونی و معلوم نشد	۵	کہ دل نازک او مائل افسانہ کیست
یارب آن ماہ وش مہر رخ زہرہ جبیں	۶	در یکتائی کہ و گوہر یکدانہ کیست
آں می لعل کہ ناخوردہ مرا کرد خراب	۷	ہمنشیں کہ و ہم کاسہ و پیمانہ کیست

(۸) گفتم آہ از دل دیوانہ حافظ بی تو
زیر لب خندہ زنان گفت کہ دیوانہ کیست (۸)

یہ تمام غزل عاشقانہ اشعار ربط کا ایک نقشہ ہے۔ مضمون مسلسل ہے۔ عاشق پریشان حال ہے۔ اور بیقرار ہے۔ معشوق کے متعلق بے صبری سے ہر کسی سے پوچھتا ہے۔ کہ کہاں ہے کس کے پاس ہے۔ کیسا ہے۔ اور کس پر مائل ہے۔

(۱) ترجمہ۔ یارب وہ شمع شب افروز کس کے کاشانہ کا ہے۔ جان تو ہماری جلادی پوچھو کہ جاناں کس کا ہے۔

شب افروز۔ رات کی تاریکی کو دور کرنے والا یا روشن کرنے والا۔ کاشانہ۔ جھونپڑا۔ مکان۔

(۲) ترجمہ۔ اب تو میرے دین و دل کا خانہ برانداز ہے۔ دیکھیں کس کا ہم آغوش ہوتا ہے۔ اور کس کا ہم خانہ ہے۔

خانہ برانداز - گھر کو ویران کرنے والا - مطلق - تجارت کر تباہ کن -

(۳) ترجمہ - اس کے لب لعل کی شراب جو خدا کرے - ہماری لبوں ہی دور نہ ہو - اس کے روح کی راحت ہے - اور کس کے پیالہ سے اس کا عہد ہے -

راح - (۱) خوش ہونا - خوشی - راحت - (۲) شراب (۳) کہنا ہے دست راح اور بادہ کا تعلق ظاہر - راح - روح - بار بد کے تیس آوازوں سے ایک آواز کا نام بھی ہے -

مطلب یہ ہے - کہ اس کے لبوں کا بوسہ جو خدا کرے صرف ہم کو ہی نصیب ہو - معلوم نہیں کہ اب کس کے روح کی راحت بنا ہے - چونکہ لبوں کی سرخی کو شراب کہا ہے اس لئے پوچھا ہے کہ اب وہ کس کے پیالہ میں ہے -

راح و روح - پیمانہ و پیمان - لب و لعل اور بادہ کی رعائتیں قابل تحسین -

(۴) ترجمہ - اس یمن کے نور والے شمع کی صحبت کی دولت - خدا را پوچھو کہ کس کے پروانے کے نصیب ہے -

معشوق کو شمع سعادت پرتو کہا مطلب یہ ہے - کہ معشوق کی صحبت کے فیض اور سعادت سے کون بہرہ مند ہے -

(۵) ترجمہ - ہر شخص اس پر منتر پھونکتا ہے - اور معلوم نہیں کہ اس کا نازک دل کس کی باتوں پر مائل ہے -

مطلب یہ ہے - کہ ہر ایک شخص اس کا طالب ہے - مگر معلوم نہیں کہ وہ کس کو چاہتا ہے - عاشقانہ اور صوفیانہ دونو معنی ظاہر -

معلوم نہ شد کہ یار مشغول بہ کیست		ہر کس بخیال خویش خبطی دارد	

(۶) ترجمہ - اے خدا وہ چاند کی صورت آفتاب کے رخسار اور زہرہ کی پیشانی والا - کس کا دریکتا اور گوہر یک دانہ ہے -

دریکتا اور گوہر یکدانہ - ہم معنی ہیں - دریتیم بھی کہتے ہیں - وہ موتی جو صدف میں صرف تنہا ایک ہی دانہ پیدا ہو - زیادہ خوش رنگ اور زیادہ قیمتی ہوتا ہے - بہت آبدار اور جسامت میں بڑا ہوتا ہے -

(۷) ترجمہ — وہ نرگس شرابی مست جس نے مجھے خراب کر دیا۔ کس کے ہاتھ ہے اور کس کا ہم کاسہ و ہم پیالہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ معشوق جس نے مجھے بے بادہ ہی مست کر دیا۔ اب معلوم نہیں کہ کس کا ہم پیالہ ہے۔

(۸) ترجمہ — میں نے کہا کہ تیری سیاہ حافظ دیوانہ کو دل پر افسوس — زیر لب ہنس کر کہا کہ کس کا دیوانہ ہے

یعنی کہا کہ تیرے فراق میں حافظ دیوانہ کی حالت افسوسناک ہو گئی ہے۔ تو ہنس کر پوچھا کس کا دیوانہ ہے۔ گویا اسے یہ بھی معلوم نہیں۔ یہ صرف ایک چھیڑ اور معشوقانہ انداز ہے جیسے تجاہل معشوقانہ کہنا چاہیے۔

میری خاک بھی لحد میں نہ رہی امیر باقی	انہیں مرنے کا ہی اب تک نہیں اعتبار ہوتا

خندہ زیر لب یعنی تبسم

غزل (۴۰)

بنال بلبل اگر با منت سر یاری است	۱	که ما دو عاشق زاریم و کار ما زاری است
در آن چمن که نسیمی وزد ز طرهٔ دوست	۲	چه جای دم زدن نافه‌های تاتاری است
بیار باده که رنگین کنیم جامهٔ زرق	۳	که مست جام غروریم و نام هشیاری است
نه بسته اندر توبه حالیا خبر ز	۴	که توبه وقت گل از عاشقی ز بیکاری است
سحر کرشمهٔ وصلش بخواب می‌دیدم	۵	زهی مراتب خوابی که به ز بیداری است
خیال زلف تو پختن نه کار خامان است	۶	که زیر سلسله رفتن طریق عیاری است
لطیفه‌ایست نهانی که عشق از او خیزد	۷	که نام آن نه لب لعل و خط زنگاری است
جمال شخص نه چشم است و زلف و عارض و خال	۸	هزار نکته در این کار و بار دلداری است
بر آستان تو مشکل توان رسید آری	۹	عروج بر فلک سروری به دشواری است
روندگان طریقت به نیم جو نخرند	۱۰	قبای اطلس آن کس که از هنر عاری است

(۱۱)	دلش بناله میازار و ختم کن حافظ که رستگاری جاوید در کم آزاری است	(۱۱)

(۱) ترجمہ — اے بلبل اگر تجھے میرے ساتھ یاری کا خیال ہو تو رو کہ ہم دونوں عاشق زار ہیں اور ہمارا کام زاری ہے۔

شیخ علیہ الرحمت فرماتے ہیں —

اے بلبل اگر نالی من با تو ہم آوازم	تو عشق گلے داری و من عشق گل اندامے

خواجہ صاحب بلبل کو اپنا ہم آواز بناتے ہیں۔ اور شیخ صاحب بلبل کے ہم آواز ہیں۔ یہی مضمون ہے —

آ مِنْد لیبِ مل کے کریں آہ و زاریاں	تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

(۲) ترجمہ — جس باغ میں زلف معشوق کی سمت سے نسیم چلتی ہو — نافہ تاتاری کو وہاں دم مارنے کی کیا طاقت ہے۔
مطلب یہ ہے کہ زلف عنبرین کی موجودگی میں نافہ کچھ چیز نہیں —

بے نافہ ہائی رمیدہ بو مپسند زحمت جستجو	بخیال حلقہ زلف او گرہی خوردختن را

(۳) ترجمہ — [illegible] ہم [illegible] مست [illegible] تمہاری

دلق — بفتح لشمینہ جو درویش پہنتے ہیں۔ بفتحتین جنگلی بلی جسکی پوست سے پوستین بناتے ہیں۔
مطلب یہ کہ زاہدانِ ریاکار جو اپنے زہد و ورع پر مغرور ہیں — وہ گویا بغیر شراب کے ہی مست ہیں اور اس غرور کا نام ہوشیاری یا مستوری رکھا ہے۔ آگاہ اس مستوری سے مستی ہی اچھی ہے دوسروں کی برائی ظاہر کرتے وقت بجائے اُن کے اپنی ذات کو پیش کرنا اور صیغہ متکلم استعمال کرنا عام طرز گفتگو میں شامل ہے —

(۴) ترجمہ — ابھی تک توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ اُٹھ کیونکہ موسم بہار میں عاشق سے توبہ نامقبول ہے کہتے ہیں کہ توبہ کا دروازہ اُس وقت تک کھلا ہے — جب تک کہ طلوع آفتاب مغرب سے نہ ہو —
مطلب یہ ہے کہ آج کل موسم بہار ہے اور ابھی تک توبہ کا دروازہ بھی کھلا ہے — آج کل توبہ کرنے کا کیا فائدہ خزاں میں دیکھا جائے گا —

(۵) ترجمہ — آج سحر کو اسکی وصل کا کرشمہ میں خواب میں دیکھتا تھا — ایسی نیند کا مرتبہ جو بیداری سے اچھی ہے زہے — کلمہ تحسین و تعظیم مشہور ہے — کہ سحر کی خواب سچی ہوتی ہے — خواجہ [illegible] کہ اگرچہ نیند سے شب بیداری اچھی ہے اور خصوصاً سحر گاہ کی بیداری — مگر سحر کی ایسی نیند جس میں اچھی خواب آئے بیداری سے بدرجہا اچھی ہے —

(۶) ترجمہ - تیری زلف کا خیال باندھنا خام آدمیوں کا کام نہیں ہے - زنجیر کے نیچے چلنا [illegible] کا کام ہے -
عیار - بفتح اول و تشدید - بہت آمد و رفت کرنے والا آدمی - بہت حرکت کرنے والا آدمی -
ماخوذ از عیر بمعنی ہر سو رفتن اسپ و قت جولان - دلیر آدمی جو رات بھر پھرتا رہے اور نہ ڈرے - چالاک -
زلف معشوق کو زنجیر کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ معشوق کی زلف کا سودا آسان کام نہیں ہے کیونکہ پا بزنجیر [illegible]
آدمی کا کام ہے مولوی محمد صادق علی صاحب لکھتے ہیں کہ سلسلہ بمعنی زنجیر [illegible] کہ در گشتہ [illegible] و [illegible] یعنی
زلف سلسلہ ایست او بخیتہ و خون صد ہزاران در زیر او ریختہ - بختن اور خام کا مقابلہ ظاہر ہے -
(۷) ترجمہ - ایک پوشیدہ لطیفہ ہے جس سے عشق پیدا ہوتا ہے - کہ اس کا نام لب لعل یا خط زنگاری نہیں ہے -
مطلب یہ ہے کہ معشوق کی وہ ادا جو عاشق کے دل کو اسیر کر لیتی ہے ایک پوشیدہ نکتہ ہے جسکا بیان کرنا
مشکل ہے - نیز نہیں کہہ سکتے کہ معشوق کی لب لعل نے یا خط شکین نے یا چشم مست نے یا عارض گلگوں نے یا اور کسی
خاص چیز نے یا ادا نے عاشق کو اپنی طرف مائل کر لیا ہے بلکہ بحیثیت مجموعی تناسب اعضا اور ناز و ادا
کی ایک خاص کیفیت ہوتی ہے - جو عاشق کو فریفتہ کر لیتی ہے - اور جس کا اظہار یا تعین لفظوں میں ناممکن ہے -

زدلبری نتوان لاف زد بآسانی		ہزار نکتہ دریں کار ہست تا دانی	

[illegible]

آن نہ خال است و زنخدان و سر زلف پریشان		کہ دل اہل نظر بردہ کہ سریست خدائی	

(۸) ترجمہ - جسم کی خوبصورتی آنکھ - زلف - عارض اور خال ہی نہیں [illegible]
یہ شعر پہلے شعر سے قطعہ بند ہے - اور مطلب یہی ہے - جو گذشتہ شعر میں بیان ہوا - یہ کہنا ناممکن ہے کہ فلاں عاشق
اپنے معشوق کی چشم مست پرست ہوا - یا اسکی شمع عارض کا پروانہ ہے یا اسکی زلف کا [illegible] کیونکہ [illegible] اوصاف
منتشر کا یا منفرداً اگر دوسرے حسین شخص میں بوجہ احسن موجود ہو سکتے ہیں اور عاشق کو اس خاص شخص پر فریفتہ ہونے
کی پھر کوئی وجہ باقی نہیں رہتی فی الحقیقت کار و بار عشق میں ہزار ہا نکتے ایسے ہیں جو ناقابل بیان ہیں اور جو
حالتیں یا کیفیتیں کسی خاص وقت پر کسی خاص انسان پر اثر کر جاتی ہیں - وہ بیان سے باہر ہیں خواجہ صاحب
نے ان دو شعروں میں ایک نہایت لطیف سا شکل لا ینحل کیفیت کو ظاہر کیا ہے
فغانی شیرازی نے بھی اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست		بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست	

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۔ کہ حسن میمندی سے لوگوں نے پوچھا ۔ کہ سلطان محمود کے اسقدر صاحب جمال غلام تھے ۔ پھر ایاز ایسا تھا کسی سے اسکو اتنی میل و محبت نہ تھی جتنی ایاز سے جو اتنا صاحب جمال نہ تھا ۔ انہوں نے جواب دیا کہ "ہرچہ در دل فرود آید ۔ در دیدہ نکو نماید"

(۹) ترجمہ ۔ تیری آستان تک مشکل سے رسائی ہوسکتی ہے ۔ کیونکہ سرداری کے آسمان پر چڑھنا دشوار ہے معشوق کے آستانہ کو فلک سروری کہا ۔ ایک صاحب نے دوسرے مصرع کا ترجمہ یوں کیا ہے "عروج فلک پہ سرداری دشوار ہے"

(۱۰) ترجمہ ۔ سالکان طریقت آدھی جو پر بھی نہیں خریدتے ۔ اس شخص کی اطلسی قبا جو ہنر سے عاری ہو ۔ یعنی بے ہنر شخص کی اطلسی پوشاک نہایت حقیر اور بے قدر چیز ہے ۔ نیم جو کی قیمت کی نہیں ۔ خلاصہ یہ ہے ۔ کہ ایسے شخص کو اطلسی قبا زیبا نہیں ۔ اور زاہدانِ ریاکار کو جامۂ مرقع غیر موزون ۔

اہل نگرود بجامہ سفیہ ۔		خر نشود از جل دیبا فقیہ (فرد)

(۱۱) ترجمہ ۔ اسکا دل تم نے آزردہ نہ کرنے ہونا تو غضب نہ کرتا کہ ہر شخص کی نجات کم آزاری ہی ہے ۔
خواجہ صاحب کا فلسفہ دیکھیے ۔ کہ معشوق کو اپنی نالہ و فریاد سے بھی آزردہ کرنا نہیں چاہتے ۔ اور انکے نزدیک نجات اسی میں ہے ۔ کہ انسان کم آزار ہو ۔ تمام صوفیائے کرام اور اہل اللہ بزرگوں کا مشرب یہی رہا ہے ۔ کہ دل آزاری سب سے بڑا گناہ ہے ۔ اور صرف کم آزاری ہی وسیلہ نجات ہوسکتی ہے خدا غفور الرحیم ہے ۔ ہم اپنے فرائض سے جو اسکے متعلق ہیں ۔ اگر کوتاہی کریں ۔ تو بخش سکتا ہے مگر ایک انسان کا دل اگر رنجیدہ کیا جائے ۔ تو جب تک وہ معاف نہ کرے معافی مشکل ۔ حدیث ہے

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ ۔

کعبہ بنگاہ خلیل آزر است		دل گذرگاہ جلیل اکبر است

خواجہ صاحب نے اپنے اس مذہب کی جابجا تلقین کی ہے ۔ دیکھو شعرات ۱۲ و ۱۳

غزل (۱۳)

اگرچہ عرض ہنر پیش یار بی ادبیست	۱	زبان خموش ولیکن دہان پر از عربیست

(۶) ترجمہ۔ تیری زلف کا سودا بہت ہی خام آدمیوں کا کام نہیں ہے۔ زنجیر کے نیچے چلنا عیاروں کا کام ہے
عیار۔ بفتح اول و تشدید۔ بہت آمد و رفت کرنے والا آدمی۔ بہت حرکت کرنے والا آدمی۔
ماخوذ از عیر بمعنی ہر سو رفتن اسپ وقت جولان۔ دلیر آدمی جو رات بھر پھرتا رہے اور نڈر ہو۔ چالاک۔
زلف معشوق کو زنجیر کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ معشوق کی زلف کا سودا آسان کام نہیں کیونکہ پابزنجیر رہنا بہت ہی
آدمی کا کام ہے۔ مولوی محمد صادق علی صاحب لکھتے ہیں کہ سلسلہ بمعنی زنجیر و ریسمان کہ در گردن گناہ گاران اندازند یعنی
زلف سلسلہ ایست آویختہ و خون صد ہزاران در زیر او ریختہ۔ پختن اور خام کا مقابلہ ظاہر ہے۔

(۷) ترجمہ۔ ایک پوشیدہ لطیفہ ہے جس سے عشق پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس کا نام لعل لب یا خط زنگاری نہیں ہے۔
مطلب یہ ہے کہ معشوق کی وہ ادا جو عاشق کے دل کو اسیر کر لیتی ہے ایک پوشیدہ نکتہ ہے۔ جسکا بیان کرنا
مشکل ہے۔ نیز نہیں کہہ سکتے کہ معشوق کے لب لعل نے یا خط مشکین نے یا چشم مست نے یا عارض گلگون نے یا اور کسی
خاص چیز نے یا ادا نے عاشق کو اپنی طرف مائل کر لیا ہے۔ بلکہ بحیثیت مجموعی تناسب اعضا اور ناز و ادا
کی ایک خاص کیفیت ہوتی ہے۔ جو عاشق کو فریفتہ کر لیتی ہے۔ اور جس کا اظہار یا تعین لفظوں میں ناممکن ہے۔

زدلبری نتواں لاف زد بآسانی | ہزار نکتہ دریں کار ہست تا دانی

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اس نکتہ کو [illegible] کہا ہے۔

آں نہ خال است و زنخدان و سر زلف پریشان | کہ دل اہل نظر بردہ کہ سریست خدائی

(۸) ترجمہ۔ چشم کی خوبصورتی آنکھ۔ زلف۔ عارض اور خال ہی نہیں معشوق کے کار و بار میں اور بہت سی باتیں ہیں
یہ شعر پہلے شعر سے قطعہ بند ہے۔ اور مطلب یہی ہے۔ جو گذشتہ شعر میں بیان ہوا۔ یہ کہنا ناممکن ہے کہ فلاں عاشق
اپنے معشوق کی چشم مست پرست ہوا۔ یا اسکی شمع عارض کا پروانہ ہے یا اسکی زلف کا دیوانہ ہے کیونکہ یہ تمام اعضا
مشترکاً یا منفرداً دیگر دوسری حسین شخص میں بوجہ احسن موجود ہو سکتے ہیں اور عاشق کو اس خاص شخص پر فریفتہ ہونے
کی پھر کوئی وجہ باقی نہیں رہتی فی الحقیقت کار و بار عشق میں ہزار ہا نکتے ایسے ہیں جو ناقابل بیان ہیں اور جو
حالتیں یا کیفیتیں کسی خاص وقت پر کسی خاص انسان پر اثر کر جاتی ہیں۔ وہ بیان سے باہر ہیں خواجہ صاحب
نے ان دو شعروں میں نہایت لطیف سادگی سے لاجواب کیفیت کو ظاہر کیا ہے۔

فغانی شیرازی نے بھی اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔

[illegible] | [illegible]

شیخ سعدی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں - کہ حسن میمندی سے لوگوں نے پوچھا - کہ سلطان محمود کے سقدر صاحب جمال غلام تھے - کہ ہر ایک لاثانی تھا کسی سے اسکو اتنی میل و محبت نہ تھی جتنی ایاز سے جو اتنا صاحب جمال نہ تھا - انہوں نے جواب دیا کہ "ہرچہ در دل فرود آید - در دیدہ نکو نماید"

(۹) ترجمہ - تیری آستان تک مشکل سے رسائی ہو سکتی ہے - کیونکہ سرداری کا آسمان [illegible] معشوق کی آستانہ کو فلک [illegible] کہا - ایک صاحب نے دو [illegible] کا ترجمہ اسطرح کیا ہے "عروج فلک پر سرداری دشوار ہے"

(۱۰) ترجمہ - سالکان طریقت آدمی جو ہری نہیں خریدتے - اس شخص کی اطلسی قبا جو ہنر سے عاری ہو - یعنی بے ہنر شخص کی اطلسی پوشاک نہایت حقیر اور بے قدر چیز ہے - نیم جو کی قیمت کی نہیں - خلاصہ یہ ہے - کہ ایسے شخص کو اطلسی قبا زیبا نہیں - اور زاہدان ریاکار کو جامہ مرقع غیر موزون -

[illegible]	[illegible] (قرو)

(۱۱) ترجمہ [illegible] آزاری میں ہے -

خواجہ صاحب کا فلسفہ دل دیکھیے - کہ معشوق کو اپنے نالہ و فریاد سے بھی آزردہ کرنا نہیں چاہتے - اور انکے نزدیک نجات اسی میں ہے - کہ انسان کم آزار ہو - تمام صوفیائے کرام اور اہل اللہ بزرگوں کا مشرب یہی رہا ہے - کہ دل آزاری سب سے بڑا گناہ ہے - اور صرف کم آزاری ہی وسیلہ نجات ہو سکتی ہے خدا غفور الرحیم ہے - ہم اپنے فرائض سے جو اسکے متعلق ہیں - اگر کوتاہی کریں - تو بخش سکتا ہے مگر ایک انسان کا دل اگر رنجیدہ کیا جائے - تو جب تک وہ معاف نہ کرے معافی مشکل - حدیث ہے

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ -

کعبہ بنگاہ خلیل آزار است	دل گذرگاہ جلیل اکبر است

خواجہ صاحب نے اپنے اس مذہب کی جا بجا تلقین کی ہے - دیکھو شعر [illegible]

غزل (۱۴)

اگرچہ عرض ہنر پیش یار بی ادبیست	زبان خموش ولیکن دہان پر از عربیست

مصرع اول		مصرع دوم
پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز	۲	بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبیست
سبب مپرس کہ چرخ از چہ سفلہ پرور شد	۳	کہ کام بخشی او را بہانہ بی‌سببیست
ازین چمن گل بیخار کس نچید آری	۴	چراغ مصطفوی با شرار بولہبیست
حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از شام	۵	ز خاک مکہ ابوجہل این چہ بوالعجبیست
جمال دختر رز نور چشم ماست مگر	۶	کہ در نقاب زجاجی و پردہ عنبیست
دوای درد خود اکنون ازاں مفرح جوئی	۷	کہ در صراحی چینی و شیشہ حلبیست
بنیم جو نخرم طاق خانقاہ و رباط	۸	مرا کہ مصطبہ ایوان و پائی خم طنبیست
ہزار عقل و ادب داشتم من ای خواجہ	۹	کنون کہ مست خرابم صلاح بی ادبیست

(۱۰) بیار مے کہ چو حافظ مدام استغفار / بگریہ سحری و نیاز نیم شبیست (۱۰)

(۱) ترجمہ: اگرچہ ہنر کا اظہار دوست کے سامنے بے ادبی ہے اور زبان خاموش ہے لیکن منہ بھرا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری زبان اس لئے خاموش نہیں کہ ہم کچھ کہہ نہیں سکتے بلکہ صرف یار کا ادب ملحوظ ہے

رات میخانہ میں اک گوشہ سے آتی تھی صدا		دل میں سب کچھ ہے [illegible]

(۲) ترجمہ - پری نے منہ چھپایا ہوا ہے اور دیو کرشمہ و ناز میں مشغول ہے عقل حیرت سے جل گئی کہ یہ کیا عجیب بات ہے -

بوالعجب - پر از تعجب - صاحب تعجب - مشعبد - بازیگر - بوالعجبی تعجب عجیب باتیں -

دنیا میں خلاف توقع ہزارہا ایسے واقعات پیش آتے ہیں - کہ عقل حیران ہو جاتی ہے - مستحق محروم رہ جاتے ہیں - اور نا اہل بہرہ مند - عالم بیقدری کے شکار ہیں اور جاہل برسرکار نیک آدمی بدنام ہوتے ہیں - اور برے لوگ نیکنام - حاصل کلام انسانی عقل کے خلاف ہر روز کئی ایسی باتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں - جو آدمی کو حیران کر دیتی ہیں تیسرا چوتھا اور پانچواں شعر بھی اسی مضمون پر ہے خواجہ صاحب کی کلام میں اکثر خلاف معمول غزل تسلسل پایا جاتا ہے -

(۳) ترجمہ - سبب نہ پوچھ کہ آسمان کیوں سفلہ پرور ہوا کیونکہ اسکی مراد بخشی کا بہانہ بے سببی ہے -

وہی مضمون ہے۔ جو پچھلے شعر میں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دنیا اسباب کا نظام ہے اور علت و معلول کا سلسلہ قائم ہے۔ مگر چونکہ مسبب الاسباب کے ہر ایک فعل کو انسانی عقل نہیں پہونچ سکتی اس لئے دنیا میں اکثر ایسے واقعات بھی پیش آجاتے ہیں جنکا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا۔ اور اسلئے کہا جاتا ہے۔ کہ بغیر اسباب کے بھی واقعات کا ظہور ہو جاتا ہے۔ خواجہ صاحب یہ کہتے ہیں کہ یہ نہ پوچھو کہ آسمان سفلہ لوگوں کو کیوں بامراد اور خوش نصیب بنا دیتا ہے کیونکہ اس کا بہانہ موجود ہے کہ بغیر سبب کے بھی کام ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح وہ سفلوں کو بھی بغیر سبب کے بامراد کر دیتا ہے۔ زمانہ میں یہ شکایت عام موجود ہے۔ کہ اہل فضل و کمال حرمان نصیب ہیں اور جاہل جو بظاہر مستحق معلوم نہیں ہوتے۔ کامیاب ہو جاتے ہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔

اگر روزی بدانش بر فزودے	ز ناداں تنگ تر روزی نبودے
بناداں آں چناں روزی رساند	کہ دانا اندراں حیراں بماند

اسی مضمون پر کسی استاد نے کہا ہے۔

جاہل درون مجلس و عالم برون در	جوید ہزار حیلہ بدربان نمی رسد
جہال در تنعم و ارباب فضل را	جز یک ہزار حیلہ بجنان نمی رسد

(۴) ترجمہ۔ اس باغ سے کسی نے گل بغیر خار نہیں توڑا۔ ہاں چراغ مصطفی کے ساتھ بھی شرار بولہب موجود ہے۔

بولہب۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چچا کا نام ہے۔ اصل میں نام عبد العزیٰ تھا۔ رسول کریمؐ سے عداوت اور دشمنی کے باعث بوجہ نفرین بولہب مشہور ہو گیا بعض کہتے ہیں۔ کہ چونکہ اسکا چہرہ شعلہ کیطرح روشن اور تابان تھا۔ اسلئے بولہب کنیت ہوئی۔

مطلب یہ ہے۔ کہ باغ دنیا میں پھول کے ساتھ کانٹا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جیسے اولوالعزم پیغمبر کے ساتھ بھی ان کے چچا کی دشمنی کا خار تھا چراغ کے ساتھ شرار کی نسبت اور بولہب کے لغوی معنوں کی رعایت ظاہر ہے۔ اسی بولہب کی نسبت قرآن کریم میں آیا ہے۔ تبت یدا ابی لهب وتب ما اغنی عنه ماله وما کسب سیصلی نارا ذات لهب وامراته حمالة الحطب فی جیدها حبل من مسد (ترجمہ) ٹوٹ گئے ہاتھ ابولہب کے اور ابولہب اس کو مال نے اور اسکی پیدا کردہ چیزوں نے کچھ فائدہ نہ دیا۔ شعلہ زن آگ میں آپڑیگا۔ اور اسکی عورت بھی جو ہیزم بردار

ہے۔ آگ میں آنچ گئی۔ اس کی گردن میں بیت خرما کی رسی ہے۔

(۵) ترجمہ۔ حسن بصرہ سے۔ بلال حبش سے۔ اور صہیب شام سے۔ اور خاک مکہ سے ابوجہل کیا عجیب بات ہے

حسن بصری۔ ایک ولی کامل کا نام ہے۔ جس نے آنحضرتؐ کا جھوٹا پانی پیا اور ان کی دعا سے کمالات علیہ پر پہنچا۔ حضرت علیؓ سے بہت ارادت تھی۔ ۱۲۰ھ ہجری میں وفات پائی۔

بلالؓ۔ جناب رسول خداؐ کے موذن کا نام ہے۔ جو حبش کے رہنے والے تھے۔ ابتداء میں صدیق اکبرؓ کے غلام تھے۔ انہوں نے آزاد کر دیا تھا۔ وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مکہ میں اسلام قبول کیا۔ آخر عمر میں شام میں سکونت اختیار کی ساٹھ برس سے زیادہ عمر پا کر ۲۰ھ ہجری میں حلب میں وفات پائی۔

صہیب۔ جناب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک صحابی کا نام ہے۔ جو ملک روم کے رہنے والے اور نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ روم سے آکر مسلمان ہوئے۔

ابوجہل۔ مشہور دشمن رسول کریمؐ جس کے متعلق قرآن شریف میں بھی کئی آیتیں ہیں چنانچہ دیکھو سورہ یٰس "انا جعلنا فی اعناقہم اغلالا" سورۂ حم (شان نزول) سورہ حم۔ "سنریہم آیتنا فی الافاق الخ"۔ سورہ دخان۔ "ذق انک انت العزیز الکریم۔ الخ" وغیرہ وغیرہ۔

مشہور شعر ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ لوگ ان ممالک سے جہاں کفر کی سلطنت تھی دور دور کی منزلیں طے کر کے آئے۔ اور برکات اسلام سے فیض یاب ہوئے تعجب کی بات ہے۔ کہ سرزمین مکہ میں جہاں اسلام کا آفتاب عالمتاب اپنی نورانی شعاعوں سے کفر کی قدیمی تاریکی کو دور کر کے ملک عرب کو روشن کر رہا تھا وہاں ابوجہل پیدا ہوا۔ اور تمام عمر وہاں ہی مقیم رہا۔ مگر اس کے دل کی سیاہی دور نہ ہوئی۔

(۶) ترجمہ۔ دختر رز کا جمال ہماری آنکھ کا نور ہے کہ شیشہ کے نقاب اور انگور کے پردہ میں ہے۔

دختر رز۔ انگوری شراب۔ رز یعنی انگور۔ زجاج شیشہ۔ صراحی۔ عنب بکسر انگور۔ شراب انگور میں ہوتی ہے۔ اور وہاں سے نکل کر صراحی میں رہتی ہے۔ لہذا پردہ عنب اور نقاب زجاج کہا۔ آنکھوں کی بینائی بھی پردوں میں رہتی ہے۔ پردہ زجاج اور پردہ عنبی آنکھوں کے پردوں کے نام بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ آنکھوں میں دانہ انگور اور شیشہ کی مثل موجود ہے۔ عنبیہ آنکھ کے تیسرے پردہ کا نام ہے۔ کل سات پردے ہیں اور زجاجیہ ایک رطوبت کا نام ہے۔ جو چوتھے پردے کے بعد ہوتی ہے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ دختر رز ہماری آنکھوں کا نور ہے۔ اور ہمارے دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ شراب

(بینائی کی طرح) پردہ زجاج اور نقاب عنب کے اندر ہے۔

(۷) ترجمہ۔ اپنے درد کی دوا اس مفرح سے ڈھونڈھ جو چین کی صراحی اور حلب کے شیشہ میں ہے۔

مفرح۔ وہ دوا جو دل کو فرحت بخشے۔ اور درد دل کو تسکین دے۔

چین کی صراحی سے۔ اور حلب کا آبگینۂ شراب مشہور۔ مطلب یہ ہے کہ شراب درد دل کی دوا ہے

دیکھو شعر (الف ۱ الف ۳ ت ۲۲)

(۸) ترجمہ۔ میں خانقاہ اور رباط کے محراب کو نصف جو پر بھی نہیں خریدتا۔ میری تو شراب خانہ ایوان ہے۔ اور خم مے کے پائے طنب ہیں۔

طاق۔ محراب۔ محراب بنا عمارت۔ **خانقاہ**۔ خانگاہ حلقہ درویشان۔ درویشوں کا مقام۔ **رباط**۔ بکسر مسافر خانہ۔ فقیروں کی جگہ۔ **مصطبہ**۔ میخانہ شراب خانہ مضطبہ بھی کہتے ہیں۔ **ایوان**۔ نشستگاہ بلند جس پر چھت ہو۔ دیواریں نہیں ہوتیں۔ ستونوں پر چھت ہوتا ہے۔ **طنب** (۱) بفتحتین۔ طناب خیمہ۔ خیمہ کی رسی۔ (۲) بفتحتین مشبک جالی دار۔ جالی دار کمرہ جس کی دیوار میں سوراخ سوراخ ہوں۔

مطلب یہ ہے۔ کہ میرے دل میں محراب خانقاہ کی کچھ وقعت نہیں۔ شراب خانہ میرا ایوان ہے۔ اور خم کے پائے خیمہ کی طنابیں ہیں۔ یا اس ایوان کے ستون ہیں۔ یا بذات خود جالیدار مکان ہیں۔ خواجہ صاحب کا مدعا صرف اتنا ہے کہ زہد خشک کی بمقابلہ عشق الہی ایک جو برابر قدر و منزلت نہیں۔

(۹) ترجمہ۔ اے خواجہ میں ہزار عقل و ادب رکھتا تھا کب سے اب خراب ہوں بے ادبی کا کیا عجب

مطلب یہ ہے۔ کہ جب تک میں ہوش میں تھا۔ ادب ملحوظ تھا۔ اور بیشتر ہو رعاقل و آداب دان تھا۔ اب مے محبت سے مست ہوں۔ اسلئے بے ادب ہوں عشق کی انتہائی منازل میں عاشق و معشوق کے درمیان لحاظ ادب مفقود ہو جاتا ہے۔ قواعد شریعت میں ادب ضروری مگر طریق محبت میں ادب کا کچھ کام نہیں مولانا روم نے اس نکتہ کو بیان کیا ہے۔

موسیا آداب داناں دیگر اند	سوختہ جاناں و رواناں دیگر اند

(۱۰) ترجمہ۔ شراب لا کہ حافظ کی طرح دائی توبہ۔ گریۂ سحری اور نیاز نصف شب ہے۔

یعنی حافظ کی تو یہی ہے۔ کہ وہ سحر کو درگاہ باری میں نالہ و فریاد کرتا ہوا اور آدھی رات کا وقت عجز

دنیا ازین مشغول ہوتا ہے تفصیل کے لئے دیکھو شعر (۱۲)

غزل (۴۲)

عیب رندان مکن ای زاہد پاکیزہ سرشت	۱	کہ گناہ دگرے بر تو نخواہند نوشت
من اگر نیکم اگر بد تو برو خود را باش	۲	ہر کسے آں درود عاقبت کار کہ کشت
ہمہ کس طالب یارند چہ ہشیار چہ مست	۳	ہمہ جا خانۂ عشق ست چہ مسجد چہ کنشت
سر تسلیم من و خشت در میکدہ ہا	۴	مدعی گر نکند فہم سخن گو سر و خشت
نا امیدم مکن از سابقۂ روز ازل	۵	تو چہ دانی کہ پس پردہ چہ خوبست و چہ زشت
نہ من از خانۂ تقوی بدر افتادم و بس	۶	پدرم نیز بہشت ابد از دست بہشت
بعمل تکیہ مکن خواجہ کہ در روز ازل	۷	تو چہ دانی قلم صنع بنامت چہ نوشت
گر نہادت ہمہ این ست زہے پاک نہاد	۸	ور سرشتت ہمہ این ست زہے پاک سرشت
باغ فردوس لطیف ست و لیکن زنہار	۹	تو غنیمت شمر این سایۂ بید و لب کشت

(۱۰) حافظا روز اجل گر بکف آری جامے
یکسر از کوئے خرابات برندت بہشت (۱۰)

اس غزل میں بھی تسلسل مضمون موجود ہے۔ اس طرز کے بانی شیخ سعدی علیہ الرحمۃ تھے۔ خواجہ صاحب نے بھی اکثر غزلوں میں ایک خاص مضمون کا سلسلہ کہا ہے۔ جو دوسرے شاعروں کی غزلوں میں نہیں پایا جاتا۔

(۱) ترجمہ۔ اے زاہد پاکیزہ سرشت رندوں کی عیب جوئی مت کر کیونکہ دوسرے آدمی کا گناہ تیرے حساب میں نہیں لکھینگے نخواہند نوشت کا فاعل کرام کاتبین موکل جو انسانوں کے اعمال لکھتے ہیں۔ سورہ زخرف میں ہے۔ ورسلنا لدیہم یکتبون۔ (اور ہمارے فرشتے ان کے پاس لکھتے ہیں) مطلب یہ ہے۔ کہ اے زاہد تو رندوں پر نکتہ چینی اور ان کی عیب گوئی نہ کر۔ تجھے پرائی کیا پڑی ہے۔ ان کے گناہ تیرے نامۂ اعمال میں نہیں لکھے جائیں گے۔ پاکیزہ سرشت میں طنز بھی ہوسکتی ہے۔

ملک نصیب خلق نے خردمند فاش	بے نصیب خود از عشق مشغول باش

لنا اعمالنا ولکم اعمالکم (بقرہ)

(۲) ترجمہ - میں اگر نیک ہوں یا بد - تو جا اور اپنی فکر کر - ہر شخص انجام کار وہی کاٹیگا جو اس نے بویا ہے مطلب یہ ہے کہ میں اچھا ہوں یا برا - تجھے کیا غرض - تم اپنے اعمال کے جوابدہ ہو اور میں اپنے افعال کا ذمہ وار "لکم دینکم ولی دین" وہی مضمون ہے جو پچھلے شعر کا ہے -

(۳) ترجمہ - تمام لوگ محبوب کی طالب ہیں کیا ہوشیار کیا مست تمام مقام عشق کا گھر ہیں - کیا مسجد کیا دیر -

کنشت - آتشکدہ - یہودیوں کا معبد - سوروں کی باندھنی کی جگہ کنش مخفف ہے - مطلب یہ ہے کہ ہر ایک شخص اسی محبوب کا طالب ہے اور ہر ایک عبادتگاہ اسی کی عبادت کیلئے مخصوص ہے -

ع - سجدہ کا یزد را بود گو سجدہ در میخانہ باش - ملا محمد سعید اشرف نے کہا ہے -

بسیر کعبہ و دیر یم گاہ اینجا و گاہ آنجا	کہ مطلب جستجوئے اوست خواہ اینجا و خواہ آنجا

ایک معبد خانہ عام اول (کشمیر) کے نزدیک بنایا تھا جس پر یہ رباعی کندہ کرائی -

اے تیر غمت را دل عشاق نشانہ	خلقے بتو مشغول تو غائب ز میانہ
گاہ معتکف معبد و گہ ساکن دیرم	یعنی کہ ترا مے طلبم خانہ بخانہ

عارف جامی کا شعر ہے -

بر یاد اوست عیش جوانان میکدہ	وز شوق اوست نعرہ پیران خانقاہ

حقیقت یہ ہے - کہ عارف کیلئے ہر جگہ خانہ خدا ہے - اور ظاہر پرست کسی جگہ ہو - بت پرست ہے - عرفی کہتا ہے -

فقیہاں دفترے را مے پرستند	حرم جویاں درے را مے پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد	کہ یاراں دیگرے را مے پرستند

عرفی نے ایک اور مقام پر اسی مضمون کو ایک لطیف تر تشبیہ سے بیان کیا ہے -

عارف ہم از اسلام خراب است و ہم از کفر	پروانہ چراغ حرم و دیر ندا ند

خواجو کا شعر ہے -

منزل ار یار قرین است چہ دوزخ چہ بہشت		سجدہ گر بنیاز است چہ مسجد چہ کنشت

(۴) ترجمہ - میرا سر تسلیم اور شراب خانوں کے دروازہ کی خاک - مدعی اگر یہ بات نہ سمجھے تو کہو کہ اسکو
میں نے اپنا سر تسلیم در میکدہ پر رکھا ہوا ہے یعنی عشق میں سر تسلیم خم ہے اور رہنمائی ساقی
اگر غیر اس بات کو نہ سمجھ سکے - تو اس کو چاہیئے - کہ اپنے سر پر پتھر مارے - یا اس کی سمجھ پر
سر تسلیم اور خاک ایک طرف اور سر مدعی اور خشت دوسری طرف - اچھی تقسیم ہے -
(۵) ترجمہ - روز ازل کا سابقہ مجھے ناامید نہ کر - تو کیا جانتا ہے - کہ پس پردہ کون خوبصورت ہے
سابقہ - وہ امر جو کسی کام کے سرانجام کے لئے پہلے ہی سے وسیلہ مقرر ہو - ان
کی آشنائی - پہلے کا حق -
مطلب یہ ہے - کہ روز ازل کو ہر ایک انسان کیلئے خدا نے وسیلہ عاقبت مقرر کر دیا -
ہر ایک کی سرنوشت علیحدہ ہے - تجھے کیا معلوم ہے - کہ تیری قسمت میں کیا لکھا ہے -
کا علم نہیں ہے - تو تجھے ناامید کیوں کرتا ہے - یا اس طرح سمجھو کہ روز الست کی
کا حق جو محبوب اور مخلوق کے درمیان ہے - تو مجھ کو اس سے ناامید نہ کر اور وعدہ
کو یاد کر - مجھے تو اپنے محبوب کی مہربانی پر امید ہے - اور تو قبل از وقت کہہ رہا
ہے - کہ انجام کار کون کس حالت میں ہوگا -
(۶) ترجمہ - صرف میں خانہ زہد سے باہر نہیں نکلا - بلکہ میرے پدر (آدم علیہ السلام) نے بھی
جاوداں کو ہاتھ سے چھوڑ دیا تھا -
مطلب یہ ہے - کہ انسان فطرتاً کمزور اور قصوروار ہے - ناقص ہے - اور گنہگار ہے - حضرت آدم
نے بھی غلطی اور نافرمانی کی بنیاد ڈالی - خواجہ صاحب نے اور کئی جگہ بھی اس مضمون کی طرف

پدرم روضۂ رضوان بدو گندم بفروخت		ناخلف باشم اگر من بجوی نفروشم
ما ایں خرمن پندار ز راہ چوں نشدیم		چوں رہ آدم خاکی بیکے دانہ زدند

اس مضمون کے لئے دیکھو اشعار ...
(۷) ترجمہ - اے خواجہ عابد تکیہ نہ کر - کہ روز ازل میں - تو کیا جانتا ہے کہ صنعت و قلم نے
مطلب یہ ہے - کہ اے عابد اپنے اعمال پر مغرور نہ ہو -

کس را بخیر و طاعت خویش اعتماد نیست	آں بی ہنر بود کہ کند تکیہ بر عصا	(سعدیؒ)

تجھے کیا معلوم ہے کہ صانع حقیقی نے تیری قسمت میں کیا لکھا ہے۔ یہی مضمون ہے جو شعر نمبر (۵) میں گزر چکا ہے۔

لیبا امام ریائی و پیشوائی بزرگ	کہ روز حشر وجز اشرمسار خواہد بود	(سعدیؒ)

(۸) ترجمہ۔ اگر تیری طبیعت بس یہی ہے۔ تو بہت پاک طبیعت ہے۔ اور تیری طینت بس یہی ہے۔ تو عجب پاک طینت ہے۔

زہے۔ کلمہ تحسین۔ وعظمت وعزت۔

زاہد کو مخاطب کر کے طنزاً کہا گیا ہے کہ تیری خلقت اگر یہی ہے جو تو ظاہر کرتا ہے۔ تو عجیب اقدس خلقت ہے۔

(۹) ترجمہ۔ بہشت کا باغ لطیف ہے۔ مگر خبردار۔ تو اس بید کے سایہ اور لب کشت کو غنیمت جان۔

مطلب یہ ہے۔ کہ عیش نقد کو غنیمت جان۔ نسیہ کی امید پر ہی نہ رہ۔ نقد و نسیہ کیلئے دیکھو شعر (الف ۹) و شعر (ت ۹) لب کشت یعنی کشت زار کا کنارہ یا کنار باغ اسی مضمون کے لئے دیکھو شعر (الف ۱)

(۱۰) ترجمہ۔ اے حافظ دم والپسین اگر ایک پیالہ ہی تیرے ہاتھ لگ جائے تو کوچہ خرابات سے براہ راست تجھے بہشت میں لے جائیں گے۔

آپ خود فیصلہ کر لیں کہ خواجہ صاحب نے انگور کے طالب ہیں یا شراب طہور کے۔

غزل (۱۳۴)

جز آستان توام در جہان پناہی نیست	۱	سر مرا بجز این در حوالہ گاہے نیست
عدو چو تیغ کشد من سپر بیندازم	۲	کہ تیغ ما بجز از نالہ و آہے نیست
[illegible]	۳	[illegible]

زمانہ گر بزند آتشم بخرمن عمر	۴	بگو بسوز کہ بر من ببرگ کاہے نیست
غلام نرگس جماش آن سہی سروم	۵	کہ از شراب غرورش بکس نگاہے نیست
مباش در پی آزار و ہرچہ خواہی کن	۶	کہ در شریعت ما غیر ازین گناہے نیست
عنان کشیدہ رو ای پادشاہ کشور حسن	۷	کہ نیست بر سر راہی کہ دادخواہے نیست
عقاب جور کشادہ است بال در ہمہ شہر	۸	کمان گوشہ نشینی و تیر آہے نیست
چنین کہ از ہمہ سو دام راہ می بینم	۹	بہ از حمایت زلف توام پناہے نیست

(۱۰) خزینہ دل حافظ بزلف و خال مدہ
کہ کارہای چنین حد ہر سیاہے نیست (۱۰)

(۱) ترجمہ۔ تیری دہلیز کے سوا جہاں میں میری کوئی پناہ نہیں۔ اور میری سر کیلئے اسی دروازہ کے سوا کوئی حوالہ گاہ نہیں ہے۔

حوالہ گاہ۔ یعنی ملجا و ماوا۔ جائے پناہ۔

جز در تو قبلہ نخواہیم ساخت	گر ننوازی تو کہ خواہد نواخت	(نظامی)

شعراء کے تذکروں میں لکھا ہے۔ کہ انوری نے سلطان سنجر کے دربار میں ایک روز جیا کہ قصیدہ پڑھا سلطان بہت خوش ہوا اور کہا کہ نوکری چاہتے ہو یا صلہ۔ انوری نے اسی بحر میں عرض کی کہ

جز آستان توام در جہاں پناہے نیست	سر مرا بجز این در حوالہ گاہے نیست

لکھا ہے کہ اگر انوری نے یہ شعر سلطان سنجر کے دربار میں پڑھا ہے۔ تو یہ شعر ہرگز خواجہ صاحب کا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر شعر خواجہ حافظ کا ہے۔ تو انوری نے اس کو نہیں پڑھا ہوگا۔ کیونکہ انوری چھٹی صدی ہجری کے نصف اول میں ہوا ہے۔ اور خواجہ صاحب آٹھویں صدی کے نصف ثانی میں

(۲) ترجمہ۔ دشمن جب تلوار نکالتا ہے۔ تو میں ڈھال پھینک دیتا ہوں کیونکہ نالہ و آہ کے بغیر ہمارا اور کوئی تیر نہیں

سپر انداختن۔ یعنی مقابلہ نہ کرنا مثلاً

[illegible]	[illegible] سپر انداختن	(سعدی)

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہماری پاس دشمن کے مقابلہ کیلئے تیر آہ کے سوا اور کوئی ہتھیار نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ تیر

ہمیشہ نشانہ پر بیٹھتا ہے۔

(سعدی)	آنچہ کند دود دل مستمند		آتش سوزاں نکند با سپند

خواجہ صاحب کا فلسفہ اخلاق دیکھئے کہ دشمن کا مقابلہ ہی نہیں کرتے۔ انخذوالیٰ کو اشباع کے ساتھ پڑھنا چاہئے ورنہ سکتہ ہوگا

(۳) ترجمہ - میں کوچہ خرابات [illegible] کہ اس سے بہتر میرے لئے جہاں میں کوئی رسم و راہ نہیں ہے

یعنی (یہ امر) میرے لئے بہتر ہے۔

(۴) ترجمہ - زمانہ اگر میری خرمن عمر کو [illegible] لگا دے - کیونکہ وہ میرے نزدیک برگ کاہ کے برابر نہیں

یعنی خرمن عمر کی قدر میری نظروں میں گھاس کی ایک پتی کے برابر بھی نہیں۔ اگر زمانہ [illegible]

ہے - خرمن اور برگ کاہ کا اچھا مقابلہ ہے - خواجہ صاحب حوادث حیات اور واقعات [illegible] پرواہی

ظاہر کرتے ہیں۔

(۵) ترجمہ - میں اس سروسہی کی نرگس مست کا غلام ہوں کہ غرور غرض کی وجہ سے [illegible] نہیں

عیاش - شوخ - دلیر - مست مستی - آرائش کرنیوالا - فریب دینے والا -

مطلب یہ ہے - کہ میں اس معشوق سہی قد کی چشم مست کا غلام ہوں جو غرور کی وجہ سے کسی کی طرف توجہ نہیں کرتی -

(۶) ترجمہ - کسی کو تکلیف دینے کے درپے نہ ہو اور جو کچھ چاہتا ہے کر کیونکہ ہمارے مذہب [illegible] کوئی

گناہ نہیں

خواجہ صاحب نے اس اصول کا کئی بار اعادہ کیا ہے - وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک سب سے

بڑا گناہ آدمی کی دل آزاری ہے - اس سے بچو اور جو کچھ چاہتے ہو کرو - نہایت اعلیٰ اصول ہے -

	کہ چندیں کعبہ ویراں کردہ باشی		شکستِ شیشۂ یک دل چناں است

اسی مضمون کیلئے دیکھو شعرات [illegible]) اور شعرات [illegible])

(عمر خیام)	مپسند کہ کس ز راز تو آزار رسد		خواہی کہ ترا رتبت اسرار رسد

(۷) ترجمہ - اے ملک حسن کے بادشاہ باگ روک کر چل کیونکہ سر راہ پر کوئی ایسا آدمی نہیں جو داد خواہ نہ ہو

یعنی ہر جگہ راستے پر دادخواہ کھڑے ہیں - انکی عرض معروض سنتا جا اور گھوڑے کو تیز نہ ہونے دے -

حکام وقت کے دورہ کی غالباً یہ غرض نہیں ہوتی -

(۸) ترجمہ ۔ ظلم کے عقاب نے تمام شہر میں بال و پر کھولے ہوئے ہیں کسی گوشہ نشین کی کمان اور آہ کا تیر (شائد) نہیں ہے ۔

عقاب ۔ ایک سیاہ رنگ کا شکاری پرند ہے جو بہت تیز پرواز اور طاقتور ہوتا ہے ۔ ظلم کو عقاب سے تشبیہ دی ہے ۔ اور کہا ہے ۔ کہ تمام شہر میں ظلم برپا ہے ۔ کیا کوئی گوشہ نشین درویش نہیں جو عقاب ظلم کو تیر آہ سے مارے ۔ ظالم کی ہلاک کیلئے سب سے زیادہ موثر طریقہ یہی ہے ۔

زور مندی مکن بر اہل جہاں	تا دعائے بر آسمان نرود
[illegible] سے رود با ما	با خداوند غیب دان نرود

کمان سے مراد قد خمیدہ گوشہ نشین ہے ممکن ہے خواجہ صاحب کا کسی خاص ظالم عامل کی طرف اشارہ ہو

(۹) ترجمہ ۔ یہ حالت ہے کہ ہر طرف سے میں راہ کے جال [illegible] ہوں ایسی صورت میں تیری زلف کی حمائت سے بہتر میرے لئے کوئی پناہ نہیں ۔

یعنی دنیا میں چاروں طرف راہ پر خطر ہے ۔ جابجا جال لگے ہیں ۔ ہر وقت لغزش پا کا خطرہ ہے اس لئے تیری زلف کی مدد کے سوا اب اور کوئی چارہ نہیں ۔ زلف خود دام ہے مگر یہ دام اور تمام جالوں سے اچھا ہے ۔ دام عشق انسان کو اور تمام قیود سے آزاد کر دیتا ہے ۔ اس لئے عاشق قیود دنیا کی زنجیروں کو توڑ کر زنجیر عشق میں قید ہونا پسند کرتا ہے ۔

نسخہ ایک پرانے قلمی دیوان سے لیا گیا ہے ۔ مروجہ نسخہ یہ ہے ۔ "چینیں کہ در ہمہ سو دام راہ مے بینم"۔

(۱۰) ترجمہ ۔ حافظ کے دل کا خزانہ زلف و خال کو نہ دے کہ ایسے کام میرے [illegible] کی [illegible] ہیں ۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ بس زلف و خال ہی کے حوالے میرا دل نہ کر دے ۔ کیونکہ یہ ایک قیمتی اور بے بہا خزانہ ہے ۔ یہ سیاہ رنگ والے اس قابل نہیں کہ اتنے خزانے کو محفوظ رکھ سکیں ۔ مطلب یہ ہے ۔ کہ حافظ صرف خال و خط پر ہی دل ہارنے والا نہیں ۔ بلکہ اس کو فریفتہ اور شیدا کرنے کے لئے اور اور اوصاف چاہئیں ۔

دیکھو شعر (ات ۱۲ و ت ۱۲)

غزل (۴۴)

حال دل با تو گفتنم ہوس ست	۱	خبر دل شنفتنم ہوس ست
طمع خام بین کہ قصہ فاش	۲	از رقیبان نہفتنم ہوس ست
شب قدری چنین عزیز و شریف	۳	با تو تا روز خفتنم ہوس ست
وہ کہ دردانۂ چنین نازک	۴	در شب تار سفتنم ہوس ست
اے صبا امشبم مدد فرمائی	۵	کہ سحرگہ شکفتنم ہوس ست
از برائے شرف بنوک مژہ	۶	خاک راہ تو رفتنم ہوس ست

(۷) ہمچو حافظ برغم مدعیان
شعر رندانہ گفتنم ہوس ست (۷)

(۱) ترجمہ - میری یہ خواہش ہے - کہ دل کا حال تجھے کہوں - خبر دل کے سننے کی مجھے ہوس ہے - یعنی یہ ہوس ہے کہ تو میری [illegible] خبر سنے - یا یہ بھی ہو سکتا ہے - کہ میں تجھ سے اپنے دل کے متعلق جو تیری پاس ہے کچھ سنوں

(۲) ترجمہ - میری خام خواہش کو دیکھ کہ قصہ فاش کو رقیبوں سے پوشیدہ رکھنے کی ہوس ہے - مطلب یہ ہے - کہ میرا راز عشق اب فاش ہو چکا ہے - اور دنیا کو [illegible] ہے معشوق کو دل دے چکا ہوں - اور عشق [illegible] - اب میری یہ امید بیہودہ ہے کہ میرا راز رقیبوں سے پوشیدہ رہیگا

ع
کہ عشق و مشک را نتوان نہفتن

(۳) ترجمہ - ایسی بیش بہا اور شریف شب قدر کو تیرے ساتھ صبح تک سو کر گذارنے کی خواہش ہے

شب قدر - تحقیق کے لئے دیکھو شعر (ب ۴)

مطلب یہ ہے - کہ میں شب کو تیرے وصال ہی میں گذاردوں اور ما سوا کے خیالات سے [illegible]

(۴) ترجمہ - واہ! ایسے نازک موتی کے دانہ کو میں اندھیری رات میں پرونا چاہتا ہوں -

یہ اور پچھلا شعر قطعہ بند ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا سے جہاں تیرہ و تار ہیں مشاہدہ کا کیا سبیل ہے۔ احمق ہوں تعلقات جسمانی۔ اور قیود مکانی و زمانی میں روح جب تک قید ہے مشاہدہ ناممکن ہے۔

[illegible]

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار — کہ پیدا نشد تختہ بر کنار

چہ شبہا نشستم دریں سیر گم — کہ دہشت گرفت آستینم کہ قم

محیط است علم ملک بر بسیط — قیاس تو بروے نگردد محیط

(۵) ترجمہ۔ اے صبا آج رات تو میری مدد کر۔ کہ سحر کے وقت مجھے شگفتہ ہونے کی خواہش ہے
صبا کے متعلق پہلے کئی بار لکھا جا چکا ہے۔ باد بہاری جو غنچوں کو شگفتہ کرتی ہے صبا کہلاتی ہے۔ عاشق صبا کو معشوق کا قاصد خیال کرتے ہیں گویا وہ زلف عنبریں سے خوشبو لاتی ہے اور عاشق کے غنچۂ دل کو آ کر شگفتہ کرتی ہے۔ خواجہ صاحب بادِ صبا سے درخواست کرتے ہیں کہ معشوق کی خوشبو لا کر آج صبح میرے غنچۂ دل کو شگفتہ کر۔

(۶) ترجمہ۔ حصولِ شرف کیلئے نوکِ مژگاں سے تیری راہ کی خاک جھاڑنے کی خواہش ہے۔
یعنی تیری راہ پر پلکوں سے خاکروبی کرنا میرے لئے باعث فخر و موجب سعادت ہے۔

(۷) ترجمہ۔ حافظ کی طرح دشمنوں کی نکتہ چینیوں کے باوجود مجھے رندانہ انداز میں شعر کہنے کی خواہش ہے
برغم۔ یعنی۔ علی الرغم یا علی رغم الف (رغم۔ خاک آلودہ ہونا۔ خوار ہونا۔ الف۔ یعنی ناک) مجازاً برخلاف برعکس۔ کیونکہ کسی آدمی کے برخلاف رائے کوئی کام کرنا۔ گویا اسکی ناک کو خاک آلود کرنا ہے۔
مطلب یہ ہے۔ کہ حاسدوں اور دشمنوں کو ذلیل کرنے کیلئے انکی برخلاف رائے اور انکی نکتہ چینیوں کی پرواہ نہ کرکے۔ حافظ رندانہ طرز میں شعر لکھتا ہے۔ خواجہ صاحب کو معلوم ہے۔ کہ انکی رندانہ روش پر لوگ اعتراض کرینگے اسلئے کہتے ہیں کہ معترضین کی رائے کے خلاف میں اسی روش پر چلونگا اور انکی خردہ گیریوں کی مجھے بالکل پرواہ نہیں۔

خواجہ صاحب نے یہ غزل رندانہ طرز میں لکھی ہے۔ اور خصوصاً شعر نمبر (۳) اور (۴) جو قطعہ بند ہیں۔ وہ تو ظاہری معنوں میں قواعد تہذیب کے ہی خلاف ہیں۔

مروجہ نسخوں میں برغم کی بجائے زرغم لکھا ہے۔

غزل (۹۵)

حسنت باتفاق ملاحت جہاں گرفت	۱	آرے باتفاق جہاں می تواں گرفت
افشای راز خلوتیاں خواست کرد شمع	۲	شکر خدا کہ سر دلش در زباں گرفت
میخواست گل کہ دم زند از رنگ و بوی تو	۳	از غیرت صبا نفسش در دہاں گرفت
چوں لالہ کج نہادہ کلاہ طرب ز کبر	۴	ہر داغ دل کہ داد بجام ارغواں گرفت
آں روز شوق ساغر می خرمنم بسوخت	۵	کآتش ز عکس عارض ساقی دراں گرفت
آسودہ بر کنار چو پرگار می شدم	۶	دوراں چو نقطہ عاقبتم در میاں گرفت
خواہم شدن بکوی مغاں آستیں فشاں	۷	زیں فتنہا کہ دامن آخر زماں گرفت
بر برگ گل بخون شقائق نوشتہ اند	۸	کاں کس کہ پختہ شد می چوں ارغواں گرفت
می دہ کہ ہر کہ آخر کار جہاں بدید	۹	از غم سبک برآمد و رطل گراں گرفت
می دہ بجام جم کہ صباح صبوحیاں	۱۰	چوں یافت صبح تیغ زر افشاں جہاں گرفت
فرصت نگر کہ فتنہ چو در عالم اوفتاد	۱۱	عارف بجام می زد و از غم کراں گرفت
زیں آتش نہفتہ کہ در سینۂ من ست	۱۲	خورشید شعلہ ایست کہ در آسماں گرفت

(۱۳) حافظ چو آب لطف ز نظم تو می چکد
غیرے چگونہ نکتہ تواند براں گرفت (۱۳)

(۱) ترجمہ — تیرے حسن نے ملاحت سے مل کر جہاں کو فتح کیا۔ ہاں اتفاق سے جہاں فتح کیا جا سکتا ہے
ملاحت — [illegible] سبزی مائل سانولا رنگ — خوبصورتی — سانولا رنگ جس میں تناسب اعضا ہو
مطلب یہ ہے [illegible] سے مل کر دنیا کو فتح کر لیا ہے — اور کیوں نہ ہو اتفاق
سے دنیا فتح ہو سکتی ہے — دلیل اچھی ہے — مذہب کلامی اور حسن تعلیل کو جمع [illegible]

(۲) ترجمہ ۔ شمع نے احبابِ خلوت کا راز فاش کرنا چاہا ۔ خدا کا شکر ہے کہ اسکے دل کا راز زبان پر رہ گیا ۔

شمع چونکہ خلوت میں موجود ہوتی ہے ۔ اس لئے محرمِ راز ہے ۔ وہ بزمِ شب کا راز افشا کرنا چاہتی تھی ۔ مگر شکر ہے ۔ کہ اس کا راز زبان تک آکر رک گیا ۔ شمع جوں جوں جلتی جاتی ہے سرِ فتیلہ پر گرہ پڑتی جاتی ہے اسلئے سرِ زبان گرفت کہا ۔ اور شمع صبح ہونے پر یوں ہی گل کر دی جاتی ہے ۔ افشائے راز کا موقعہ ہی نہیں ملتا ۔

(۳) ترجمہ ۔ پھول چاہتا تھا کہ تیرے رنگ و بو کا دم مارے غیرت کیوجہ سے صبا نے سانس اسکا منہ میں بند کر دیا ۔

مطلب یہ ہے ۔ کہ گل تیری برابری کا دعوی کرنے والا تھا ۔ صبا کو غیرت محسوس ہوئی اور اس نے پھول کے سانس کو بند کر دیا ۔ اور دعوی نہ کرنے دیا ۔

ظاہر ہے ۔ کہ پھول کی خوشبو صرف بذریعہ صبا منتشر ہو سکتی ہے ۔ اور صبا نے گل کو اگر نہ پھیلانا چاہے تو وہ پھول ہی میں بند رہیگی ۔ پھول خوشبودار ہونے ہی سے معشوق کی برابری کا دعوی صرف اسی طرح کر سکتا تھا ۔ کہ اپنی خوشبو کو مشام عاشقان تک پہنچائے (دم زدن)

صبا نے پھول کی گستاخی پر اسکی خوشبو کو اسکے اندر ہی بند کر دیا (نفس اندر دہانش گرفت)

[illegible]	[illegible]

(۴) ترجمہ ۔ [illegible] شراب سرخ پیا

داغ دل ۔ یعنی وہ شخص جس کے دل پر داغ ہو ۔ عاشق ۔

گل لالہ کے اندر ایک نشان ہوتا ہے جسے داغِ دل سے تشبیہ دیتے ہیں

نیز گل لالہ شراب کی طرح سرخ رنگ ہوتا ہے ۔ اور ایک طرف جھکا ہوتا ہے ۔ خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ لالہ کی طرح جس شخص کے دل میں داغ ہو ۔ اور وہ شراب سرخ پیئے تو وہ بھی خوش ہو اور کبر سے لالہ کی طرح ہمیشہ کج کلاہ رہیگا ۔ کج کلاہ یعنی مغرور (مغرور آدمی ٹوپی قصداً ٹیڑھی رکھتے ہیں)

(۵) ترجمہ ۔ اس حسرتِ جام کے عشق نے میرا خرمن جلا دیا ۔ تیرے ساقی کے چہرہ کے عکس سے اس میں آگ لگی ۔

مطلب یہ ہے ۔ کہ جس روز سے میں نے جام میں معشوق کے چہرہ کا عکس دیکھا ہے جام کا عاشق ہو گیا ہوں ۔ دیکھو شعر الف ۔ شراب آتشی رنگ کی ہوتی ہے لہذا آتش [illegible] گرفت کہا ۔

(۶) ترجمہ - پہلے پرکار کی طرح [illegible] میں تھا - زمانہ نے نقطہ کی طرح آخر کار مجھے درمیان میں بند کیا ہے -

پرکار کے دو پاؤں ہوتے ہیں - ایک نقطہ مرکز پر قائم رہتا ہے اور دوسرا دائرہ کے محیط پر گردش کرتا ہے -

خواجہ صاحب کہتے ہیں - کہ میں پرکار کی بیرونی شاخ کی طرح پہلے تو دائرہ کائنات سے باہر باہر پھرا کرتا تھا - اور برکنار رہنے کی وجہ سے آزاد اور آسودہ تھا - گردش روزگار نے مجھے اندرونی شاخ کی طرح [illegible] بند کر دیا - یعنی پہلے تعلقات دنیا سے آزاد تھا - اب ان میں گرفتار ہوں - یا ایک روز قیود جسمانی سے آزاد تھا - اور روحانی زندگی بسر کرتا تھا - اب قفس عنصری میں ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کر رہا ہوں -

(۷) ترجمہ - میں کوئے مغاں میں آستین جھاڑ کر جاؤں گا - ان فتنوں سے جو زمانہ آخر کے دامنگیر ہیں

آستین فشاں - آستین فشاندن - رقص کرنا - سماع کرنا - عطا کرنا - آستین افشاندن از چیزے - ترک کرنا - رد کرنا اس چیز کا -

مطلب یہ ہے - کہ موجودہ زمانے میں فتنے اس قدر بڑھ گئے ہیں اور مذہب میں اس قدر ریاکاری اور بے اخلاصی ہو گئی ہے - کہ میں موجودہ طریق کو سخت ناپسند کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ان فتنوں کو ترک کر کے مشرب رندی اختیار کر لوں - رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی آخر الزمان ہیں - اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے - کہ موجودہ مسلمانوں کی طرز اور روش اس قابل نہیں ہے اور نبی آخر الزمان کے پیرو اب ایسے حال میں نہیں ہیں کہ ان کو سچا مسلمان کہا جائے - اور ان کے ساتھ تعلقات قائم رکھے جائیں - اس سے بہتر ہے - کہ رندوں میں جا کر شامل ہو جاؤں - خواجہ صاحب اسی مضمون پر کہتے ہیں

اگر مسلمانی ہمیں است کہ [illegible]

ترجمہ - [illegible] سے مقابلہ ہیں کہا ہے -

از ترحم [illegible]

(۸) ترجمہ - پھول کی پتی پر لالہ کے خون سے لکھا [illegible] -

شقایق نعمان ۔ گل لالہ مفرد اور جمع دونوں صیغوں میں استعمال ہوتا ہے مطلق معنی گل [illegible]
نہایت سرخ رنگ کا لالہ ہے۔

مطلب یہ ہے۔ کہ جو شراب سرخ کی پختہ کاری حاصل نہیں ہوتی چنانچہ پھول کی پتی اس امر کی گواہ ہے۔ کیونکہ پھول پورا شگفتہ ہوتا ہے۔ تو اس کا رنگ گل لالہ کی طرح نہایت سرخ ہو جاتا ہے۔ گویا شراب سرخ پی کر پختہ ہوتا ہے۔ عاشق حق کی پختہ کاری بھی مے معرفت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

(۹) ترجمہ ۔ شراب پی کیونکہ جس نے جہان کو آخر کار دیکھ لیا غم سے ہلکا ہوا۔ اور فکر کا بڑا پیمانہ پیا۔

رطل ۔ بکسر و بالفتح ۔ نصف سیر کا پیمانہ ۔ پیالہ شراب جس میں نصف سیر شراب کی گنجائش ہو مطلق پیالہ شراب ۔ رطل گراں ۔ پیمانہ بزرگ (برہان قاطع)

مطلب یہ ہے ۔ کہ جب دنیا کا انجام فنا ہے ۔ تو اسکے افکار و آلام سے پریشان نہ ہو ۔ اور اسکے حصول کیلئے مصیبتیں برداشت نہ کر شراب پی اور غم سے سبکدوش ہو جا ۔ دیکھو شعر (الف [illegible]) وغیرہ شعر میں سبک اور گراں کی مقابلہ نے ایک لطافت پیدا کر دی ۔

(۱۰) ترجمہ ۔ جام جم سے شراب پی کہ صبوح خواروں کی صبح نے بادشاہ کی طرح تیغ زر افشاں سے دنیا فتح کر لی ۔

جام جم ۔ تحقیق کیلئے دیکھو شعر الف [illegible] ۔

مطلب یہ ہے کہ سورج نکل آیا شراب صبوح (صبح کی شراب) پی ۔ سورج کی کرنوں کو زر افشانی سے تشبیہ دی ہے ۔ صبح کو بادشاہ کہا ۔ اور سورج کو تیغ زر افشاں جس طرح بادشاہ ملک گیری کی خوشی میں زر افشانی کرتا ہے ۔ اسی طرح صبوح خوار بھی آفتاب کی عالمگیری پر شراب مانگتا ہے ۔ اور جام جم پی ۔

(۱۱) ترجمہ ۔ [illegible] کہ جہاں فتنہ برپا ہوا ۔ عارف نے [illegible] شغل کیا ۔ اور غم کو [illegible]

مطلب وہی ہے ۔ جو شعر (ت [illegible]) میں ہے ۔ عارف یعنی حقیقت شناس ۔

(۱۲) ترجمہ ۔ [illegible] خورشید کو آگ [illegible] میری [illegible] آسمان کو جا لگا ۔

مطلب یہ ہے ۔ کہ میرے سینے میں [illegible] کہ سورج بھی [illegible] مقابلہ نہیں کر سکتا میرے سینہ کی آگ کا ایک شعلہ اٹھ کر آسمان کو جا لگا ۔ اور سورج کو جلا دیا ۔

(۱۳) ترجمہ ۔ اے حافظ تیری نظم سے پانی کی طرح لطف ٹپکتا ہے بخیل کی طرح اس پر نکتہ چینی کر سکتا ہے ۔

آب لطف سے اگر اضافت ہو تو معنی یہ ہونگے ۔ اے حافظ جب تیری نظم سے لطف ٹپکتا ہے الخ

غزل (۴۶)

خیال روی تو در ہر طریق ہمرہ ماست	۱	نسیم موی تو پیوند جان آگہ ماست
ببین کہ سیب زنخدان او چہ میگوید	۲	ہزار یوسف مصری فتادہ در چہ ماست
برغم مدعیانی کہ منع عشق کنند	۳	جمال چہرہ تو حجت موجہ ماست
اگر بزلف دراز تو دست ما نرسد	۴	گناہ بخت پریشان و دست کوتہ ماست
بصورت از نظر ما اگرچہ محجوب است	۵	ہمیشہ در نظر خاطر مرفہ ماست
بحاجب در خلوت سرای خاص بگو	۶	فلان ز گوشہ نشینان خاک درگہ ماست

(۷) اگرچہ سائل حافظ دری زند بگشا
کہ سالہاست کہ مشتاق روی چون مہ ماست (۷)

(۱) ترجمہ ۔ تیرے چہرہ کا خیال ہر طریق میں ہمارے ہمراہ ہے تیری زلفوں کی خوشبو ہماری واقف کار جان کا پیوند ہے یعنی جو رستہ ہم اختیار کریں اور جو مشرب قبول کریں خیال محبوب ہمارے ساتھ ہے ۔ اور اس کی زلفوں کی خوشبو ہمارے مشام جان کو ہر وقت معطر کرتی رہتی ہے ۔

ع ہمہ جا خانۂ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

(۲) ترجمہ ۔ دیکھ کہ اسکی سیب زنخدان کیا کہتا ہے ۔ کہ ہزار یوسف مصری ہمارے چاہ میں گرے ہوئے ہیں شاعر کا مطلب یہ ہے ۔ کہ ہزارہا حسین میرے معشوق پر عاشق ہیں ۔ یوسف ۔ اور چاہ کنعان کا واقعہ مشہور ہے ۔ سیب زنخدان اور چاہ زنخدان کے لئے دیکھو شعر الف ۲ ۔

(۳) ترجمہ ۔ علی الرغم دشمنان جو عشق سے منع کرتے ہیں ہمارے لئے تیرا جمال اور چہرہ وجہ موجہ ہے ۔
برغم تحقیق کیلئے دیکھو شعر (ت ۱۴) حجت موجہ ۔ وجہ معقول وجہ ۔

[illegible]

کیلئے ہمارے پاس کافی وجوہ اور معقول دلائل موجود ہیں۔ تیرا حسن خود اس امر کی گواہی دیتا ہے۔ کہ ہم تجھ پر بے وجہ عاشق نہیں ہوئے۔

[illegible]	[illegible]

مطلب یہ ہے۔ کہ اگر ہم تیرے مشاہدہ سے محروم ہیں تو اسکی وجہ یہ نہیں کہ ہمکو تیرے وصال کا شوق نہیں۔ یہ ہماری بدنصیبی اور نارسائی کی وجہ سے ہے۔

[illegible]	[illegible]

زلف دراز اور دست کوتاہ کے مقابلے نے اور زلف پریشان اور بخت پریشاں کی رعایت نے شعر کی لطافت کو دوبالا کر دیا ہے۔

اس شعر کے معنی شعرات [illegible] کے مطابق ہی ہو سکتے ہیں۔

(۵) ترجمہ۔ بظاہر صورت اگرچہ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے لیکن ہمیشہ ہمارے شگفتہ دل کی آنکھوں میں موجود ہے۔

مرفہ۔ یا مرفہ الحال۔ خوش۔ آسودہ۔ شگفتہ۔ مرفہ اس لئے کہا کہ یار کی صورت ہمیں موجود ہے

چشم بالہ نوال [illegible]	در کنار من و من [illegible]

(۶) و (۷) یہ دونو شعر یکجا پڑھنے چاہئیں۔ مروجہ نسخوں میں شعر نمبر (۵) اشعار ہذا کے درمیان لکھا ہے۔ مگر اس صورت میں مطلب درست نہیں رہتا۔ چنانچہ شارحین نے مقطع میں رقیب کو مخاطب کیا ہے۔ حالانکہ مخاطب دربان ہے۔

ترجمہ۔ خلوت [illegible] خاص کے دربان یا پردہ دار کو کہو کہ فلاں شخص ہمارے دربار کی خاک کے گوشہ نشینوں میں سے ہے۔ اگر حافظ سائل کی طرح دروازہ کھٹکھٹائے۔ تو دروازہ کھول دے۔ کیونکہ وہ کئی سالوں سے ہمارے چاند جیسے چہرہ کا مشتاق ہے۔

مطلب یہ ہے کہ معشوق اپنے دربان کو کہتا ہے کہ حافظ ہمارا عاشق ہے۔ اگر وہ دروازہ

[illegible]

غزل (۴۷)

جریدہ رو کہ گذرگاہ عافیت تنگ است	۲	پیالہ گیر کہ عمر عزیز بی بدل است
نہ من ز بی عملی در جہان ملولم و بس	۳	ملالت علما ہم ز علم بی عمل است
بچشم عقل درین رہگذار پر آشوب	۴	جہان و کار جہان بی ثبات و بی محل است
دلم امید فراوان بوصل روی تو داشت	۵	ولی اجل بره عمر رہزن امل است
ز قسمت ازلی چہرہ سیہ بختان	۶	بشست و شوی نگردد سفید و این مثل است
بگیر طرہ مہ طلعتی و قصہ مخوان	۷	کہ سعد و نحس ز تاثیر زہرہ و زحل است
خلل پذیر بود ہر بنا کہ می بینی	۸	مگر بنای محبت کہ خالی از خلل است

(۹) بہیچ دور نخواہند یافت ہشیارش
چنین کہ حافظ ما مست بادہ ازل است (۹)

(۱) ترجمہ - اس زمانہ میں وہ دوست جو خلل سے خالی ہے شراب خالص کی صراحی اور غزل کی کتاب ہے -

سفینہ - (۱) شعروں کی بیاض - (۲) کشتی -

مطلب یہ ہے - کہ اس زمانہ پر آشوب میں کوئی دوست قابل اعتماد نہیں رہا - صرف شراب اور کتاب ہی دو ایسے وفادار رفیق ہیں جن کی صحبت سے نقصان کا خدشہ نہیں -

سکون خاطر مضطر شراب است	رفیق کنج تنہائی کتاب است

(۲) ترجمہ - تنہا چل کیونکہ آرام کا رستہ تنگ ہے - جام لے کیونکہ عمر گرامی بے بہا جوہر ہے -

مطلب یہ ہے - کہ اگر دنیا میں آرام سے رہنا منظور ہے تو تعلقات سے علیحدہ رہنا - اور آزادانہ [illegible] کیونکہ راہ [illegible]

دنیا میں تنہا تنگ ہے۔ کہ اس راستہ پر صرف تن تنہا اکیلی چل سکتا ہے۔ یعنی راہ فنا میں گنجائش نہیں چونکہ عمر ایسی چیز ہے۔ کہ جس کا بدل نہیں مل سکتا۔ اور گذرا ہوا وقت پھر نہیں ہاتھ آسکتا اس لئے کوشش کر۔ کہ زندگی خوشی سے گذرے۔ اور تفکرات تجھے پریشان خاطر نہ کرسکیں اور لشکر غم اقلیم ہستی پر یورش کرنے لگے۔ تو اس کا مقابلہ جام مے سے کر۔

(۳) ترجمہ۔ صرف میں ہی دنیا میں بے عملی سے ملول نہیں ہوں عالموں کی ملالت بھی علم بے عمل کی وجہ سے ہے۔

ملال۔ رنجیدہ۔ اوداس۔ ملالت۔ اوداسی۔ اوداس ہونا۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ صرف میں ہی اعمال صالحہ کی کمی سے پریشان خاطر نہیں ہوں۔ بلکہ عالمان دین اور مجتہدان عصر بھی علم بے عمل پر نادم ہیں شاعر کو یہاں اپنی بے عملی اور عالموں کی بے عملی میں فرق جتانا منظور ہے۔ یعنی میں تو عالم نہیں۔ اسلئے اگر عمل نہ ہوئے۔ تو خیر لیکن قابل نفرت ان لوگوں کی حالت ہے۔ جو عالم دین ہو کر بے عمل ہیں۔ اعوذ باللہ من علم بلا عمل۔

(۴) ترجمہ۔ جہاں آشوب عقل کی آنکھ سے دیکھ۔ کہ جہان اور جہان کے کام بے ثبات اور بے محل ہیں مطلب یہ ہے۔ کہ غور سے دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ دنیا ناپائدار اور دنیا کے کام فضول ہیں۔

جہان آب نہ زد ... ... نشد　　آن نہ ... ... ریز ... است

(۵) ترجمہ۔ تیرے لکھنے پر چہرہ دیکھنے کی بہت امید تھی۔ لیکن موت شاہراہ عمر پر امید کی راہزن ہے۔ یعنی امید وصال ہے۔ مگر زندگی کا بھروسہ نہیں۔ گویا موت ان امید کی قاطع الطریق ہے۔

نیز وعدہ ... اور صبر کرتے　　نہیں ہی زندگی کا اگر اعتبار ہوتا

خاقانی کا شعر ہے۔

کاشتم تخم امل ... پاک ابوخت　　کشتن تخم چہ سود است کہ برے نرسد

(۶) ترجمہ۔ تقدیر ازلی سے سیہ بختوں کا چہرہ دھونے سے سفید نہیں ہوتا۔ اور یہ مثل ہے۔ خواجہ صاحب نے ... فرمایا ہے کہ جو ازل سے سیاہ بخت ہوں وہ کسی طرح خوش نصیب نہیں ہو سکتے خواہ وہ کتنی ہی کوشش کریں۔ سچ ہے کہ بتوان شستن از زنگی سیاہی

(۷) ترجمہ۔ کسی ہوش کی زلف کو پکڑا اور یہ قصہ نہ پڑھ۔ کہ سعد و نحس زہرہ اور زحل کا اثر سے ہے۔

زہرہ مشہور ستارہ [illegible] عربی میں بضم اول اور بفتح ثانی پڑھا جاتا ہے۔ تلفظ فارسی میں ہائے ساکن ہے زہرہ کے دو برج ہیں ایک ثور دوسرا میزان اور اس کا مقام آسمان سوم ہے رنگ سفید۔ ملک ماوراء النہر اسکے حوالے ہے۔ سعد ہے۔ **زحل** بضم اول و فتح ثانی سیارہ کا نام ہے۔ جو ساتویں آسمان پر ہے۔ اور نحس اکبر ہے۔ تمام سیاروں میں بلند ترین اور نحس ترین ستارہ ہے مطلب یہ ہے کہ ان باتوں کو چھوڑ کہ زہرہ مبارک اور زحل منحوس ستارہ ہے کیونکہ فی الحقیقت اختیار معشوق مطلق کے طرہ و طلعت کی ہاتھ میں ہے۔ تو معشوق ماہ رو کی زلف کو پکڑ لے۔ اور سعد و نحس سے بےفکر ہو جا۔ زہرہ و زحل کا ماہ سے اچھا مقابلہ کیا ہے۔

طرہ (زلف سیاہ) جو سر پر ہے بمقابل زحل جو ساتویں آسمان پر ہے۔ اور طلعت (چہرۂ روشن) بمقابل زہرہ جو سفید رنگ ستارہ ہے۔ بطریق تشبیہ استعمال ہوئے ہیں "قصہ مخوان" کو دوسرے مصرع سے متعلق نہ کیا جائے اور دوسرے مصرع کے لفظ "کہ" سے مراد کیونکہ لی جاوے۔ تو مطلب برعکس ہو سکتا ہے۔

[illegible] چون رشتہ نگاہ	(۹)	حوادث [illegible]	[illegible]

(۸) ترجمہ [illegible]

مطلب یہ ہے کہ سوائے عشق حقیقی کے باقی سب باتیں بے بنیاد ہیں دنیا اور مافیہا کا انجام فنا ہے۔ العبد

ع

هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد بعشق

(۹) ترجمہ۔ کسی زمانہ میں بھی لوگ اسکو ہشیار نہیں پائینگے اسلئے کہ ہمارا [illegible] کا مست ہے حافظ روز میثاق سے بادۂ محبت کا سرشار ہے۔ ع یہ وہ نشے نہیں جنہیں ترشی اتار دے

(دیکھو تشریحات ۴ و ت ۱۲)

غزل (۴۸)

دل و دینم شد و دلبر بملامت برخاست	۱	گفت با ما منشین کز تو سلامت برخاست
کہ شنیدی کہ درین بزم دمی خوش بنشست	۲	کہ نہ در آخر صحبت بندامت برخاست
شمع گر زان لب خندان بزبان لافی زد	۳	پیش عشاق تو شبہا بغرامت برخاست
در چمن باد بہاری ز کنار گل و سرو	۴	بہواداری آن عارض و قامت برخاست

[illegible]		[illegible]
پیش رفتار تو پا برنگرفت از خجلت	(۴)	سرو سرکش کہ بناز از قد و قامت برخاست
(۵)	[illegible]	
	کاتش از خرمن سالوس و کرامت برخاست	

[illegible]

چلی گئی -

مطلب یہ ہے - کہ ہم نے دل و دین [illegible] و ایمان اسکے عشق میں ہار دیئے اسی دیکھو کہ اب ہمیں اس لئے اپنے پاس ہی نہیں بیٹھنے دیتا - کہ ہمارے پاس سلامت یعنی دل و دین نہیں ہے - یہ معشوق کی ستم ظریفی ہے - غارتگر دل ہوکر پھر یہ شکوہ !

میری تربت پر وہ شوخ آیا تو ہنس کر یوں کہا	تم وفاداروں میں تھے یا بیوفاداروں میں تھے

یعنی بے وفائی کی - مر گیا - خوب !

(۱۱) ترجمہ - تو نے سنا ہے کہ کوئی آدمی اس بزم میں تھوڑی دیر آرام سی بیٹھا ہو اور آخر کار اس صحبت سے ندامت سے نہ اٹھا ہو ؟

مطلب یہ ہے - کہ اس بزم (بزم دنیا یا بزم یار) میں جو آدمی تھوڑی دیر کیلئے خوشی سی بیٹھا آخر کار نادم ہوکر اٹھا -

دیدم و بپئے گلاب مے گردیدم	پژمردہ گلے بر سر شاخے دیدم
گفتم توچہ کردی کہ ترا مے سوزند	گفتا کہ دریں باغ دمے خندیدم

[illegible]

سامنے کئی راتیں پشیمان ہوکر اٹھی -

زبان - فصیح - وضم - ہر دو صحیح - زبانِ شمع مشہور - زبانہ شعلہ آتش -

غرامت - تاوان زدہ ہونا - پشیمان ہونا - عذاب -

مطلب یہ ہے - کہ اگر شمع نے اپنے روشن رخسار اور لب خندان پر ناز کیا - تو اس کی

[illegible]

[illegible] روشن کی آب و تاب	[illegible] ہیں جو شرم سے آب آب شمع
جل کر ایسی تو گری عارض سے ہو گئی خاک	آگے ترے حضور جو رکھتی ہے تاب شمع

[illegible]

مطلب یہ ہے کہ ہر چند پھول خوبصورت [illegible] خوشنما ہے اور سرو بھی قد ہونے میں ضرب المثل ہے مگر وہ بھی میری معشوق کی عارض و قامت [illegible] اس [illegible] تو وہ غبار کا شوق [illegible] سرو گل کو چھوڑ کر انکی قد یار اور سرو کے مقابلہ [illegible] ہوا کی رعایت ظاہر

(۵) ترجمہ۔ تو مست ہو کر گذرا اور عالم بالا کی خلوت نشینوں سے تیرے دیکھنے کیلئے شور قیامت اٹھا۔

ملکوت۔ بفتحتین۔ بادشاہی۔ پروردگاری۔ فرشتوں کا عالم اصطلاح صوفیا میں عالم معنی یا عالم ارواح۔ عالم غیب۔ فرشتوں کی عبادت کا مقام۔ طاعت بے قصور و بے فتور۔

مطلب یہ ہے کہ تو بحالت مستی اس ناز و ادا سے گزرا کہ تجھکو دیکھنے کیلئے عالم بالا کی خلوت نشینوں یعنی فرشتوں میں بھی ایک قیامت بپا ہو گئی۔ ممکن ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معراج کیطرف اشارہ [illegible]

[illegible]	[illegible]	
[illegible] ولولہ در عالم بالا گرفت	غلغلہ در گنبد والا گرفت	(خسرو)

(۶) ترجمہ۔ تیری رفتار کے مقابلہ میں شرم سے پاؤں نہ اٹھا یا سرو سرکش نے جو قد و قامت کا ناز پر اٹھا۔ یعنی سرو کو اپنے قد و قامت پر بہت ناز تھا۔ مگر تیری خوش خرامی دیکھ کر خجلت سے پاؤں نہ اٹھا سکا۔ ظاہر ہے کہ سرو چل نہیں سکتا۔ مگر شاعر نے وجہ کیا اچھی بتائی ہے۔ صنعت حسن تعلیل ہے۔

سرو کو سرکش کہنے کے دو سبب ہیں ظاہری یہ کہ بہی قد ہے معنوی یہ کہ معشوق کے ساتھ مقابلہ کیلئے اٹھا

کیا پانی پانی [illegible] قد نے ایسا	کہ سرو لب آب جو آب جو ہے۔

(۷) ترجمہ۔ اے حافظ خرقہ کو پھینک دے شاید کہ اسطرح جان بچالی کیونکہ فریب اور کرامت کے خرمن کو آگ لگ گئی

خرمن۔ بالکسر۔ تودہ غلہ تا کوفتہ و مطلق تودہ۔

مطلب یہ ہے کہ ریاکاری۔ اور ظاہری بزرگی ایمان کیلئے خطرناک ہے۔ اسکو ترک کر۔ چونکہ ظاہر [illegible] کا لباس خرقہ ہے۔ اور وہ اس خرقہ کی بدولت اپنی باطنی خباثت کو ظاہر نہیں ہونے دیتے اور انکے فریبوں

[illegible]

اور جس کے بدن پر خرقہ ہوگا۔ وہ [illegible] جل جائیگا۔ قاعدہ ہے کہ جس کپڑے کو آگ لگ جائے۔ اس کو فوراً جسم سے اتار کر پھینک دیتے ہیں۔



کتبہ خاکسار عبداللہ خام رقم
نواں شہر - ایبٹ آباد
ہزارہ